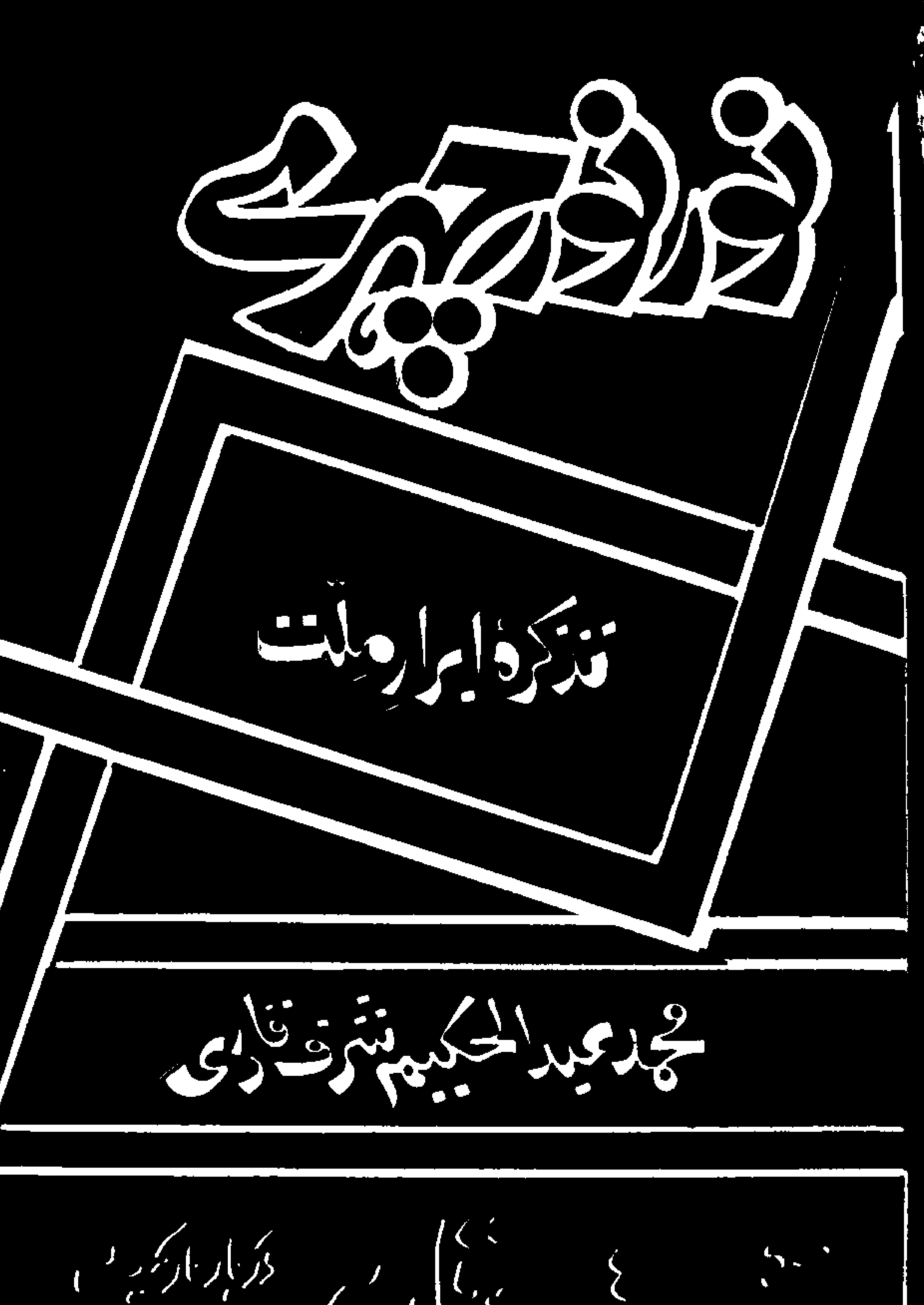
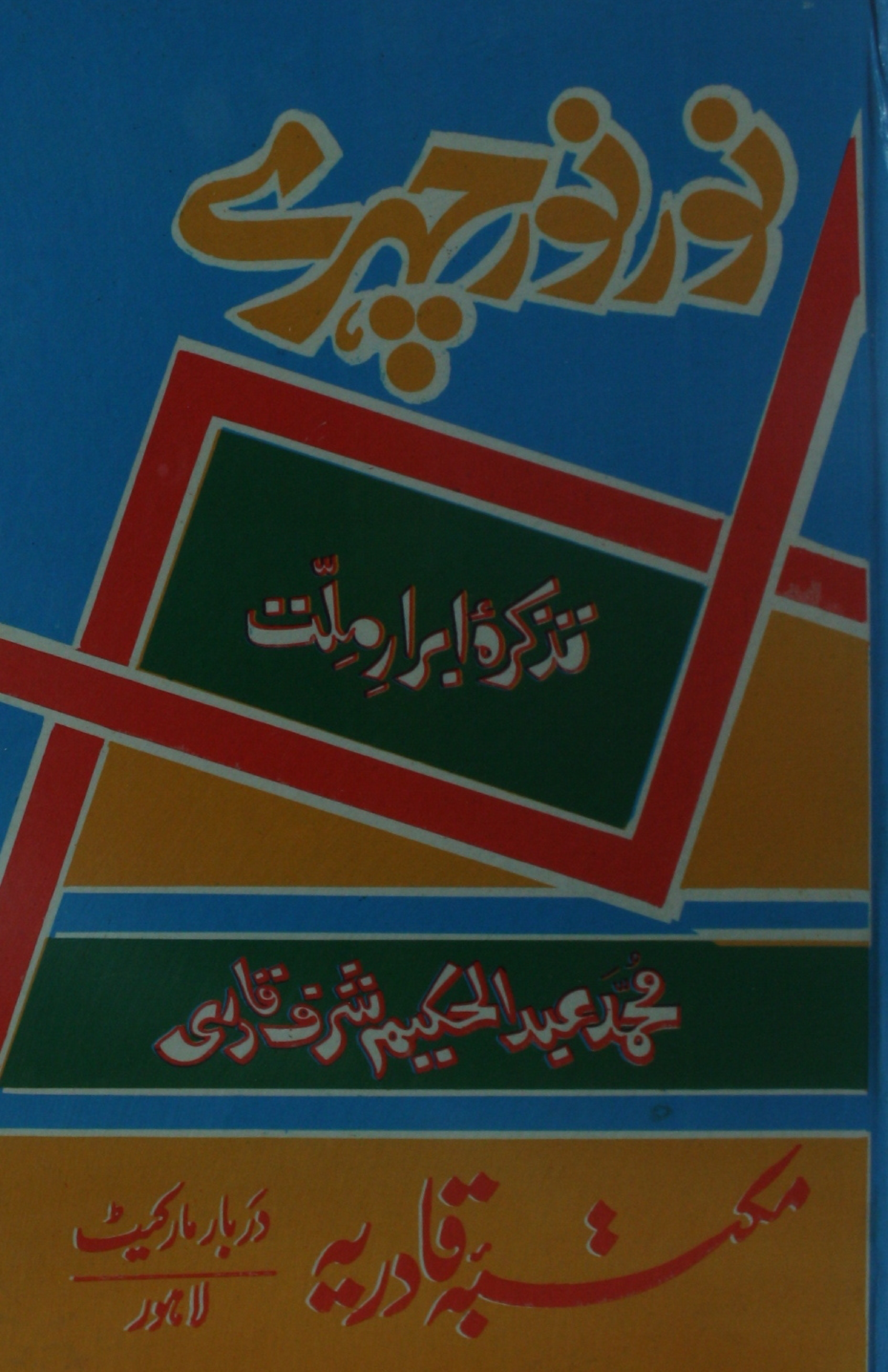


نور نور چہرے
تذکرۂ ابرارِ ملت
محمد عبدالحکیم شرف قادری


نورانی چہرے
تذکرۂ ابرارِ ملت
محمد عبدالحکیم شرف قادری
مکتبہ قادریہ
دربار مارکیٹ
لاہور


نور نور چہرے
تذکرۂ ابرارِ ملت


محمد عبدالحکیم شرف قادری


مکتبہ قادریہ
جامعہ نظامیہ رضویہ لوہاری منڈی لاہور

نام کتاب ——— تذکرۂ ابرارِ ملت (رحمہم اللہ تعالیٰ)
تالیف ——— محمد عبد الحکیم شرف قادری
ابتدائیہ: خواجہ رضی حیدر، ڈپٹی ڈائریکٹر قائدِ اعظم اکیڈمی، کراچی
کتابت ——— محمد عاشق حسین ہاشمی چنیوٹ
تصحیح ——— (۱) مولانا ریاض احمد سعیدی زیدمجدہٗ
جامعہ قادریہ رضویہ، فیصل آباد
(۲) جناب محمد عالم مختار حق زیدلطفہٗ
طباعت بار اوّل ——— ۱۴۱۸ھ / ۱۹۹۷ء
تعداد ——— ایک ہزار
قیمت ———

ملنے کے پتے

مکتبہ قادریہ، دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ، لاہور،
مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ لاہور
مکتبہ ضیائیہ، بازار تلواڑاں، راولپنڈی
گنج بخش روڈ کے تمام مکتبے۔
مکتبہ اشرفیہ، مُریدکے
مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ لاہور
ادارۂ مسعودیہ، ۲/۶، ۵ - ای ناظم آباد، کراچی
مکتبہ غوثیہ، سبزی منڈی، نزد فیضان مدینہ کراچی
مکتبہ سعیدیہ، جامعہ قادریہ رضویہ مصطفےٰ آباد، سرگودہا روڈ فیصل آباد
مکتبہ نوریہ رضویہ، گلبرگ اے، فیصل آباد،

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلماتِ تشکر

نحمدہٗ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہِ الکریم و علیٰ
آلہٖ و اصحابہٖ و من تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین
اَمّا بعد!

راقم الحروف ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۴ء تک جامعہ امدادیہ مظہریہ، بندیال ضلع خوشاب میں اُستاذ الاساتذہ ملک المدرسین مولانا علامہ عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ العالی کی علمی بارگاہ سے خوشہ چینی کرتا رہا۔ اسی دوران اہل سنت و جماعت کے مخالف ایک واعظ کی تقریر سُننے کا اتفاق ہوا، جس کی آواز جامعہ امدادیہ میں صاف سُنائی دے رہی تھی۔ اُس نے اہل سُنت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"علماء دیوبند نے تعلیمی، تبلیغی اور تصنیفی میدان میں فلاں فلاں خدمات انجام دی ہیں، یہاں تک کہ تمہارے مدارس میں وہ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، جن پر ہمارے علماء نے حواشی لکھے ہیں، تمہارے علماء نے علماء دیوبند کی مخالفت کے علاوہ کیا کام کیا ہے؟"

سچی بات یہ ہے کہ اس کے ان کلمات نے مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا، اس لئے نہیں کہ علمائے اہل سُنت نے کوئی کام نہیں کیا، علماء اہل سُنت کے کارنامے تو آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں حصہ لینے کی پاداش میں قصۂ دار و رسن کو نیا خون اور جزیرۂ انڈیمان کے کالے پانی کو قال اللہ و قال الرسول کے ذریعے نئی زندگی فراہم کرنے والے علماء اہل سنت ہی تھے۔ اُنہوں نے نہ تو انگریز کی غلامی قبول کی

اور نہ ہی ہندو کے سایۂ عاطفت میں پناہ لی۔ انہوں نے نہ تو ملکۂ برطانیہ سے رشتۂ وفاداری قائم کیا اور نہ ہی نہرو اور گاندھی کو اپنا امام و مقتدا تسلیم کیا۔ ان کی تمام تر وفاداری اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تھی اور اسی پر قائم رہے

ظاہر ہے ایسے علماء کو انگریز حکومت سے کیا مراعات حاصل ہو سکتی تھیں؟ نہیں نہیں، بلکہ یہ علماء انگریزی حکومت کی طرف سے کسی رعایت اور منفعت کے قبول کرنے کے قائل اور روادار ہی نہ تھے، یہ تو ابھی چند دنوں کی بات ہے کہ ہندوستان کا سابق وزیر اعظم نرسیمارا ؤ ایک کروڑ روپے کی امداد دینے کے لئے خود بریلی شریف گیا جسے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے جانشینوں نے نہ صرف پائے حقارت سے ٹھکرا دیا بلکہ اُسے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز کے مزار پر چادر تک نہ چڑھانے دی۔ پریس پر ہندو کی اجارہ داری تھی، اس لئے علماء اہل سنت کو ان کی اسلام دوستی اور ہندو دشمنی کی سزا دینے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا جاتا۔

علماء اہل سنت نے اُس وقت مسلمانوں کی بقا کی جنگ لڑی، ظاہری وسائل نہ ہونے کے باوجود مدارس اور محراب و منبر کی آبرو کی ہر قیمت پر حفاظت کی۔ یہ علماء و مشائخ اہل سنت کی جہدِ مسلسل کا ہی نتیجہ تھا کہ تحریکِ پاکستان میں جمہور اہلِ اسلام نے مسلم لیگ کی آواز پر لبیک کہی۔

علماء اہل سنت نے تصنیف کے میدان میں بھی کامیابی کے پرچم لہرا دیئے، کونسا وہ علم و فن ہے، جس میں انہوں نے رشحاتِ قلم یادگار نہیں چھوڑے۔؟ اِن کی علمی اور قلمی کاوشوں کا مختصر سا جائزہ لینا ہو تو مولانا حافظ محمد عبد الستار سعیدی کی مرآۃ التصانیف کا مطالعہ کیجئے، جس میں انہوں نے سُنی قلمکاروں کی تقریباً ساڑھے چھ ہزار تصانیف کا اجمالی تعارف پیش کیا ہے، حالانکہ یہ بھی مکمل جائزہ نہیں ہے۔

مجھے جس چیز نے تشویش میں مبتلا کیا، وہ یہ تھی کہ ہمارے علماء کی گرانقدر تصانیف اور ہر علم و فن پر شہپاروں کی اشاعت کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا۔ اوّل تو بہت سی قیمتی تحریرات کی اشاعت ہی نہ ہو سکی اور جو زیورِ طبع سے آراستہ ہوئیں بھی سہی، تو ایک دو ایڈیشن کے بعد نایاب ہو گئیں۔

اس صورتِ حال کی بنا پر میرے اندر یہ جذبہ پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو خود بھی جو کچھ ہو سکا لکھوں گا اور علمائے اہلِ سنّت کی قیمتی اور نادر و نایاب تصانیف بھی منظرِ عام پر لانے کی کوشش کروں گا۔

فراغت کے بعد ۱۹۶۵ء میں جامعہ نعیمیہ، لاہور میں تدریس کا آغاز کیا۔ ۱۹۶۵ء-۶۶ میں جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ اسی دوران منطق کی مشہور کتاب حمداللہ پر مولانا علامہ احمد حسن کانپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کا عربی حاشیہ، مکتبہ رضویہ، انجن شیڈ، لاہور کی طرف سے شائع کیا۔ ۱۹۶۷ء-۷۰ - چار سال جامعہ اسلامیہ رحمانیہ، ہری پور میں مدرّس رہا، وہاں جمعیت علمائے ہند پاکستان قائم کی اور اُس کی طرف سے بارہ تیرہ رسائل شائع کئے۔ دو سال مدرسہ اسلامیہ اشاعت العلوم، چکوال رہا، وہاں سے جماعت اہلِ سنّت پاکستان، چکوال کی طرف سے ایک دو رسالے شائع کئے۔

اس کے بعد پھر جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور آ گیا۔ ۱۹۷۴ء کی ابتدا میں حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی مدظلہ، مولانا محمد منشا تابش قصوری اور مولانا محمد جعفر قادری کے تعاون سے مکتبہ قادریہ قائم کیا جو بحمدہٖ تعالیٰ تا حال قائم ہے۔ اس ادارے کی طرف سے پچاس سے زیادہ چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہوئیں، جن میں سے نبراس، شرح شرح عقائد، التعلیق المجلی حاشیہ منیۃ المصلی (عربی) از حضرت علامہ مولانا وصی احمد محدث سورتی، تذکرہ اکابر اہلِ سنّت، از راقم الحروف

باغی ہندوستان، المبین، العلامۃ فضل حق الخیرآبادی (عربی) از ڈاکٹر قمرالنساء (حیدرآباد دکن) امتیازِ حق، تاریخ تناولیاں، من عقائد اہل السنۃ (عربی) از راقم الحروف، مرآۃ التصانیف از مولانا محمد عبدالستار سعیدی، تعارف علماء اہل سُنّت از مولانا محمد صدیق ہزاروی، اعتنی یارسُول اللہ از مولانا محمد منشا تابش قصوری، التوسّل از حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم قادری ہزاروی سبعِ سنابل (فارسی) تذکرہ محدّثِ اعظم پاکستان از مولانا محمد جلال الدین قادری (کھاریاں) اور کچھ درسی کتب کے حواشی قابلِ ذکر ہیں۔ تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل البریلویہ کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، لکھنے کی سعادت ملی۔

آج پیچھے دیکھتا ہوں، تو ندامت کے ساتھ یہ احساس دامن گیر ہو جاتا ہے کہ تصنیف و تالیف کا جتنا کام ہونا چاہیے تھا، وہ نہ ہو سکا اور عصرِ حاضر کی ضرورت کے مطابق قرآن و حدیث، کلام، فقہ، تصوّف، تاریخ اور سیرتِ طیبہ کی خدمت کا جو کام ہونا چاہیے تھا نہ کر سکا، اس کی بڑی وجہ فرصت، وسائل اور راہنمائی کی کمی تھی، تاہم اُردو، عربی اور فارسی میں جو سینکڑوں صفحات راقم کے قلم سے لکھے گئے ہیں، اُنہیں دیکھتا ہوں، تو میری جبینِ نیاز اللہ ربّ العزّت جل شانہ کی بارگاہ میں جھک جاتی ہے، جس نے مجھ ایسے علمی اور مالی بے بضاعت سے اتنا کام لے لیا۔ اے ربّ العالمین! یہ محض تیرا لطف و کرم تھا کہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل مجھے اتنا کچھ لکھنے کی توفیق عطا فرمائی، ورنہ یہ ناکارۂ خلائق تو کسی بھی قابل نہ تھا۔

کچھ عرصہ قبل اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ خیال میرے دل میں پیدا ہوا کہ جو مضامین اور مقالات مختلف کتب و جرائد میں بکھرے ہوئے ہیں، انہیں یکجا کر کے کتابی صورت میں شائع کر دیا جائے۔ جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ یہ متفرق مقالات ایک جلد میں

شائع نہیں کئے جا سکتے، چنانچہ انہیں چار پانچ حصّوں میں تقسیم کر دیا، ان میں سے پہلا حصّہ بطورِ تبرک ان مقالات کو قرار دیا جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ سے متعلق تھے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ مجموعہ مقالات سیرتِ طیبہ کے نام سے چھپ کر ہدیۂ قارئین کیا جا چکا ہے۔

اس وقت دوسرا حصّہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو باقی حصے بھی زیورِ طبع سے آراستہ ہو جائیں گے۔

یہ حصّہ علمی اور روحانی شخصیات کے تذکرے پر مشتمل ہے، چونکہ یہ مقالات کسی منصوبے کے تحت نہیں لکھے گئے، ان میں سے کچھ متقدمین سے متعلق ہیں اور کچھ متاخرین سے، کچھ طویل ہیں اور کچھ بہت ہی مختصر،

کتابت کے بعد معلوم ہوا کہ یہ کتاب تقریباً سات سو صفحات پر مشتمل ہوگی۔ موجودہ گرانی کے دور میں اس کا شائع کرنا بھی اور خریدنا بھی مشکل ہوگا۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ نے مشورہ دیا کہ اسے دو حصّوں میں شائع کیا جائے، چنانچہ اس وقت اس کا ایک ہی حصّہ ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے —— یہ تذکرے مختلف رسائل و جرائد اور کتابوں میں بکھرے ہوئے تھے انہیں یکجا کرنا بھی بڑی محنت کا کام تھا۔ اس سلسلے میں فاضل عزیز مولانا محمد صفدر شاکر فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور نے بڑی دیدہ ریزی سے مواد جمع کیا، فاضل عزیز مولانا محبوب احمد چشتی فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، حال مدرس جامعہ نعیمیہ، لاہور نے بھی تعاون کیا کتابت کا مشکل مرحلہ راقم کے عزیز دوست جناب محمد عاشق حسین ہاشمی (چنیوٹ) کی محنتِ شاقہ سے سر ہوا۔ پروف ریڈنگ فاضل علامہ مولانا ریاض احمد سعیدی، مدرس جامعہ قادریہ فیصل آباد نے بے لوث جذبے کے تحت کی —— دوسری بار راقم کے دیرینہ کرم فرما اور بزرگ دوست جناب محمد عالم مختار حق نے جذبۂ اخلاص کے ساتھ تصحیح کی مشہور صاحب قلم اور مؤرخ جناب خواجہ رضی حیدر، ڈپٹی ڈائریکٹر قائدِ اعظم اکیڈمی، کراچی نے ابتدائیہ تحریر کیا۔ مولانا

محمد منشا تابش قصوری سے حسب معمول مشورے ہوتے رہے۔ ادب عربی کے فاضل عزیز ممتاز احمد سدیدی، حال جامعہ ازہر شریف قاہرہ، مصر، عزیزم مشتاق احمد قادری، عزیزم حافظ قاری نثار احمد قادری متعلم دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف ضلع سرگودھا سے بھی مشورہ ہوتا رہا۔ حضرت مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی، ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس و ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور سے دعائیں حاصل کیں، اس طرح یہ کتاب قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔ جناب ضیاء الدین صدیقی مدیر ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور کا ممنون ہوں کہ وہ راقم کے مقالات ضیائے حرم میں شائع کرتے رہتے ہیں۔ —— چند مقالات دیگر قلم کاروں کے من و عن شامل کر دیئے ہیں، جس کے لئے راقم مقالہ نگار حضرات کا شکر گزار ہے

۱۔ مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی از پیر علی محمد راشدی

۲۔ مولانا شاہ محمد عارف اللہ قادری میرٹھی، از پروفیسر خالد صدیقی

۳۔ قاضی محمد عبد الحکیم ایم۔ اے، از مولانا محمد منشا تابش قصوری

راقم کی آرزو تھی کہ حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں بریلوی، حافظ ملت مولانا علامہ عبد العزیز بانی جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، مجاہد ملت مولانا محمد حبیب الرحمٰن رئیس اعظم اڑیسہ اور امام نحو مولانا علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی (صاحب البشیر الکامل) رحمہم اللہ تعالیٰ و قدست اسرارہم اور کچھ دیگر حضرات کا تذکرہ بھی شامل کتاب کر کے برکت حاصل کرتا، لیکن افسوس کہ مجھے اتنی فرصت نہ مل سکی۔ راقم نے اپنے والد ماجد مولوی اللہ دتا ہوشیارپوری ثم لاہوری پر ایک مقالہ لکھا تھا، وہ بھی شامل کتاب کر دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کا مجھ پر حق تھا، جو میں نے کسی قدر ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

۱۸ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
۵ جون ۱۹۹۶ء

محمد عبد الحکیم شرف قادری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

علمائے کبار اور مشاہیر و اخیارِ اُمت کا تذکرہ جہاں لمحۂ موجود میں علم و عمل دُرست کرنے کا باعث ہوتا ہے، وہاں مستقبل میں ایک صالح روایت کے تسلسل کا موجب بھی۔ حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ العالی ہمارے درمیان اپنی ذات میں علم و عمل کے حوالے سے ایسی ہی ایک صالح روایت کے نمائندہ ہیں۔ آپ اسلاف و اخیارِ امت کے تذکرہ کو مستحب بھی تصور کرتے ہیں اور معزز بھی۔ نتیجہ یہ کہ آپ نے بحیثیتِ ایک عالمِ دین اپنی تدریسی و منصبی ذمہ داریوں کے ساتھ ہی ساتھ تصنیف و تالیف سے خود کو سنجیدگی سے وابستہ کر رکھا ہے۔ علمِ حدیث، فقہ، تاریخ اور تذکرہ کے ضمن میں آپ اب تک ۲۵ کتابیں لکھ چکے ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر اور توفیقات میں وسعت و برکت عطا فرمائے کہ ایسے لوگ امت کا سرمایہ ہوتے ہیں۔

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری نے پیشِ نظر کتاب میں بڑی عرق ریزی اور دماغ سوزی سے کام لیکر علماء و مشاہیرِ امت کے منتشر حالات کو مضامین کی صورت میں یکجا کر دیا ہے۔ آپ کی تحریر میں سلاست و روانی کے ساتھ ساتھ عالمانہ فضیلت کی بھی آب و تاب موجود ہے، جو یقیناً ہمارے دور کے اکثر علماء کی تحریروں میں مفقود ہے، جس کی بناء پر تفہیمی خلا پیدا ہو گیا ہے۔

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری کے اندازِ تحریر کی شگفتگی اور مطالعاتی کشش کا اندازہ اس حقیقت سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کی بیشتر کتابوں کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور مجھے امید ہے کہ آپ کی پیشِ نظر کتاب بھی عوام و خواص میں مقبولیت اور پذیرائی کا معیار قرار پائے گی۔ علامہ قادری کی تحریریں رنگ آمیزی، مبالغہ اور غیر ضروری اظہارِ عقیدت سے مبرا ہوتی ہیں جس کی بناء پر وہ طبقات بھی جو بوجوہ اغیار میں شمار ہوتے ہیں، ان تحریروں کو نہ صرف بغور پڑھتے ہیں، بلکہ ان کا اتباع بھی کرتے ہیں۔

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی ایمانی کیفیت، عبادت و ریاضت، صدق و اخلاص، تبحرِ علمی، جامعیت و ہمہ دانی کو عام کریں تاکہ نہ صرف اغیار کے پروپیگنڈے کا بطلان ہو سکے، بلکہ آئندہ نسلوں تک اپنے اسلاف کا ورثہ بھی منتقل ہو جائے اور یہ بات بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ آپ کو خادمِ دین ہونے پر ناز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے علم و عمل کے حوالے سے سخت ترین حالات میں بھی معذرت خواہانہ رویہ اختیار نہیں کرتے۔ اہلِ جاہ اور اہلِ دُنیا کی آسائشوں کے آگے کسی احساسِ کمتری میں گرفتار نہیں ہوتے، بلکہ اپنے علم و عمل کی بالادستی اور پائندگی پر قانع رہتے ہیں۔ آپ اپنے تمام صاحبزادگان کو چشمۂ علمِ دین سے سیراب کرنے کا عزم ہی نہیں رکھتے ہیں، بلکہ آپ نے عملی مثال قائم کی ہے آپکے بڑے صاحبزادے علامہ ممتاز احمد قادری سدیدی سلمہ، جامعۃ الازہر میں علمِ دین کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ مولانا مشتاق احمد قادری دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرشریف میں پڑھ رہے ہیں اور حافظ قاری نثار احمد قادری بھی مصروفِ تعلیم ہیں اور انشاء اللہ یہ سب صاحبزادگان اپنے والدِ گرامی کے نہ صرف علمی وارث ثابت ہوں گے، بلکہ دُنیائے اسلام میں معزز و منفرد قرار پائیں گے۔

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری فی زمانہ علمائے سلف صالحین کا نمونہ ہیں۔ تبحرِ علمی کے ساتھ فقر و استغنا آپکے مزاج کا لازمہ ہیں اور فی زمانہ یہی بات ان کے ثقہ و کامل ہونے کا ثبوت ہے۔ آپ کی تحریریں جہاں خدمتِ دین اور روایاتِ اسلاف کے فروغ میں ہیں، وہاں اپنے اخلاف اور آئندہ نسلوں کی تربیت کے لئے بھی ایک نمونہ ہیں۔ گویا آپ نے تصنیف و تالیف کے حوالے سے جو کاوشیں کی ہیں، وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا بہترین سنگم ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری کی مساعی جمیلہ کو اپنے حبیبِ پاک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میں قبول فرمائے اور آپ کی تحریروں کو آئندہ نسلوں کے علم و عقیدے کی اصلاح و پائیداری کا ذریعہ بنا دے۔ آمین!

حقیر و پُر تقصیر

خواجہ رضی حیدر (کراچی)

۲۱ مئی سنہ ۱۹۹۶ء

غزالیٔ زماں نازشِ دوراں

قدس سرہ العزیز

امامِ اہلِ سُنت، غزالیٔ زماں علامہ سیّد احمد سعید کاظمی قدس سرہٗ ایسی نادرِ روزگار ہستیاں صدیوں بعد عالمِ رنگ و بُو میں جلوہ گر ہوتی ہیں اور رہتی دُنیا تک اپنے آثار اور یادیں چھوڑ جاتی ہیں اور عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ تدریس، تصنیف، خطابت اور مقامِ فقر و درویشی، یہ اوصاف کسی ایک شخصیت میں جمع نہیں ہوتے۔ کوئی شخص اگر عظیم ترین خطیب ہے تو اس درجے کا مصنّف نہیں ہوتا، اور اگر میدانِ تصنیف میں بامِ عروج کو پہنچ جائے، تو تدریس میں اس بُلند مقام کا حامل نہیں ہوتا، لیکن بیہقیٔ وقت، رازیٔ دوراں، علامہ سیّد احمد سعید کاظمی کی شخصیت اس عمومی قاعدے سے مُستثنیٰ تھی، انہیں مسندِ تدریس پر دیکھا جاتا یا رُشد و ہدایت کی محفل میں یُوں محسوس ہوتا کہ قدرتِ صانع جل مجدہٗ نے انہیں بنایا ہی اس منصب کے لئے ہے۔ میدانِ خطابت و تصنیف میں ان کے زورِ بیان، قوّتِ استدلال اور دلائل کی فراوانی کے آگے اہلِ باطل کے دل سینوں میں بیٹھ بیٹھ جاتے۔ یُوں دکھائی دیتا کہ مخالفین کی تمام کاوشیں ایک سیلِ بے پناہ کے آگے خس و خاشاک کی طرح بہتی چلی جا رہی ہیں۔

یہی سبب تھا کہ مخالفین نے آپ کا راستہ روکنے کی بار ہا کوششیں کیں، مخالفتوں کے طُوفان اٹھائے، یہاں تک کہ آپ پر قاتلانہ حملے کرائے گئے، مگر آپ کے پائے استقلال میں جنبش نہ آئی اور آپ کا ہر قدم منزل کی طرف آگے ہی آگے بڑھتا رہا اور ایک وہ وقت آیا کہ سیّد کاظمی شہرِ اولیاء "ملتان" کی آبرو تھے اور مولانا حامد علی خاں، منبعِ علماء و مجاہدین ملتان کی پہچان تھے۔

حضرت کا سلسلۂ نسب سیدنا امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔
آپ کی ولادت باسعادت ۱۹۱۳ء میں امروہہ ضلع مراد آباد میں سید محمد مختار کاظمی کے گھر ہوئی۔ والدِ گرامی کا سایۂ شفقت بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا۔ تمام تر تعلیم و تربیت، اپنے برادرِ بزرگ، محدثِ جلیل حضرت مولانا سید محمد خلیل رحمۃ اللہ تعالیٰ سے حاصل کی۔
وہ مدرسہ بحر العلوم، شاہجہان پور میں مدرس تھے اور حضرت علامہ کاظمی کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ حضرت علامہ کاظمی نے تکمیلِ علوم کے بعد ان سے سندِ حدیث حاصل کی اور ان ہی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور اجازت و خلافت سے سرفراز کئے گئے۔ ان کے علاوہ مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں بریلوی سے بھی آپ کو خلافت و اجازت حاصل تھی۔

زمانۂ طالب علمی میں ہی آپ نے تدریس شروع کر دی تھی، فراغت کے بعد کچھ عرصہ جامعہ نعمانیہ، لاہور میں فرائضِ تدریس انجام دیتے رہے۔ ۱۹۳۱ء میں مدرسہ محمدیہ حنفیہ، امروہہ میں مدرس مقرر ہوئے۔ چار سال بعد ایک سال کا عرصہ اوکاڑہ میں قیام کیا۔ ۱۹۳۵ء میں ملتان تشریف لے گئے۔ نومبر ۱۹۳۵ء میں مسجد حافظ فتح شیر، بیرون لوہاری دروازہ میں قرآن پاک کا درس شروع کیا، جو اٹھارہ سال میں مکمل کیا۔ حضرت چپ شاہ کی مسجد میں عشاء کی نماز کے بعد حدیث کا درس شروع کیا۔ یہاں مشکوٰۃ شریف اور بخاری شریف کا درس مکمل کیا۔

اسی دوران آپ نے اپنے دولت کدے پر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ پھر ایک قطعۂ اراضی خرید کر مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم، ملتان قائم کیا، جہاں آپ درسِ حدیث دیتے تھے۔ یہ مدرسہ ملک بھر میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں سے سینکڑوں علماء اکتسابِ فیض کر کے ملک کے گوشے گوشے میں دینِ متین کی خدمت و تبلیغ انجام دے رہے ہیں۔
ایوب خان کے دور میں محکمۂ اوقاف نے جامعہ اسلامیہ بہاولپور کو اسلامی یونیورسٹی کا درجہ دیا، تو آپ کو

دعوت دی گئی کہ آپ مسندِ شیخ الحدیث کو زینت بخشیں۔ چنانچہ ۱۹۶۳ء سے ۱۹۷۴ء تک آپ بصد شان و شوکت اس منصب رفیع پر فائز رہے۔ اس عرصے میں آپ نے نہ صرف تشنگانِ علومِ حدیث کو سیراب کیا، بلکہ خوش اسلوبی سے اہلِ سُنّت و جماعت کی نمائندگی بھی کی۔ اہلِ علم یہاں تک کہ مخالفین نے بھی آپ کی محدثانہ جلالت اور علمی فضیلت کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا۔

آپ کے تلامذہ کی طویل فہرست میں سے چند اسماء یہ ہیں، علامہ منظور احمد فیضی احمد پور شرقیہ، مفتی سید شجاعت علی قادری سابق جسٹس وفاقی شرعی عدالت، علامہ سید سعادت علی قادری مبلغِ اسلام، مولانا محمد شفیع اوکاڑوی خطیب پاکستان، مفتی غلام سرور قادری، علامہ غلام رسول سعیدی، مولانا مشتاق احمد چشتی گولڑوی، مولانا عبدالقادر، خانیوال، علامہ محمد مقصود احمد، خطیب حضرت داتا گنج بخش لاہور، علامہ حسن الدین ہاشمی، علامہ غلام فرید ہزاروی، علامہ محمد شریف ہزاروی، مفتی محمد اقبال سعیدی، مولانا غلام مصطفےٰ رضوی، مولانا پیر محمد چشتی پشاور، مولانا عبدالرحمٰن حسنی، شاہوالہ خوشاب، صاحبزادہ محمد اسمٰعیل حسنی، شاہوالہ وغیرہم۔

حضرت غزالیٔ زماں رحمہ اللہ تعالیٰ کا خطابت میں منفرد انداز تھا، کسی بھی موضوع پر گفتگو فرماتے، تو محققانہ شان کے ساتھ عقلی اور نقلی دلائل کے انبار لگا دیتے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت میں ڈوبی ہوئی تقریر سُن کر عوام تو عوام علما بھی جھوم اُٹھتے۔ آپ کی خطابت کا خصوصی وصف تھا کہ اہلِ علم ذوق و شوق کے ساتھ حاضر ہوتے اور اپنے دامن علم اور محبت و عقیدت کے موتیوں سے بھر کر لے جاتے۔

جن دنوں آپ جامعہ نعمانیہ، لاہور میں مدرس تھے، زندہ دلان لاہور نے موچی دروازہ کے باغ میں میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سلسلے میں ایک عظیم الشان جلسے کا اہتمام کیا۔ علامہ اقبال (علیہ الرحمہ) کرسی صدارت پر بیٹھے ہوئے محویت کے عالم میں علامہ کاظمی کا خطاب

سُن رہے تھے۔ آپ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسمِ گرامی محمد کی شرح میں ایک گھنٹہ تقریر فرمائی۔ تقریر کے بعد علامہ اقبال نے آپ کو سینے سے لگالیا اور کہا

ع ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں ہے[1]

فنِ مناظرہ میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر مہارت عطا فرمائی تھی کہ مدِمقابل زیادہ دیر تک تابِ مقابلہ نہیں لا سکتا تھا۔ مدینہ طیبہ کے نجدی قاضی نے کہا کہ آپ روضۂ اقدس پر حاضری کے وقت بیت اللہ شریف کی طرف پشت کر کے کھڑے ہوتے ہیں، کیا آپ قبرِ رسول کو کعبہ سے افضل مانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، صرف کعبہ ہی نہیں، بلکہ عرشِ اعظم سے بھی افضل مانتا ہوں، اُس نے دلیل طلب کی، تو فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے عبدِ شکور ہیں اور چوتھے آسمان پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ، اور شکر میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے،

لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ "اگر تم شکر بجالاؤ، تو میں ضرور نعمتوں میں اضافہ کروں گا"۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مراتب میں ترقی یہ ہونی چاہیئے تھی کہ شکرِ الٰہی کی بدولت عرشِ الٰہی پر پہنچا دیا جاتا، حالانکہ وہ قیامت کے قریب زمین پر تشریف لائیں گے، اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جوار میں محوِ استراحت ہوں گے۔ ثابت ہوا کہ روضہ مقدسہ آسمانوں، بلکہ عرشِ اعظم سے بھی افضل ہے۔ یہ استدلال سُن کر قاضی دم بخود رہ گیا۔[2]

حضرت علامہ ہر دینی اور ملی تحریک میں بحیثیتِ قائد شریک رہے۔ تحریکِ پاکستان کا دل و جان سے ساتھ دیا۔ اس سلسلے میں قائدِ اعظم سے خط و کتابت بھی کی۔ اپنے خطبات کے ذریعے عوام و خواص میں تحریک کو مقبول بنایا۔ ۱۹۴۶ء میں سرزمین بنارس میں

---

[1] عابد نظامی، خواجہ، ضیائے حرم، غزالیِ دوراں نمبر (جولائی ۱۹۸۶ء) ص ۵۷

[2] غلام رسول سعیدی، علامہ، مقالاتِ سعیدی، ص ۶۸۹

منعقد ہونے والی عظیم الشان آل انڈیا سُنّی کانفرنس، تحریکِ پاکستان کے لیے سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے، اس کانفرنس میں پنجاب کے علماء و مشائخ کے وفد کے ساتھ شریک ہوئے اور مطالبۂ پاکستان کی حمایت کی۔

تحریکِ ختمِ نبوت ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء اور تحریکِ نظامِ مصطفےٰ ۱۹۷۷ء میں قائدانہ حصہ لیا اور تمام عمر مقامِ مصطفےٰ کے تحفظ اور نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔ ۱۹۴۸ء میں انوار العلوم ملتان میں علماء اہلِ سنت کا نمائندہ اجلاس بلایا جس میں تقسیمِ ملک کے بعد پیدا ہونے والے حالات کا جائزہ لیا گیا اور آل انڈیا سُنّی کانفرنس کا نام تبدیل کرکے جمعیۃ العلماء پاکستان کی تشکیل کی گئی جس کے پہلے صدر علامہ سید ابوالحسنات قادری صدر اور علامہ کاظمی جنرل سیکرٹری منتخب کیے گئے۔ مئی ۱۹۶۰ء میں اہلِ سنت کے مدارس کو منظم کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے تنظیم المدارس قائم کی، جس کی نشاۃ ثانیہ کے وقت جنوری ۱۹۷۴ء میں علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری قدس سرہٗ صدر منتخب ہوئے۔ ان کی علالت کے دوران ۲۸ نومبر ۱۹۷۸ء کو حضرت علامہ کاظمی صدر منتخب ہوئے اور حیاتِ مستعار کے آخری دنوں تک اس منصب کے فرائض بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ اب آپ کے صاحبزادے پروفیسر سید مظہر سعید کاظمی مدظلہٗ صدر ہیں۔

۱۶، ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو قلعہ کہنہ قاسم باغ ملتان میں فقید المثال کل پاکستان سُنّی کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں اخباری اطلاع کے مطابق بیس سے پچیس لاکھ تک عوام اہلِ سنت اور دس ہزار سے زیادہ علماء و مشائخ کا اجتماع تھا۔ تاریخِ پاکستان کی اس سب سے بڑی کانفرنس کے مرکزی کردار اور روحِ رواں حضرت علامہ کاظمی ہی تھے۔ اسی موقع پر ملک گیر سطح پر ایک غیر سیاسی تنظیم جماعت اہلِ سنت کو منظم کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور متفقہ طور پر آپ ہی کو مرکزی صدر منتخب کیا گیا۔ آپ نے اپنے صدارتی خطبہ میں فرمایا:

آج ہمارا ملک بحران سے دوچار ہے۔ ایک طرف الحاد ولادینیت کا سیلِ رواں اسلامی اقدار کو خس و خاشاک کی طرح بہائے لے جا رہا ہے دوسری طرف تحریکِ پاکستان کے مخالفین نے اپنے سیاہ ماضی کی روایات دُہرا کر ملک و ملت اور مسلکِ اہلِ سُنّت کو نقصان پہنچانے میں گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔ ان تمام سازشوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بنارس اور دارالسلام ٹوبہ سُنّی کانفرنسوں کی نہج پر ملتان میں یہ کل پاکستان سُنّی کانفرنس منعقد کی گئی ہے۔ (سُنّی کانفرنس، ملتان، مرتبہ شرف قادری، ص ۲)

حضرت علامہ نے اپنی تعلیمی، تبلیغی اور رُشد و ہدایت کی بے شمار مصروفیات کے باوجود محققانہ تصانیف کا قابلِ قدر ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔ پہلے ملتان سے ماہنامہ قائد اور پھر السعید نکالتے رہے، جس میں آپ کے عالمانہ مقالات شائع ہوا کرتے تھے۔ اسی رسالے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ ہونے کے موضوع پر مشہور دیوبندی قلمکار عامر عثمانی سے ایک عرصہ تک بحث کا سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر فریقِ مخالف نے خاموشی ہی میں عافیت جانی اور بحث کا سلسلہ ختم کر دیا۔ آپ کے تحقیقی مقالات تین جلدوں میں مقالاتِ کاظمی کے نام سے چھپ کر مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ حال ہی میں درود تاج پر اعتراضات اور اُن کے جوابات کے نام سے آپ کا مبسوط مقالہ شائع ہوا ہے جس میں جعفر شاہ پھلواروی کے اعتراضات کے مسکت جوابات دیئے گئے ہیں۔ آپ کا ترجمۂ قرآن چھپ گیا ہے۔ آپ نے قرآن پاک کی تفسیر کا کام بھی شروع کیا تھا، جو کثرتِ مشاغل کی بنا پر پہلے پارے تک ہی محدود رہا۔

حیف در چشم زدن صحبتِ شیخ آخر شُد
رُوئے گُل سیر ندیدیم و بہار آخر شُد

راقم نے پہلے پہل ۵۵-۱۹۵۴ء میں حضرت کی زیارت کی، فیصل آباد میں کسی جلسے میں آپ کا خطاب تھا - اس وقت آپ رومی ٹوپی استعمال کرتے تھے، ہر کسی کا تاثر یہ تھا کہ حضرت کی تقریر عالمانہ ہوتی ہے - پھر ۶۴-۱۹۶۳ء میں کئی دفعہ جامعہ نعیمیہ، لاہور میں آپ کی زیارت کی --- ۱۹۶۵ء میری تدریس کا پہلا سال تھا، جامعہ نعیمیہ میں تقرر ہوا - اسی دوران حضرت اُستاذِ گرامی ملک المدرسین مولانا عطا محمد گولڑوی مدظلہ کا پیغام ملا کہ اچھا ہوتا اگر جامعہ اسلامیہ بہاول پور کے تخصص فی الحدیث میں داخلہ لے لیتے، چنانچہ راقم بہاولپور پہنچ گیا - زبانی امتحان لیا گیا، دائیں جانب غزالیٔ زماں، بائیں جانب شیخ التفسیر شمس الحق افغانی، سامنے حامد حسن بلگرامی ان کے علاوہ ایک دو علماء اور بھی موجود تھے - پہلے بخاری شریف کھولی گئی، سامنے باب تھا، کتاب التکبیر الی الصلوٰۃ عبارت پڑھنے کے بعد افغانی صاحب نے سوال کیا کہ ترجمۃ الباب (عنوان) اور حدیث میں کیا مناسبت ہے؟ اتنی دیر میں راقم حاشیہ دیکھ چکا تھا، چنانچہ جواب دے دیا، پھر شرح عقائد کھولی گئی، مقام تھا، والصانع للعالم ھو اللّٰہ الواجب القدیم اس جگہ بھی سوال کیا گیا جس کا راقم نے جواب دیا - پھر پوچھا گیا، کیا ہدایہ اخیرین پڑھی ہے؟ اثبات میں جواب دینے پر کہا گیا کہ اتنا ہی کافی ہے - بلگرامی صاحب نے کہا کہ ایک سال پری تخصص میں رہ کر انگریزی پڑھنا ہوگی - پھر دو سال میں درسِ حدیث ہوگا، میں نے کہا کہ اتنا تو میرے پاس وقت نہیں ہے -

اس تمام کارروائی کے دوران حضرت علامہ کاظمی نے کوئی سوال نہیں کیا جب میں کمرے سے باہر آیا، تو حضرت بھی باہر تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ مولانا کو تو اگر خواب میں بھی انٹرویو دینا پڑے، تو دے دیں گے - پھر مجھے مخاطب کر کے فرمایا! آپ یہ کیوں کہتے ہیں کہ میرے پاس وقت نہیں ہے - آپ داخلہ لے لیں، پھر لاہور جا کر

مشورہ کرلیں۔ اگر مرضی ہو تو آجائیں، ورنہ معذرت کر دیں۔ افسوس کہ واپسی پر جو مشورہ ہوا تھا، وہ یہ تھا کہ معذرت کر دی جائے۔ چند دن بعد ہی پاک بھارت جنگ شروع ہو گئی۔ انٹرویو کے دوران میں نے جس اطمینان اور اعتماد کا مظاہرہ کیا اس کی پُشت پر یہ احساس تھا کہ مجھے حضرت کی سرپرستی حاصل ہے، لہٰذا گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اگرچہ اس وقت حاضر ہو کر استفادہ نہ کر سکا، لیکن یہ خیال ذہن پر مسلسل سوار رہا کہ کسی وقت حاضری دوں اور آپ کی بارگاہ سے توشہ چینی کروں۔ ۱۹۸۶ء میں احسان الٰہی ظہیر کی تالیف البریلویۃ کے جواب میں راقم کی تالیف "اندھیرے سے اُجالے تک" شائع ہوئی، تو مارچ کی ابتداء میں حضرت کے مرید ریاض ہمایوں سعیدی کے ہاتھ ایک نسخہ حضرت کی خدمت میں بھجوایا تاکہ آپ اس پر اپنے تاثرات تحریر فرما دیں اور یہ بھی عرض کیا کہ آپ کے تاثرات میرے لئے سند کی حیثیت رکھیں گے۔

۱۷ مارچ ۱۹۸۶ء کا دن میرے لئے یادگاری حیثیت رکھتا ہے۔ اس دن میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک ذرّے کو اُٹھا کر ہم دوش ثریا کر دیا گیا۔ علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے ہمالہ کو خزف ریزوں سے بغل گیر ہوتے دیکھا، اس روز میں الطاف و کرم کی برستی ہوئی پھوار میں نہایا۔ میرا مشام جاں محبت کی عطر بیز فضاؤں سے شادکام ہوا۔ میرے کانوں نے رحمت و رأفت کے وجد آفریں نغمے سنے۔ میرے ہاتھوں نے محبت کے پیکر لطیف کو چھوا اور یقین کیجیے کہ وہ کیف و سُرور حاصل کیا جو میری بصارت و بصیرت پر چھا گیا، میری رُوح کی گہرائی تک اُتر گیا۔ میرا ایمان ہے کہ اولیاء کرام کی محافل کی یہی وہ ضیاء پاشی اور عطر بیزی ہے کہ وہاں کافر بھی حاضر ہو تو ایمان لے آئے۔ افسوس کہ آج ایسی محفلیں نہیں ملتیں۔

اس تاریخ کو راقم، حضرت مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی مدظلہ اور مولانا محمد صدیق ہزاروی کی معیت میں حضرت غزالی دوراں کے دولت کدے پر حاضر ہوا۔ حضرت نے لطف و کرم اور حوصلہ افزائی کا وہ مظاہرہ فرمایا کہ عمر بھر یاد رہے گا۔ فرمایا، میں نے تمہاری تالیف دیکھی ہے اور اس پر اپنی رائے بھی لکھوا دی ہے۔ آپ کے ایماء پر صاحبزادہ سید حامد سعید مدظلہ نے یہ تحریر پڑھ کر سنائی۔ اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے فاضل جلیل حضرت مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری میدان میں آئے اور انہوں نے اس (البریلویۃ) کے رد میں "اندھیرے سے اجالے تک" کتاب لکھی جو اسم بامسمّٰی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فاضل مصنف نے مؤلف البریلویۃ کے مکر و فریب اور دجل کے تمام پردوں کو چاک کر دیا اور علم و یقین کے نور سے شکوک و اوہام کی ظلمتوں کو نیست و نابود کر دیا ہے۔ اس کا جو حصّہ سامنے آیا ہے اور اس کے پڑھنے سے یقیناً ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ ہم اندھیرے سے اُجالے تک پہنچ گئے ہیں۔

مصنف ممدوح نے نہایت خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ حقائق کو بے نقاب کیا ہے، مدلل اور مسکت جواب دیتے ہیں۔ انتہائی سلیس اور پاکیزہ انداز بیان ہے، تحقیق اور انصاف کی روشنی میں اگر یہ کتاب پڑھی جائے، تو پڑھنے والا بے ساختہ کہے گا حق یہی ہے ـــــ جو "اندھیرے سے اُجالے تک" کتاب کے مصنف نے لکھا:

فاضل محترم مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری مستحق تحسین و آفرین ہیں کہ انہوں نے بے نظیر کتاب لکھ کر حقائق کے چہروں سے نقاب اُٹھا دیا۔

راقم کے دریافت کرنے پر حضرت علامہ نے فرمایا، شام کا رہنے والا فواد نامی ایک عیسائی پادری تھا جو زیادہ تر بمبئی میں بطور مشنری کام کرتا تھا اور

ہر سال پاکستان آیا کرتا تھا۔ مختلف علماء سے وہ تبادلۂ خیال کرتا رہا، مگر اسے اطمینان حاصل نہ ہوا۔ ۱۹۶۰ء میں وہ ملتان آیا اور دس بارہ روز میرے پاس قیام کیا۔

اس کا اشکال یہ تھا کہ قرآن پاک میں ہے: مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ اور مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَھُمْ یعنی قرآن پاک پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔ اگر پہلی کتابوں میں تحریف کی جا چکی تھی، تو ان کی تصدیق کیسی؟ چھ دن تک اس مسئلے پر گفتگو ہوئی، بالآخر وہ مطمئن ہو گیا اور حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔ پھر اس نے ملتان کے عیسائیوں کو جمع کیا اور انہیں بھی اسلام کی دعوت دی، اس واقعہ کی تفصیل جماعتِ اسلامی کے رسالہ سیر و سفر میں شائع ہوئی تھی۔

اثنائے گفتگو میں فرمایا: مودودی صاحب نے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ کا ترجمہ کیا "جو معتوب نہیں ہوئے"۔ یہ ترجمہ غلط ہے کیونکہ عتاب تو انبیاء کرام علیہم السلام پر بھی نازل ہوا، تو کیا یہ مطلب ہو گا کہ ہمیں ان کے راستے پر بھی چلنا مطلوب نہیں ہے۔

یہ بھی فرمایا: گزشتہ دنوں ایک جلسے میں ایک نعت خواں نے نعت پڑھی، جس کا ایک مصرع ہے ۔ ع

یہ سب تمہارا کرم ہے آقا کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

اس پر مقرر صاحب نے کہا: بیٹھ جا خبیث! بات کہاں بنی ہوئی ہے، سب بگڑی ہوئی ہے ۔ یہ واقعہ بیان کرتے ہی حضرت جلال میں آگئے اور فرمایا: ایسا شخص واجب القتل ہے۔

اسی مجلس میں ایک صاحب حاضر ہوئے اور کہنے لگے لاہور میں قرآن کانفرنس ہو رہی ہے آپ سے درخواست ہے کہ اس اجلاس کی صدارت فرمائیں۔ آپ کے دریافت کرنے پر عرض کیا گیا کہ اس کانفرنس کا اہتمام ڈاکٹر اسرار احمد کر رہے ہیں، تو فرمایا: وہ تو ہمارے مسلک کے نہیں ہیں۔ یوں بھی میری طبیعت ناساز ہے اور میں سفر نہیں کر سکتا۔

راقم نے درخواست کی کہ مجھے علوم دینیہ کے پڑھنے پڑھانے میں عرصہ گزر چکا ہے دس بارہ سال سے حدیث شریف بھی پڑھا رہا ہوں۔ اگر آپ مجھے بطورِ اجازت دو تین سطریں تحریر فرمادیں تو بڑا کرم ہوگا۔ آپ نے بڑی توجہ سے میری بات سُنی، پھر فرمایا: مولانا! میں آپ کو اپنی ذاتی سند پیش کروں گا، یہ سند مدرسہ کی نہیں، میری ذاتی سند ہے ـــــ مزید فرمایا کہ میری سند حضرت مولانا شاہ احمد سعید مجددی قدس سرہٗ تک پہنچتی ہے۔

جب میں جامعہ اسلامیہ، بہاول پور گیا تو مخالفین نے اعتراض کیا کہ ان کی تو سند ہی منقطع ہے، کیونکہ حضرت شاہ احمد سعید کو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے اجازت نہیں ہے۔ میں نے انہیں حکیم عبدالحی لکھنوی کی تالیف نزہتہ الخواطر ج ۷، ص ۴۱ سے جب اجازت کا ثبوت پیش کیا تو وہ لاجواب ہوگئے۔ وہ عبارت یہ تھی:۔ وحصلت له الاجازة من الشيخ عبدالعزيز الدهلوى للصحاح الست۔

پھر فرمایا: مشائخ کا طریقہ ہے کہ سند دینے سے پہلے تبرّکاً کچھ نہ کچھ پڑھایا کرتے ہیں، لہٰذا بخاری شریف کی پہلی جلد لا دیجئے۔ راقم نے پہلی حدیث پڑھی اور حضرت نے اس پر جامع تقریر فرمائی اور اس کے بعد دُعائے خیر فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو کسی وقت یہ تقریر بھی ہدیۂ قارئین کی جائے گی۔

یہ نشست خاصی طویل تھی، وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہو سکا، لیکن حضرت نے علالت کے باوجود کسی قسم کی اکتاہٹ یا تھکاوٹ کا قطعاً اظہار نہیں فرمایا، بلکہ اسی دوران اپنی ایک تحقیق کی تفصیلات بیان فرمائیں، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ تعمیر کعبہ کے وقت دوسرے لوگوں کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی پتھر اُٹھا اُٹھا کر لا رہے تھے۔ آپ کے عمِ محترم حضرت

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آپ اپنی چادر اُتار کر کندھے پر رکھ لیں تاکہ پتھر آپ کو تکلیف نہ دے۔ آپ نے ایسا ہی کیا، مگر فوراً ہی زمین پر بیٹھ گئے اور فرمایا: میری چادر دو، اس وقت آپ کی عمر شریف کتنی تھی؟ اس بارے میں محدثین کے مختلف اقوال ہیں، لیکن میری تحقیق ہے کہ یہ کمسنی کا واقعہ ہے۔ حدیث شریف کے مطابق چچا، باپ کے قائم مقام ہوتا ہے۔ ایک طرف تو چچا کے حکم کی تعمیل کی، دُوسری طرف کمسنی کے باوجود حیاء کا اس قدر غلبہ تھا اور آپ کی طبیعت میں اتنا راسخ ہو چکا تھا کہ اس حالت میں چلنے پر طبیعت آمادہ ہی نہ ہو سکی۔

پھر ایک رسالے کا مسودہ عنایت کیا اور فرمایا: میں چاہتا ہوں یہ رسالہ مرکزی مجلس رضا، لاہور کی طرف سے شائع کیا جائے۔ یہ رسالہ النبی کا صحیح معنی ومفہوم کے نام سے حضرت کے وصال کے بعد شائع ہوا۔

یہ مجلس ظہر سے پہلے تھی۔ حضرت مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی مدظلہ نے اجازت لی اور راقم بھی ان کے ہمراہ مدرسہ ہدایت القرآن، ممتاز آباد میں مولانا مفتی ہدایت اللہ پسروری مدظلہ، سے ملاقات کے لیے چلا گیا۔ مولانا محمد صدیق ہزاروی، تنظیم المدارس کی سندوں پر دستخط کرانے کے لئے حضرت کے پاس ہی رہے۔ عشاء کی نماز کے بعد دوبارہ حاضر ہوئے، تو آپ نے نہ صرف تین سو سے زائد سندوں پر دستخط فرما دیئے تھے، بلکہ اپنی ذاتی سند کے تین نسخے بھی تیار کئے ہوئے تھے۔ ایک سند حضرت مفتی صاحب کو، ایک علامہ محمد صدیق ہزاروی کو اور ایک راقم کو عطا فرمائی۔

بعد میں معلوم ہوا کہ آرام کئے بغیر حضرت مسلسل کام کرتے رہے تھے۔ آج بھی سوچتا ہوں، تو حیرت ہوتی ہے کہ پیرانہ سالی، علالت اور نقاہت کے باوجود یہ ہمت واستقامت؟ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت تھی، ورنہ عام انسانی قویٰ اتنی محنت کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

۲۵ رمضان المبارک، ۴ جون ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۶ء کو مغرب کے بعد حضرت کے ایک مرید سے ملاقات ہوئی، جو ملتان سے تشریف لائے تھے۔ راقم نے نے انہیں اپنی تازہ تالیف شیشے کے گھر کا ایک نسخہ حضرت کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے دیا۔ عشاء کے بعد یہ رُوح فرسا خبر ملی کہ رازیِ دوراں، غزالیِ زماں آفتابِ حکمت و معرفت علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ وصال فرما گئے ہیں یہ خبرِ وحشت اثر جس نے بھی سُنی، سکتے میں آگیا۔ دوسرے دن حضرت مفتی صاحب کے ساتھ ملتان حاضر ہوا۔ حضرت کا آخری دیدار کیا۔ نمازِ جنازہ میں شرکت کی اور اس مُسافر کی طرح واپس ہوا جو کسی ویرانے میں اپنا سب کچھ لٹا چکا ہو اور اسے کہیں سے روشنی کی کوئی کرن دکھائی نہ دے رہی ہو۔

ملتان کی مرکزی عید گاہ کے پہلو میں حضرت کی آخری آرام گاہ بنی، جہاں آپ نصفِ صدی سے زیادہ عرصہ تک خطبۂ جمعہ دیتے رہے اور مسلمانوں کے دلوں کو ایمان اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیبِ مکرّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سے منور فرماتے رہے۔ آپ کے بڑے صاحبزادے پروفیسر سید مظہر سعید کاظمی مدظلہ آپ کے جانشین ہیں۔ حضرت کے تمام صاحبزادے شرافت، متانت اور نجابت میں اپنے عظیم والد اور محسنِ ملت کے آئینہ دار ہیں اور بجا طور پر یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ حضرت غزالیِ زماں رحمہ اللہ تعالیٰ کے مشن کو نہ صرف جاری رکھیں گے بلکہ اسے آگے بھی بڑھائیں گے۔

غزالیٔ زماں علامہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

امام اہلِ سنّت، حضرت علامہ احمد سعید کاظمی، ۲۵ رمضان المبارک ۴ جون ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء کو رحلت فرماگئے۔ ان کی وفات لاکھوں مسلمانوں کو خون کے آنسو رلا گئی۔ ملتِ اسلامیہ ظاہری طور پر ایک عظیم رہنما سے محروم ہوگئی اور یہ ایسا خلا ہے جو شاید ہی پُر ہوسکے۔ ان کے وصال سے تفسیر و حدیث کی مسند ہی سُونی نہیں ہوئی، بلکہ محراب و منبر کی زینت، خانقاہ درویشی کا جمال، رُشد و ہدایت کا صوفیانہ اندازِ دل نشیں، لاینحل سوالات کی عقدہ کشائی، قرآن و حدیث کی روشنی میں اربابِ سیاست کی راہنمائی اور دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے سوز و گداز کی مجسّم کیفیت رخصت ہوگئی، وہ جامع الصفات شخصیت تھے۔ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، وہ اسلامی علوم و فنون کے یکتائے روزگار ماہر اور اسرارِ معرفت کا دبستان تھے۔

علامہ کاظمی بیک وقت بہترین مدرّس اور محدّث، بُلند پایہ مُصنّف، شعلہ بیان خطیب اور صاحبِ حال شیخِ طریقت تھے۔ ان تمام عظمتوں کے باوجود تواضع اور انکسار کا یہ عالم کہ معمولی سے معمولی آدمی سے بڑی محبت اور احترام سے ملتے۔ جو شخص آپ کی خدمت میں ایک دفعہ بھی حاضر ہوا، وہ ہمیشہ کے لیے آپ کی محبت و عقیدت لے کر واپس آیا۔ ملتِ اسلامیہ کو جب بھی کوئی مشکل مرحلہ پیش آیا۔ علامہ کاظمی نے بیشوایانہ انداز میں بھرپور راہنمائی فرمائی۔ ۱۹۴۶ء میں بنارس کی سرزمین پر منعقد ہونے والی آل انڈیا سُنّی کانفرنس میں علماء و مشائخ کے وفد کے ہمراہ شریک ہوئے اور مطالبۂ پاکستان کی حمایت کی۔ یاد رہے کہ یہ کانفرنس تحریکِ پاکستان کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

آپ نے تحریکِ پاکستان، تحریک ختمِ نبوّت ۱۹۵۲ء، تحریک نظامِ مصطفےٰ ۱۹۷۷ء میں قائدانہ حصہ لیا اور تمام عمر نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ اور مقامِ مصطفےٰ کے تحفظ کے لئے جدّوجہد کرتے رہے۔ انوار العلوم ایسا مرکزی ادارہ قائم کیا، جہاں نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک تشنگانِ علوم و معارف کو سیراب فرماتے رہے۔ جمعیۃ العلماءِ پاکستان کے بانی رُکن اور پہلے جنرل سیکرٹری تھے۔ مرکزی جماعت اہلِ سُنّت، پاکستان اور تنظیم المدارس (اہلِ سُنّت) پاکستان کے صدر تھے۔

حضرت علامہ کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لاکھوں عقیدت مند، ہزاروں شاگرد اور محققانہ تصانیف کا قابلِ قدر ذخیرہ یادگار چھوڑا۔ حیاتِ مُستعار کے آخری سالوں میں قرآن پاک کا اُردو ترجمہ مکمل کیا اور تفسیر کا کام آخری دم تک کرتے رہے۔ غرض یہ کہ ان کی زندگی قابلِ صد رشک زندگی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہر سُنّی عالمِ دین کو ایسی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

۱۷ر مارچ ۱۹۸۶ء کو راقم، حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم قادری ہزاروی اور مولانا محمد صدیق ہزاروی کی معیت میں حضرت علامہ کاظمی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ نے لُطف و کرم اور اصاغر نوازی کا وہ مظاہرہ فرمایا جو تا حیات یاد رہے گا۔ اسی ملاقات میں آپ نے پیشِ نظر رسالہ النبی کا صحیح معنیٰ و مفہوم عنایت فرمایا اور فرمایا: "میں چاہتا ہوں کہ مجلسِ رضا اسے شائع کرے۔" چنانچہ راقم نے اس کا مسودہ لاکر کاتب (محمد عاشق حسین ہاشمی) کے حوالے کر دیا۔ ابھی یہ رسالہ طباعت کے مراحل طے نہیں کر پایا تھا کہ حضرت غزالئ زماں، رازی دوراں رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۰

۲۲ر ذوالقعدہ ۱۴۰۶ھ
۳۰ر جولائی ۱۹۸۶ء

محمد عبدالحکیم شرف قادری

ابتدائیہ "النبی کا صحیح معنیٰ و مفہوم"، رضا اکیڈمی، لاہور،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا مولوی اللہ دتا ہوشیار پوری ثم لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ

معروف بہ حافظ جی

درمیانہ قد' کتابی چہرہ' ناک کسی قدر موٹی' آنکھیں درمیانی' نگاہیں تیز' سر پر نفاست سے باندھی ہوئی پگڑی' کرتے اور تہبند میں ملبوس' نگاہیں نیچی' زبان محو ذکر' اسلاف کی یادگار سنبھے تلے قدم اٹھاتے ہوئے گھر سے مسجد آتے جاتے ہوئے جس گلی کوچے سے گزرتے مردو زن' بچے' بوڑھے' جوان سب ہی کہتے: حافظ جی السلام علیکم!

اور حافظ جی ان کے سلام کا جواب اور مشفقانہ دعائیں دیتے ہوئے آگے بڑھ جاتے' جس محفل میں بیٹھتے جان محفل ہوتے' ان کی گفتگو اتنی عالمانہ' پروقار اور موثر ہوتی تھی کہ محفل میں بیٹھنے والے تمام خواص و عوام ہمہ تن گوش ہو کر سنتے' طبیعت میں ظرافت بھی بدرجہ اتم تھی۔ اس لئے ان کی گفتگو کی حلاوت احباب محفل کی توجہ مکمل طور پر اپنی طرف مبذول کر لیتی تھی۔ علمائی مجلس میں خاموشی سے بیٹھتے اور بوقت ضرورت لب کشائی کرتے تو اتنے اعتماد سے گفتگو کرتے کہ اہل علم حضرات بھی توجہ سے سنتے' عموماً تنہا بیٹھ کر درود شریف پڑھتے رہتے یا مصروف ذکرو دعا رہتے' کئی دفعہ آدھی رات یا اس کے کچھ بعد آنکھ کھل جاتی تو اٹھ کر مسجد میں چلے جاتے اور باقی رات یاد الٰہی میں مصروف رہتے اور صبح کی نماز پڑھ کر ہی واپس گھر آتے۔

مولوی اللہ دتا رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۹۱۰ء میں مرزا پور' ضلع ہوشیار پور' مشرقی پنجاب میں پیدا ہوئے' آٹھ سال کی عمر میں والدہ محترمہ اور دس سال کی عمر میں والد محترم نور بخش رحمہ اللہ انتقال کر گئے۔ ایک بھائی امام بخش تھے' لیکن انہوں نے سر پر دست شفقت نہ رکھا' بھری دنیا میں یکہ و تنہا' نہ کوئی رشتہ دار' نہ ہی غمگسار' ایسے عالم میں اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی' وہی ذات جو بے سہاروں کا سہارا ہے' اس کریم جل شانہ نے مرزا پور کی ایک عفت مآب پیکر تقویٰ و طہارت مجسمہ صبرو رضا اور علمی خاندان کی بیوہ خاتون جنت

بی بی رحمہا اللہ تعالیٰ کے دل میں رحم ڈال دیا وہ انہیں اپنے گھر لے آئیں اور اتنی شفقت و محبت دی کہ وہ اپنے والدین کو بھول گئے اور حافظ جی نے بھی ان کی اتنی خدمت کی کہ آج کے دور میں کم کوئی اپنے ماں باپ کی خدمت کرے گا۔

ماں جی جنت بی بی بنت حکیم شرف الدین کے سگے بھائی حکیم محمد حسن اور چچا میاں جمیل دین اور ماموں زاد بھائی حکیم محمد سعید رحمہم اللہ تعالیٰ نہ صرف متبحر عالم دین تھے بلکہ جلیل القدر طبیب حاذق بھی تھے۔ حافظ جی نے کریما' پند نامہ وغیرہ کتابیں حکیم محمد حسن رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھیں۔ گلستان' بوستان وغیرہ حکیم میاں محمد جمیل دین رحمہ اللہ تعالیٰ سے مثنوی نیرنگ عشق اور میزان الطب وغیرہ حکیم ابو سعید رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھیں' ایک دن حکیم ابوسعید رحمہ اللہ تعالیٰ سے میزان الطب پڑھ رہے تھے کہ حواس خمسہ کی بحث شروع تھی' کہ ایک پٹواری صاحب آگئے' بیٹھتے ہی پوچھنے لگے کیوں میاں کچھ آتا جاتا بھی ہے' یا یونہی وقت ہی ضائع کرتے ہو؟ یہ تو بتاؤ کہ آنکھ کسی چیز کو دیکھتی ہے تو کس طرح دیکھتی ہے؟ حافظ جی کے ذہن میں نہیں تھا کہ آنکھ کس طرح دیکھتی ہے؟ تاہم ان کی حاضر دماغی دیکھئے کہ انہوں نے الٹا پٹواری صاحب پر سوال کر دیا کہ پہلے آپ بتائیں کہ حواس ظاہرہ اور باطنہ کتنے ہیں اور ان کا کام کیا ہے؟ مجھے بھی تو پتا چلے کہ آپ کو بھی کچھ آتا ہے یا نہیں؟ پٹواری صاحب ایسے چپ ہوئے کہ پھر نہیں بولے اور کچھ دیر کے بعد اٹھ کر چلے گئے' حکیم صاحب نے اپنے ہونہار اور زیرک شاگرد کو اٹھ کر سینے سے لگالیا اور فرمانے لگے' بیٹے! آج تو نے میری لاج رکھ لی ہے۔

ماں جی جنت بی بی رحمہا اللہ تعالیٰ عابدہ زاہدہ اور نماز روزہ اوراد و وظائف کی پابند' مستجاب الدعوہ خاتون تھی' خدمت خلق ان کی طبیعت ثانیہ تھی' انہوں نے ایک بچی رابعہ بی بی کو بھی گود میں لے رکھا تھا۔ جس کے والد مولا بخش رحمہ اللہ تعالیٰ چار سال کی عمر میں داغ مفارقت دے گئے تھے اور والدہ زینب بی بی پندرہ سال کی عمر میں رحلت کر گئیں۔ ماں جی نے ان کی پرورش کی اور ماں سے بڑھ کر پیار دیا اور جوان ہونے پر ان کا نکاح حافظ جی سے کر دیا۔ ان دونوں میاں بیوی نے ماں جی کی اتنی محبت و عقیدت سے خدمت کی کہ

سگی اولاد بھی کیا کرے گی؟

افسوس! کہ مزید تفصیل ان سے دریافت نہ کر سکا کہ انہوں نے کیا کچھ پڑھا؟ البتہ ضرور اندازہ ہے کہ انہوں نے باکمال اساتذہ سے بہت کچھ پڑھا اور سنا تھا اور جو کچھ پڑھا تھا وہ انہیں مستحضر بھی تھا۔ عموماً کہا کرتے تھے کہ استادوں سے یوں سنا ہے' استاد یوں کہا کرتے تھے۔ ان کے اساتذہ کی وسعت علم اور قوت بیان کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حکیم ابو سعید رحمہ اللہ تعالیٰ مرزا پور سے کھڈیالہ جانے کے لئے پیدل روانہ ہوئے' راستے میں کریمائے سعدی کے ایک شعر کا مطلب بیان کرنا شروع کیا' میل ڈیڑھ میل کا فاصلہ ختم ہو گیا' لیکن بیان ابھی جاری تھا کھڈیالہ پہنچ کر فرمانے لگے کہ موقع ملا تو باقی پھر سہی! حافظ جی کو کتابیں خریدنے اور پڑھنے کا بھی بہت شوق تھا۔ لاہور اور دہلی سے کتابیں منگواتے اور بڑے شوق سے ان کا مطالعہ کرتے' ان کے پاس فقہ' طب' فارسی ادب' پنجابی اور اردو کتابوں کا خاصا ذخیرہ جمع تھا جو مرزا پور ہی رہ گیا تھا قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے لاہور آگئے اور انجن شیڈ میں ساری زندگی گزار دی۔ تمام عمر اپنی کتابوں ہی کا حسرت کے ساتھ ذکر کرتے رہے کہ وہ میں اپنے ساتھ نہ لا سکا' دوسرے سازو سامان کا کبھی تذکرہ نہیں کیا۔ ایک دفعہ پندرہ بیس کتابوں کی فہرست تیار کی۔ مثلاً انشاء جامی' انشاء سعدی' انشاء خلیفہ' انشاء صفوری' رقعات عالمگیری' رقعات بیدل' سہ نثر ظہوری' شرح سہ' نثر ظہوری جو خطیب پاکستان مولانا غلام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ (انجن شیڈ' لاہور) کے سامنے پیش کر کے پوچھا کہ یہ کتابیں کہاں سے ملیں گی؟ مولانا صاحب دیر تک حیرت سے ان کتابوں کے نام پڑھتے رہے پھر فرمانے لگے' مولوی اللہ دتا! میں نے آج پہلی مرتبہ ان کتابوں کے نام پڑھے ہیں' تمہیں کیسے بتاؤں کہ یہ کہاں سے ملیں گی؟

حافظ جی جن دنوں حکیم ابو سعید رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس پڑھا کرتے تھے ایک دفعہ حکیم صاحب نے فرمایا تمہاری طبیعت پڑھنے والی ہے اور میری پڑھانے والی ہے روزانہ آنے جانے میں بہت وقت ضائع ہو جاتا ہے تم بیوی لے کر میرے پاس کھڈیالہ آجاؤ اور یہیں علمی اور عملی طور پر طب حاصل کرو۔ تم اس کمال کو پہنچو گے کہ دیکھنے والے یاد

کریں گے کہ ہاں کسی نے انہیں پڑھایا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ انہیں اس سے بہتر موقع نہیں مل سکتا تھا' لیکن حافظ جی نے یہ کہہ کر معذرت کرلی کہ میں ماں جی جنت بی بی کو اکیلے چھوڑ کر آپ کے پاس نہیں رہ سکتا۔

البتہ! جب ماں جی کے بھائی حکیم محمد حسن رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتقال ہوا تو حافظ جی کے دماغ میں فوج میں بھرتی ہونے کا سودا سمایا' ماں جی نے بہت سمجھایا لیکن اپنے عزم سے واپس نہ ہوئے' بالآخر انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس گاؤں میں ایک مستانی صاحب (مجذوبہ) رہتی ہیں' ان سے پوچھ کر آؤ' ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے دیکھتے ہی کہا: جہاں جانا چاہتے ہو وہاں سے کچھ نہیں ملے گا' تب اپنا ارادہ ترک کیا۔ حافظ جی کمال کی قوت برداشت رکھتے تھے۔ ایک دفعہ مرزا پور میں کیکر کا درخت خریدا اسے کاٹتے ہوئے کلہاڑا دائیں پاؤں پر لگا' درمیانی اور اسکے ساتھ والی انگلی کے درمیان دو اڑھائی انچ شگاف ڈال گیا' اسی حالت میں پاؤں پر ریت ڈالتے رہے اور پورا کیکر کاٹ کر گھر بھجوا دیا' تب گھر جا کر پٹی کروائی۔

گاؤں والوں نے ان کی نیک نفسی اور علمی صلاحیت کے پیش نظر انہیں گاؤں کا امام مقرر کر دیا' گاؤں کے سب' بڑے چھوٹے انہیں میاں جی کہہ کر پکارتے' پاکستان آنے کے بعد بھی پرانے واقف کار انہیں میاں جی کہہ کر ہی پکارتے اور یاد کرتے تھے' گاؤں میں کوئی خوشی کی تقریب ہو یا غم کی' اس میں حافظ جی کی شرکت ضروری سمجھی جاتی' حافظ جی بھی انہیں دل کھول کر دعاؤں سے نوازتے' غم کی محفل ہوتی تو انہیں صبر و شکر کی تلقین کرتے' موقع محل کے مطابق آیات و احادیث اور بزرگان دین کے ارشادات سنا کر ان کی ڈھارس بندھاتے۔

تعزیت کے موقع پر فرماتے: استادوں سے سنا ہے کہ کسی کا عزیز انتقال کر جائے تو یوں تعزیتی دعا کی جائے۔

اعظم اللہ اجرک واحسن جزاءک وغفر میتک

اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا سے جانے والے کی خدمت اور تیمارداری کا اجر عظیم عطا فرمائے۔ اس کے انتقال کے صدمے پر صبر کرنے کی بہترین جزا عطا فرمائے۔ اور دنیا سے

رخصت ہونے والے تمہارے عزیز کی مغفرت فرمائے۔

۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کا اعلان ہوتے ہی ہندو اور سکھوں کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ عرصہ دراز تک ایک ساتھ امن وسکون کے ساتھ رہنے والے دشمن جاں بن گئے۔ کتنے شہید کئے گئے؟ کتنے زندہ جلا دیئے گئے؟ اور کتنے بچے ان کی ماؤں کے سامنے ذبح کر دیئے گئے؟ کوئی ماہر تاریخ ان کے صحیح اعداد و شمار نہیں بتا سکتا۔ آج ان کی روحیں ضرور پوچھ رہی ہوں گی کہ جس پاکستان کے لئے ہم نے اتنی بڑی قربانیاں دیں کیا اس کے مقاصد پورے کئے جا چکے ہیں؟ کیا اس میں نظام مصطفےٰ نافذ کیا جا چکا ہے؟ کیا یہاں رہنے والوں کی جان' مال' عزت و آبرو محفوظ ہے؟ کیا غریب آدمی کو باعزت دو وقت کی روٹی میسر ہے؟ کیا غریب آدمی کے بچوں کو تن ڈھانپنے کے لئے کپڑے میسر ہیں؟ کیا کمزور مظلوم کو انصاف میسر ہوتا ہے؟ آج ان سوالات کا جواب دینا تو درکنار ان کے سننے والے بھی انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔

اس قیامت خیز ماحول میں حافظ جی' بیوی' دو بیٹوں' دو بیٹیوں اور ماں جی کے ہمراہ عازم پاکستان ہوئے۔ بڑی مشکل یہ تھی کہ ماں جی چند قدم سے زیادہ چل نہیں سکتی تھیں۔ پیڑھی بچھا دی جاتی اس پر بیٹھ جاتیں' پھر چند قدم چل کر بیٹھنے پر مجبور ہو جاتیں۔ انہوں نے بڑا اصرار کیا کہ مجھے چھوڑ جاؤ' میں قبر کے کنارے پہنچی ہوئی ہوں۔ جیسے بھی ہو سکا زندگی کے باقی ماندہ دن پورے کر لوں گی۔ تم اپنی اور بیوی بچوں کی جان بچاؤ' کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے ساتھ تم بھی کسی مصیبت میں پھنس جاؤ' لیکن حافظ جی قیامت کی ان گھڑیوں میں انہیں چھوڑ کر آنے پر تیار نہ ہوئے اور کہنے لگے کہ جہاں آپ ہوں گی وہیں ہم ہوں گے اور یہ اس مقدس خاتون کی برکت ہی تھی کہ حافظ جی خیر و عافیت کے ساتھ لاہور پہنچ گئے۔ ماں جی کو بھاری کرایہ دے کر ایک بیل کے گاڑی پر بٹھایا اور خود پیدل چلتے رہے ان کا سب سے چھوٹا بیٹا محمد عبدالحکیم تین چار سال کا تھا اسے صرف اتنا یاد ہے کہ اسے پشت پر اٹھایا ہوا تھا ایک جگہ اسے پیدل اپنے ساتھ چلا رہے تھے کہ ایک گڑھے میں اس کا پاؤں گر گیا جس میں بارش کا پانی جمع تھا۔

حافظ جی کے نسبتی بھائی خوشی محمد' لاہور رہتے تھے' انہوں نے حافظ جی کا استقبال کیا اور انجن شیڈ لاہور میں اپنے پاس ٹھہرایا' چند دن بعد ایک دوسرے مکان میں منتقل ہو گئے انجن شیڈ لاہور کی جامع مسجد صدیقیہ میں خطیب پاکستان مولانا غلام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ خطیب تھے' انہیں ایسے خادم مسجد کی ضرورت تھی جو ان کی عدم موجودگی میں نائب امام کے فرائض بھی انجام دے' حافظ جی نے یہ خدمت اپنے ذمہ لے لی' اور تمام زندگی یہیں بسر کر دی ابتداء انہیں اٹھائیس روپے تنخواہ ملتی تھی' ایک عرصہ بعد چالیس روپے اور آخر میں دو سو روپے ہو گئی' آخر عمر میں فالج کے مریض ہو گئے تو مسجد کی انتظامیہ انہیں تاحیات ہر ماہ باقاعدگی کے ساتھ دو سو روپے مشاہرہ دیتی رہی' جو لائق تحسین اقدام تھا۔

مسجد کے مشاہرے کے علاوہ اہل محلہ شادی بیاہ یا کسی کی وفات کی صورت میں اسی طرح جمعرات اور دوسرے دینی تہواروں کے موقع پر نقدی یا کھانے کی صورت میں خدمت کیا کرتے تھے' تاہم ان کی زندگی غربت اور افلاس سے عبارت تھی لیکن کیا مجال کہ ان کی زبان پر کبھی حرف شکایت آیا ہو' جب بھی بات ہوتی یہی کہتے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے میری حیثیت اور قابلیت سے زیادہ عطا فرمایا ہے' میں ان نعمتوں کے لائق ہرگز نہیں تھا۔ کھانا کھانے کے بعد پابندی کے ساتھ انگلیوں پر گن کر یا باسط ۷۲ بار پڑھتے۔ (اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک باسط کے حروف ابجد کے حساب سے ۷۲ عدد ہیں) پھر ہاتھوں پر پھونک مار کر منہ پر پھیر لیتے' وہ کہتے تھے کہ وسعت رزق کے لئے یہ بہترین وظیفہ ہے اور واقعی اللہ تعالیٰ نے حافظ جی کو بڑی برکتیں عطا فرمائی تھیں' چار بیٹوں اور تین بیٹیوں کی شادی کی اور اپنے لئے مکان خریدا' دو بیٹوں کو خرید کر دیا اور وفات سے کچھ دن پہلے کہا کرتے تھے: "اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج میں نے کسی سے قرض لینا تو ہو گا' نا کسی کا نہیں" بعض اوقات خطیب پاکستان مولانا غلام الدین رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے' مولوی اللہ دتا! اتنے روپوں کی ضرورت ہے۔ حافظ جی انہیں لا کر پیش کر دیتے' اپنے پاس نہ ہوتے تو کسی سے لا کر پیش کر دیتے۔

خطیب پاکستان ان کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آتے تھے حافظ جی نے ان سے

قرآن پاک کا ترجمہ پڑھنا شروع کیا' بائیس پاروں کا ترجمہ پڑھا' پھر نامعلوم وجوہ کی بنا پر مکمل نہ ہو سکا' حافظ جی کے لئے یہ بھی بہت تھا وقتاً فوقتاً قرآنی آیات پڑھتے اور ان کا ترجمہ بھی بیان کرتے تھے۔ خطیب پاکستان راقم پر بھی بڑی شفقت فرماتے تھے' علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمہ اللہ تعالیٰ فاضل لاہوری کے لقب سے مشہور ہیں' ان کے نام کی مناسبت سے مجھے پیار سے فاضل لاہوری کہا کرتے تھے' اللہ تعالیٰ کرے کہ ان کے فرمائے ہوئے کلمات معنوی طور پر بھی صحیح ہو جائیں' فقیر کو انہوں نے بدائع منظوم بھی شروع کروائی تھی اور اس کے چند اسباق بھی پڑھائے تھے۔

پنجابی اشعار میں قرآن کریم کی تفسیر' تفسیر نعمانی کے مؤلف مولانا محمد حبیب اللہ نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حافظ جی کے بڑے گہرے تعلقات تھے' مرزاپور تشریف لے جاتے تو کئی کئی دن ان کے ہاں قیام کرتے' حافظ جی یوں بھی کشادہ دل اور مہمان نواز واقع ہوئے تھے' مولانا صاحب کی دل کھول کر خدمت کرتے' حافظ جی کی اہلیہ محترمہ مرحومہ مغفورہ کو انہوں نے منہ بولی بیٹی بنایا ہوا تھا' حافظ جی بذریعہ ڈاک بھی حسب استطاعت ان کی خدمت کرتے رہتے تھے۔ نقد رقم اور لکھنے کے لئے کاغذ بھی بھجوایا کرتے تھے۔

مولانا محمد حبیب اللہ نعمانی کا ایک مکتوب پیش نظر ہے جو انہوں نے ۳ نومبر ۱۹۵۳ء کو تحریر کیا' اس میں لکھتے ہیں:

محب مکرم مولوی اللہ دتہ صاحب سلمک اللہ!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

مرسلہ پانچ روپیہ مل گیا تھا' بہت بہت شکریہ! اللہ تعالیٰ آپ کی کمائی حلال میں دن دونی رات چوگنی ترقی کرے۔ کہ ایک دور افتادہ دوست کو ہمیشہ یاد رکھتے ہیں' اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے گا۔ میرے پاس سوائے دعا کے اور کیا ہے؟ جو معاوضہ میں دوں "نحی حبیب اللہ" مشہور ہے' حق تعالیٰ آپ کی اولاد اور رزق میں برکات نازل فرمائے' آمین! سفید کاغذ یہاں ۲ روپیہ دستہ ہو گیا آپ کی طرف سے بھی کاغذ نہ آئے' لکھنے سے معذور ہوں' بچوں کو پیار' دخترم

رابعہ کو پیار و سلام مسنون' باقی خیریت ہے۔

دعاگو محمد حبیب اللہ عفی عنہ

از چک نمبر۸۶ ڈاک خانہ ہارون آباد ریاست بہاول پور

ایک دوسرا مکتوب بھی اس وقت سامنے ہے یہ مرزا پور ضلع ہوشیارپور کے پتے پر بھیجا گیا تھا' اور ظاہر ہے کہ قیام پاکستان سے پہلے موصول ہو چکا تھا۔ یہ راقم کے برادر بزرگ کے نام لکھا گیا ہے اس میں تحریر ہے۔

عزیز القدر مولوی محمد عبدالغفار صاحب سلمہ

السلام علیکم و دعوات ترقی درجات کے بعد معلوم ہووے کہ میں بخیریت چک ۸۶ بھاگ سر علاقہ ہارون آباد ریاست بہاول پور پہنچ گیا ہوں' آپ سب کی خیریت جناب الٰہی سے چاہتا ہوں

جس قدر میری خدمت آپ نے اور آپ کے والدین نے کی ہے' تہ دل سے شکر گزار ہوں' بجز دعوات خیریت الدارین میرے پاس اور کوئی معاوضہ نہیں ہے' حضرت بی بی صاحبہ (ماں جی جنت بی بی) اور اپنے والدین کی خدمت میں بہت بہت ہدیہ تشکر و سلام عرض کر دیں۔

رستہ میں ہجوم کی وجہ سے بڑی تکلیف ہوئی' دریاؤں کی طغیانی سے فیروز پور کا بند ٹوٹ گیا' کئی روز تک ٹرین بند رہی' لہٰذا امرتسر سے چل کر ہارون آباد پانچویں دن پہونچا' پہلا روزہ رستہ ہی میں آیا' نقش لکھنے کا طریقہ دوسری طرف درج ہے۔ سب کو سلام' بچوں کو پیار رشیدہ اختر (شرف قادری کی بڑی بہن) و مولوی عبدالحکیم صاحب کو پیار و دیدہ بوسی۔

راقم محمد حبیب اللہ کمبوہ صاحب تفسیر نعمانی

از ہارون آباد منڈی ڈاک خانہ

اس مکتوب میں قابل توجہ اور باعث حیرت بات یہ ہے کہ راقم کی پیدائش ۱۳ اگست ۱۹۴۶ء کو ہوئی۔ اور یہ مکتوب قیام پاکستان سے پہلے کا ہے' یعنی اس وقت میری عمر دو

رابعہ کو پیار و سلام مسنون' باقی خیریت ہے۔

دعاگو محمد حبیب اللہ عفی عنہ

از چک نمبر۸۶ ڈاک خانہ ہارون آباد ریاست بہاول پور

ایک دوسرا مکتوب بھی اس وقت سامنے ہے یہ مرزا پور ضلع ہوشیارپور کے پتے پر بھیجا گیا تھا' اور ظاہر ہے کہ قیام پاکستان سے پہلے موصول ہو چکا تھا۔ یہ راقم کے برادر بزرگ کے نام لکھا گیا ہے اس میں تحریر ہے۔

عزیز القدر مولوی محمد عبدالغفار صاحب سلمہ

السلام علیکم و دعوات ترقی درجات کے بعد معلوم ہووے کہ میں بخیریت چک ۸۶ بھاگ سر علاقہ ہارون آباد ریاست بہاول پور پہنچ گیا ہوں' آپ سب کی خیریت جناب الٰہی سے چاہتا ہوں

جس قدر میری خدمت آپ نے اور آپ کے والدین نے کی ہے' تہ دل سے شکر گزار ہوں' بجز دعوات خیریت الدارین میرے پاس اور کوئی معاوضہ نہیں ہے' حضرت بی بی صاحبہ (ماں جی جنت بی بی) اور اپنے والدین کی خدمت میں بہت بہت ہدیہ تشکر و سلام عرض کر دیں۔

رستہ میں ہجوم کی وجہ سے بڑی تکلیف ہوئی' دریاؤں کی طغیانی سے فیروز پور کا بند ٹوٹ گیا' کئی روز تک ٹرین بند رہی' لہٰذا امرتسر سے چل کر ہارون آباد پانچویں دن پہونچا' پہلا روزہ رستہ ہی میں آیا' نقش لکھنے کا طریقہ دوسری طرف درج ہے۔ سب کو سلام' بچوں کو پیار رشیدہ اختر (شرف قادری کی بڑی بہن) و مولوی عبدالحکیم صاحب کو پیار و دیدہ بوسی۔

راقم محمد حبیب اللہ کمبوہ صاحب تفسیر نعمانی

از ہارون آباد منڈی ڈاک خانہ

اس مکتوب میں قابل توجہ اور باعث حیرت بات یہ ہے کہ راقم کی پیدائش ۱۳ اگست [illegible] کو ہوئی۔ اور یہ مکتوب قیام پاکستان سے پہلے کا ہے' یعنی اس وقت میری عمر دو

اڑھائی سال سے زیادہ نہیں ہو سکتی' اس عمر کے بچے کے لئے یہ لکھنا "مولوی عبدالحیم صاحب کو پیار و دیدہ بوسی" کیا معنی رکھتا ہے؟ پھر برادر محترم مولانا محمد عبدالغفار ظفر صابری مدظلہ بھی اس وقت دینی مدرسے میں نہیں بلکہ سکول میں پڑھتے تھے' ان کا نام بھی اس طرح لکھا۔ "مولوی محمد عبدالغفار صاحب .....صاف ظاہر ہے کہ ان کی ایمانی فراست کچھ نہ کچھ ضرور دیکھ رہی تھی۔"

الحمد اللہ! کہ ان کی دعائیں قبول ہوئیں اور ہم دونوں بھائی دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہوئے۔

حافظ جی اپنے اہل و عیال اور ماں جی جنت بی بی کے ہمراہ راستے کی مشکلات اور خوفناک ماحول کو عبور کر کے خیریت کے ساتھ لاہور پہنچ گئے؟ ان ہی دنوں راقم کو ٹائیفائڈ بخار ہو گیا جو ڈیڑھ دو ماہ جاری رہا' کبھی یوں دکھائی دیتا کہ دیوار سے بلی اتر رہی ہے' کبھی سانپ دکھائی دیتا' والدین کے علاوہ ماں جی نے میرے لئے بڑی دعائیں کیں' وہ دعا مانگتیں کہ یااللہ! اسے صحت عطا فرما' میری زندگی بھی اسے دیدے' بخار کا آنکھوں پر اثر پڑا اور راقم کی بینائی خاصی کمزور ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کے صدقے مجھے شفاء عطا فرما دی۔ لیکن وہ ۴۸ء یا ۴۹ء میں دنیا سے رحلت فرما گئیں' اللہ تعالیٰ انہیں بے شمار رحمتوں سے نوازے اور ان کی قبر کو جنت کا باغ بنائے! آمین۔

سخاوت اور دریا دلی:۔

حافظ جی اگرچہ ظاہری طور پر دولت مند نہ تھے' لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں دریاؤں جیسا وسیع اور غنی دل عطا فرمایا تھا' کسی حاجت مند کی ضرورت اور لاچاری نہ دیکھ سکتے تھے کئی دفعہ ایسا ہوا کہ راہ چلتے ہوئے کسی نے جوتے کا سوال کر دیا' وہیں اسے جوتے دے دیتے اور خود ننگے پاؤں گھر آجاتے' کسی نے کپڑے مانگے تو ساتھ لے آتے' خود دوسرے کپڑے پہن لیتے اور پہنے ہوئے کپڑے اتار کر اسے دیتے' سفر پر جاتے تو ریزگاری ضرور اپنی جیب میں رکھتے' اور ہر سائل کو کچھ نہ کچھ دیتے رہتے۔ اس مقصد کے لئے گھر میں

بھی ریز گاری رکھتے اور تاکید کرتے کہ کسی سائل کو خالی نہ جانے دیا جائے۔

عزیزم مختار احمد صابری (فیصل آباد) کا بیان ہے کہ ایک دن کہنے لگے تھیلا اٹھاؤ اور میرے ساتھ چلو' آٹا لے آئیں' میں نے کہا "ابھی کل پرسوں تو آٹا منگوایا ہے" کہنے لگے' تم چلو تو سہی' ڈپو سے دس سیر آٹا لیا' اور ایک گھر کے دروازے پر لاکر رکھ دیا' دروازہ کھٹکھٹایا ایک بچی باہر آئی' اسے کہا' یہ آٹا لے جاؤ اور واپس آگئے۔

آخری دنوں میں فالج کے مریض تھے اور راقم کے پاس جامعہ نظامیہ رضویہ' لوہاری دروازہ میں تشریف فرما تھے' مجھے حکم دیا کہ انجن شیڈ جاؤ اور فلاں جگہ ایک شخص محمد علی رہتا ہے' اسے بیس روپے دے آؤ' میں تلاش کر کے محمد علی کے گھر پہنچا' عشا کا وقت ہو گا۔ دروازے پر کئی دفعہ دستک دی لیکن کوئی جواب نہ ملا' اتنے میں ایک پڑوسی آگیا' اس نے زور سے دستک دی' اور آوازیں بھی دیں تو ایک معمر خاتون نے دروازہ کھولا اور درد ناک آواز میں کہنے لگیں' کہ میرا بیٹا بیمار ہے خود مجھے بھی بخار ہے' کانوں سے سنائی نہیں دیتا' اور گھر میں کوئی تیسرا فرد بھی نہیں ہے' چارپائی پر اس کا بیٹا بے حس و حرکت' فالج زدہ پڑا تھا' جس کی کھلی ہوئی آنکھیں زندگی کی نشاندہی کرتی تھیں اور بس' یہ ماحول اور یہ بے کسی دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو گئے اور توبہ و استغفار کرتے ہوئے واپس ہوا۔

ایک دفعہ پڑوسن کو سخت ضرورت پیش آگئی' اس نے آکر کہا کہ مجھے ایک ہزار چار سو روپے چاہئیں۔ فلاں تاریخ تک ادا کر دوں گی۔ اگر ادا نہ کئے تو آپ میرا مکان لے لیں۔ سستا زمانہ تھا' حافظ جی نے مطلوبہ رقم دے دی' اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ پڑوسن وعدے کی تاریخ پر رقم ادا نہ کر سکی۔ ایک دن وہ روتی ہوئی آئی اور کہنے لگی کہ میں اسوقت قرض ادا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں' اگر آپ میرا مکان لے لیں گے تو میں کیا کروں گی؟ حافظ جی نے کہا' بہن! تم کیوں روتی ہو؟ مکان تمہیں مبارک ہو' جب ہو سکے قرض ادا کر دینا۔

پاور ہاؤس لاہور سے ایک خاتون آیا کرتی تھی' جس کا شوہر معذور تھا اس کی ہر طرح خدمت کرتے' جب وہ لاہور سے منتقل ہو کر گوجرانوالہ چلی گئی تو وہاں سے بھی عید وغیرہ

کے موقع پر آیا کرتی تھی، کپڑوں اور نقدی کی صورت میں اس کی امداد کیا کرتے تھے۔ راقم ان دنوں جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں پڑھتا تھا۔ گنج بازار میں احسان الحق صدیقی پرانی کتابوں کے تاجر تھے، انکے پاس مجتبائی دہلی کی چھپی ہوئی شرح وقایہ دیکھی تو اس کے خریدنے پر دل مچل گیا۔ اٹھائیس روپے قیمت تھی یہ خیال بھی دامن گیر تھا کہ حافظ جی کی تنخواہ بہت قلیل ہے (اس وقت چالیس روپے تنخواہ تھی) ان سے کیونکر فرمائش کروں؟ لیکن شوق تھا کہ روکے نہ رکتا تھا، بالآخر فرمائش کر ہی ڈالی اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ انہوں نے بغیر کسی تردد کے مجھے اٹھائیس روپے نکال کر دے دیئے۔ اسی طرح ایک موقع پر انہوں نے پینسٹھ روپے کی کلائی گھڑی خرید کر دے دی۔

ذوق شعر و سخن:۔

حافظ جی کا حافظہ غضب کا تھا، فارسی، اردو اور پنجابی کے سینکڑوں اشعار نوک زبان پر رہتے تھے۔ موقع محل کے مطابق شعر پڑھتے تو اہل ذوق پھڑک اٹھتے، یوں معلوم ہوتا کہ یہ شعر اسی موقع کی مناسبت سے کہا گیا ہے زندگی بھر میں ایک یا دو مرتبہ انہیں اٹکتے اور سوچتے ہوئے دیکھا گیا ورنہ بے تکلف اشعار سنا دیتے، خطیب پاکستان مولانا غلام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کے دوست مولانا محمد عالم رحمہ اللہ تعالیٰ موضع بگولیاں، تحصیل پھالیہ، ضلع گجرات، کا ہے بگاہے خطیب پاکستان سے ملاقات کے لئے تشریف لاتے، ایسے ہی ایک موقع پر حافظ جی نے بیان کیا کہ ایک شخص نے اپنے صاحب حیثیت دوست کو کسی کام کے نہ کرنے پر بطور شکایت لکھا۔

آنا نکہ دم میش گرفتند برفتند ماغرق ازا نیم کو برپیل سوارئم

پھر اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے کہا کہ پنجابی مقولے کے مطابق بھیڑ کی دم پکڑنے والا نہ تو دریا کے اس کنارے رہتا ہے اور نہ ہی دوسرے کنارے پہنچتا ہے، بلکہ عین دریا کے درمیان ڈوبتا ہے شاعر کہتا ہے کہ بھیڑ کی دم پکڑنے والے تو چلے گئے، مگر ہم ہاتھی پر سوار ہونے کے باوجود ڈوب رہے ہیں۔

مولانا محمد عالم فرمانے لگے: مولوی اللہ دتا! تم نے کیا کچھ پڑھا ہوا ہے؟ کہنے لگے کچھ بھی نہیں' وہ کہنے لگے تم اشعار تو موقع کی مناسبت سے بہت عمدہ پڑھتے ہو' آخر کچھ تو پڑھا ہو گا؟ حافظ جی نے پھر یہی کہا کہ کچھ بھی نہیں پڑھ سکا۔ مولانا نے فرمایا: اچھا ہی ہوا کہ تم نے کچھ نہیں پڑھا' ورنہ موجودہ دور کے علما کو بات نہ کرنے دیتے۔

مرزا پور کی بات ہے کہ ایک سید صاحب جن کا ذہنی توازن کچھ درست نہ تھا' گھوڑے پر بیٹھے ہوئے کہیں جا رہے تھے اور گھوڑے کو بری طرح مارتے ہوئے شیخ سعدی کا یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

اگر سرنتا بدز عصیاں دلت بود اسفل السافلین منزلت

اگر تیرا دل نافرمانی سے باز نہیں آئے گا تو تیرا ٹھکانہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہو گا

حافظ جی نے بھی برجستہ کریمائے سعدی کا یہ شعر انہیں سنایا۔

مکن بر ضعیفان بے چارہ زور بیندیش آخر ز تنگئی گور

بے چارے کمزوروں پر ظلم نہ کر' آخر قبر کی تنگی سے ڈر

سید صاحب کو اور تو کچھ نہ سوجھا' کہنے لگے: آخر ظلم بھی تو کرنے کے لئے بنا ہے' حضرت رومی فرماتے ہیں۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است صد ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

دل ہاتھ میں لاؤ کہ یہ حج اکبر ہے لاکھوں کعبوں سے ایک دل بہتر ہے

عام طور پر اس شعر کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ خلق خدا کی جائز طریقے سے خدمت کرے اس کا دل ہاتھ میں لے آؤ کہ یہ حج اکبر ہے حافظ جی اس شعر کا یوں بیان کرتے کہ اپنے دل کو قابو میں لاؤ اور ناجائز خواہشات سے روکو کہ یہ حج اکبر ہے۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ شعر عموماً پڑھا کرتے تھے۔

غمخوارگی جز سرانگشت من نخارد کس اندر جہاں پشت من

میری انگلی کے کنارے کے سوا پورے جہاں میں ہمدردی کے ساتھ میری پشت کو کوئی کھجلی نہیں کرے گا۔ اس کا مطلب یوں بیان کرتے کہ کسی کو کہا جائے کہ میری پشت

پر کھجلی کرو تو وہ صحیح جگہ کھجلی نہیں کر سکے گا' اسے کہنا پڑے گا کہ کچھ اوپر یا نیچے' دائیں یا بائیں کھجلی کرو' جبکہ اپنی انگلی سیدھی وہیں پہنچے گی' جہاں کھجلانا مقصود ہو گا۔

کنجاہ ضلع گجرات میں مولانا غنیمت کنجاہی ہوئے ہیں' جنہیں فارسی زبان پر بڑا عبور تھا' ان کے کلام میں اہل زبان اساتذہ جیسی پختگی پائی جاتی ہے۔ ان کے بارے میں حافظ جی بیان کیا کرتے تھے' کہ انہوں نے اپنی کتاب مثنوی غنیمت عرف نیرنگ عشق میں عجیب و غریب واقعہ نظم کیا ہے' ایک رئیس زادہ بازی گروں کے لڑکے پر عاشق ہو گیا اور سب کچھ چھوڑ کر اس کے ساتھ چل دیا اور دنیا جہان کی خاک چھانتا پھرا' اس واقعہ کو انہوں نے بڑے سحر انگیز انداز میں پیش کیا' ان میں سے ایک کا نام شاہد اور دوسرے کا نام عزیز تھا' مولانا نے اللہ تعالیٰ کی حمد میں ان دونوں کا نام بڑی خوبصورتی سے سمو دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

بنام شاہد نازک خیالاں عزیز خاطر آشفتہ حالاں

نازک خیال شاہد کے نام سے آغاز' جو پریشان حال والوں کے دل کا عزیز ہے ایک جگہ محبوب کی نزاکت بیان کرتے ہوئے نازک خیالی کے عروج پر پہنچ جاتے ہیں۔

اگر پائے نہد در چشم بلبل نخار داز خیال خندہ گل

حافظ جی بیان کرتے کہ اگر کسی کی آنکھ میں معمولی سا تنکا بھی پڑ جائے تو وہ اس وقت تک آنکھ کو ستاتا رہے گا' جب تک تنکا نکل نہ جائے۔ مولانا غنیمت فرماتے ہیں کہ محبوب کے پاؤں کی نزاکت و لطافت کا یہ عالم ہے کہ اگر وہ بلبل کی آنکھ میں پاؤں رکھ دے تو وہ پھول کی مسکراہٹ میں اس طرح محو رہے گی کہ اسے آنکھ کا کھجلانا بھی یاد نہیں آئے گا' یعنی پائے محبوب کو بھی جلوۂ گل سمجھے گی۔

یہ مثنوی ایران پہنچی تو اساتذہ شعر و سخن نے کہا کہ یہ کسی پنجابی کا کلام نہیں ہو سکتا' ضرور کوئی شخص ایران سے پنجاب گیا ہو گا' جس نے یہ مثنوی لکھی ہے' لیکن ایک جگہ مولانا غنیمت نے بازی گروں کے بارے میں کہا "بزبان ما بھگت باز" ہماری زبان میں انہیں بھگت باز کہتے ہیں۔ تو انہیں حیرت کے ساتھ تسلیم کرنا پڑا کہ واقعی یہ شخص ایرانی نہیں بلکہ

پنجابی ہے اور پنجاب میں بھی ایسے پختہ کار سخنور ہو سکتے ہیں جو اہل زبان کی طرح شعر کہہ سکتے ہیں۔

۱۹۷۷ء میں حافظ جی راقم کے خسر قاضی علی بخش رحمہ اللہ تعالیٰ کی عیادت کرنے چک نمبر ۵۰ اوکاڑہ گئے' بظاہر تشویش کی کوئی بات نہ تھی لیکن ان کی نگاہوں نے غالباً نازک صورتحال کو بھانپ لیا اور رخصت ہوتے ہوئے پنجابی کا یہ شعر پڑھا۔

جیکر رب اگے دی توڑی زندگی بخشی مینوں   کرساں فیر زیارت تیری' دواع کیتا بن تینوں

چند دنوں کے بعد ان کا انتقال ہو گیا (انا للہ و انا الیہ راجعون)

۱۔ قاضی علی بخش مرزا پور کے قریب واقع موضع کھڈیالہ کے رہنے والے تھے' قیام پاکستان سے پہلے ان کے اور حافظ جی کے برادرانہ تعلقات تھے' قیام پاکستان کے بعد وہ اوکاڑہ میں مقیم ہو گئے اور سابقہ تعلقات نہ صرف برقرار رہے بلکہ مزید پختہ ہو گئے۔ قاضی صاحب نے اپنی دو لڑکیوں کا نکاح حافظ جی کے دو لڑکوں مولانا محمد عبدالغفار ظفر صابری اور محمد عبدالحکیم سے کر دیا' قاضی صاحب جیسے بے لوث بہت ہی کم دیکھنے میں آئے۔ مختلف دوائیں تیار کر کے رکھتے اور گاؤں والوں کو مفت دیتے' خودداری کا یہ عالم کہ کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا' جس بات کو حق سمجھتے' وہ ہر کسی کے منہ پر کہہ دیتے' ان کی چھ بیٹیاں تھیں ایک بیٹا لطیف تھا جو پاکستان آتے ہوئے راستے میں انتقال کر گیا۔ غربت کے باوجود انہیں غنائے نفس بدرجہ اتم حاصل تھا۔ راقم کی خوشدامن بیگم بی بی رحمہ اللہ تعالیٰ عبادت گزار اور انتہائی درجہ صابرہ و شاکرہ خاتون تھیں' فراغت کے اکثر اوقات قرآن پاک کی تلاوت میں صرف کرتیں' کوئی جنازہ گزرتا تو جان پہچان نہ ہونے کے باوجود کہتیں کہ میں نے اسے اڑھائی سپاروں کا ثواب بخشا' وہ دعا کرتی تھیں کہ یا اللہ ! مجھے بیٹیوں کے دروازے پر موت نہ آئے' ان کی دعا قبول ہوئی' اپنے بھتیجوں کے پاس گوجرہ گئی ہوئی تھیں کہ وہیں ۱۷ ذوالحجہ ۱۱ جولائی ۱۴۱۰ھ ۱۹۹۰ء کو انتقال کر گئیں۔ رحمہما اللہ تعالیٰ

مولانا غلام فرید ہزاروی ناظم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے والد ماجد کا انتقال ہوا تو حافظ جی نے ۲۶ اکتوبر ۱۹۸۳ء کو تعزیت کرتے ہوئے بتایا کہ ماہنامہ فیض الاسلام میں نالۂ یتیم

کے عنوان سے طویل نظم شائع ہوئی تھی' اسکے تین شعر ہی یاد رہ گئے ہیں (یہ علامہ اقبال کی نظم کے اشعار ہیں)

سایہ رحمت ہے تو اے ظل دامان پدر　　غنچۂ طفلی پہ ہے مثل صبا تیرا گزر
وادی عالم میں تو ہے رہنما مثل خضر　　آیۂ رحمت ہے تو شان کریمی سربسر
ہے شہنشاہی جو طفلی' تو ہما تاثیر ہے　　تو نہ ہو تو زندگی اک قید بے زنجیر ہے

حافظ جی بیان کیا کرتے تھے کہ جب سرمد نے کہا کہ "من خدایم من خدایم من خدا" تو حضرت اورنگ زیب عالم گیر نے انہیں بلا کر فہمائش اور تنبیہہ کی' تو وہ نہیں مانے' علماء سے فتویٰ لینے کے بعد عالمگیر نے ان کے قتل کا حکم دے دیا اس پر سرمد نے کہا۔

ما سر خود را زاول زیر پا دانستہ ایم　　شہر دہلی را بجائے کربلا دانستہ ایم
رفت دارا در پئے منصور و سرمد نیز رفت　　در دہلی را رضائے کبریا

○ ہم نے ابتداہی سے اپنے سر کو پاؤں کے نیچے تصور کیا ہوا ہے' دہلی کے مقتل کو ہم نے کربلا جانا ہے۔

○ منصور کے پیچھے دارا اور سرمد بھی گیا' ہم نے شہر دہلی کے مقتل کو اللہ تعالیٰ کی رضا تصور کیا ہے۔

○ یہ کہنا تھا کہ دہلی میں زلزلہ آگیا اور پورا شہر لرز اٹھا' عالمگیر بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد سر اٹھایا تو گویا ہوئے۔

ما شریعت را بجاں راہ صفا دانستہ ایم　　شہر دہلی را فدائے مصطفیٰ دانستہ ایم
رفت ہاماں در پئے فرعون و سرمد نیز رفت　　دار دہلی را رضائے کبریا دانستہ ایم

○ ہم نے دل و جان سے شریعت کو راہ صفا دیا جانا ہے۔ ہم نے شہر دہلی کو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جانا ہے۔

○ فرعون کے پیچھے ہاماں گیا اور سرمد بھی گیا' ہم نے دار دہلی کو اللہ تعالیٰ کی رضا جانا ہے۔

زلزلہ تھم گیا' جلاد سرمد کو لے کر مقتل کی طرف چلا گیا' وہاں پہنچ کر کہنے لگا کہ اب بھی توبہ کر لے' تیرا آخری وقت آپہنچا ہے' اس پر سرمد نے کہا

ز تیغ تیز تو کے می ہراسم — بہر رنگے کہ می آئی شناسم

میں تیری تیز تلوار سے کب ڈرتا ہوں — تو جس رنگ میں بھی آئے میں پہچانتا ہوں

آج تعجب ہوتا ہے جب بعض لوگ کہتے ہیں کہ سرمد کا قتل صرف سیاسی وجوہ کی بنا پر تھا کیونکہ شہزادہ دارا شکوہ کی ان کے ہاں آمدورفت تھی اور اسی پرخاش کی بنا پر سرمد کو قتل کروایا گیا' اس طرح عالمگیر ایسے دیندار بادشاہ کے کردار کو مسخ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

حافظ جی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے لکھے ہوئے بہت سے اشعار پیش نظر ہیں' ان میں سے کچھ سطور ذیل میں نقل کیے جاتی ہیں' عوام و خواص اور وعظ فروش خطیبوں کے بارے میں نقل کرتے ہیں۔

جاہ و زر کی جستجو میں ہر بشر لیل و نہار — مشرک و کافر' منافق' مسلمان پرہیز گار

مرد و زن' پیر و جوان' ہر پہلوان و ناتواں — ہمت و دانش موافق شیدائے زر خورد و کلاں

آنکھ والا' اندھا' جاہل' عالم و حافظ قرآں — ہر گویہ ساز والا' نعت خواں شیریں بیاں

سب شرافت' ہر نزاکت ہے جو سارے دہر میں — عزت و عظمت ہے زر' دیہات و قصبہ شہر میں

ہے کمینہ خاص جسکے پاس سرمایہ نہیں — عام لوگوں کی نظر میں اس کا کچھ پایہ نہیں

برگزیدہ واعظوں کی دھوم ہے آفاق میں — ہے مقرر کی اواز اب گونجتی افلاک میں

حق بیاں کرتے ہیں بے خوف و خطر ڈرتے نہیں — دلربا تقریر لیکن خود عمل کرتے نہیں

کس طرح پائیں یہ سیدھی راہ بیچارے عوام — دیکھا جاتا ہے کہ واعظ ہو گیا زر کا غلام

صوفی و عالم عموماً اب زمانہ حال کے

بن گئے دل جان سے عاشق خصوصاً مال کے

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بے کس پناہ میں یہ اشعار نقل کیے ہیں

عاجزی و انکسار آوردہ ام — بار عصیاں بے شمار آوردہ ام

ہم دو چیز آوردہ ام دربار گاہ — موسپید و روسیاہ آوردہ ام

عفو تقصیرات خواہم یا معین — از طفیل رحمۃ للعلمین

از طفیل انبیاء و اولیاء از طفیل اسم رب العالمین

گناہ من اگر از حد برون است ہزاروں بار زاں فضلت فزون است

- یا اللہ! تیری بارگاہ میں عاجزی' انکساری' اور بے شمار گناہوں کا بوجھ لایا ہوں۔
- اس کے علاوہ تیری بارگاہ میں دو چیزیں اور لایا ہوں سفید بال اور سیاہ چہرہ لایا ہوں۔
- اے معین! کوتاہیوں کی معافی چاہتا ہوں' رحمتہ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے۔
- انبیاء اور اولیاء کے وسیلے سے اور رب العالمین جل شانہ کے نام پاک کے طفیل
- میرے گناہ اگر حدود حساب سے باہر ہیں تو تیرا فضل ان سے ہزاروں گنا زیادہ ہے

ایک بیاض میں ذکر الٰہی کی فضیلت اور انسانی اعضاء کے ذکر کے بارے میں حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمہ اللہ تعالیٰ کے پند نامہ کے اشعار کا منظوم ترجمہ نقل کیا ہے۔

رکھ تو اپنے دل میں ہر دم یاد حق جانتا ہے گر تو عدل و داد حق
ذکر سے رکھ زندہ صبح و شام کو ضائع مت کر عمر کے ایام کو
یاد حق ہے روح انسان کی غذا ہے یہی مرہم دل مجروح کا
یاد حق گر مونس جاں ہو تجھے کب ہو اے کاخ و ایواں ہو تجھے؟
جب کہ غافل حق سے یہ انسان ہو بس اسی دم ہمدم شیطان ہو
ذکر کر حق کا بت' اے نیک خو تا ملے دونوں جہاں میں آبرو
ذکر میں اخلاص لازم ہے نخست کب ہے بے اخلاص' ذکر حق راست؟
ذکر کی ہیں تین قسمیں اے جوان جھوٹ مت کرنا تصور یہ بیان
ہے زبانی ذکر خلقت عام کا ذکر دل ہے ذکر خاصان خدا
ذکر خاص الخاص ذکر سر ہو ہے وہی نقصان میں جو ذاکر نہ ہو
ذکر بے تعظیم بدعت جان لو دوسری شرط اس میں حرمت مان لو
ہے علیحدہ ذکر ہر ہر عضو کا سات اعضا ذکر کرتے ہیں سدا
خوف حق سے رونا ہے ذکر آنکھ کا حق کی قدرت کا تماشا دیکھنا

ذکر ہے امداد کرنا ہاتھ کا　　دیکھنا خویشوں کا چل کر ذکر پا
سننا ذکر گوش ہے حق کا کلام　　سن سکے جب تک تو سن اے نیک نام
شوق حق ہے ذکر دل کا اے اخی!　　رکھ تو عادت ہر گھڑی اس ذکر کی
جو کرے احمق گناہ صبح و مسا　　اس کو کیا حاصل مزا ہے ذکر کا؟
پڑھنا ہے ذکر زباں قرآن کا　　جس کو یہ حاصل نہیں مفلس ہوا
شکر کر تو نعمت حق کا مدام　　تاکرے نعمت خدا تجھ پر تمام
حمد باری رکھ زبان پر اے پسر!　　عمر تا ضائع نہ جائے سر بسر
لب ہلامت غیر ذکر کر دگار
کیونکہ پاکوں کا ہے یہ ہروقت کار

اس کے نیچے فارسی کا یہ شعر لکھا ہے اور تاریخ لکھی ہے- ۲۱ اکتوبر ۱۹۵۳ء

نوشتہ بماند سیاہ بر سپید　　نویسندہ را نیست فردا امید

سفید کاغذ پر سیاہ حرفوں میں لکھی ہوئی تحریر رہ جاتی ہے- جب کہ لکھنے والے کو کل کی امید نہیں ہے-

حافظ جی اپنے خطوط میں عموماً دعائیہ اور ناصحانہ اشعار لکھ دیا کرتے تھے' برادرم مولانا محمد عبدالغفار ظفر صابری زیدہ مجدہ کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں-

قطعہ: دعا بدرگاہ ایزدی (۱۸ مارچ ۱۹۶۸ء)

اے خدا حافظ توئی میرا میری اولاد کا　　بس سہارا ہے ہمیں غیبی تیری امداد کا
رنج و غم کر دور صدقہ احمد مختار کا　　فضل اپنے سے تو کردے شاد دل ناشاد کا

مستری محمد دین' پیر محل' راقم کے بڑے بہنوئی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں-

الٰہی میں ہوں بندہ بس گنہگار　　کہ تیرے در سے بھاگا دن میں سو بار
الٰہی نفس و شیطان نے جلایا　　نہ جانا تھا جو تو رستہ بتایا
الٰہی عیب میرے ہیں زیادہ　　مگر بخشش تیری ان سے زیادہ
الٰہی آسرا رکھتا ہوں تیرا　　سوا تیرے ہے حامی کون میرا؟

الٰہی میں کروں غم کس سے اظہار؟ ترے بن کون ہے میرا مدد گار؟
الٰہی بخش دے اپنے کرم سے چھڑا دے دنیا اور عقبیٰ کے غم سے
الٰہی اصدقہ ذات کبریائی عطا کر مجھ کو ہر غم سے رہائی

۲۸ دسمبر ۱۹۷۰ء کو راقم کے نام ایک مکتوب جامعہ اسلامیہ رحمانیہ ہری پور ارسال کیا' اس میں تحریر کیا۔

دعا بدرگاہ خداوند عالم

ساتھ بے ادباں دیس نہ یارب دنیا اندر مینوں
حب نبی سنگ نیکاں بخشیں سب توفیقاں تینوں

۹ فروری ۱۹۵۲ء کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

آپے مرضاں لاونداں آپے کرے دوا اس دے فضل کرم تھیں ہوندی آن شفا
پیدا کرنا مارنا رب دی طرفوں جان حکمت تے تشخیص نوں نرا بہانہ مان

حافظ جی کا کلام :۔ ۲۰ اگست ۱۹۵۶ء کو راقم کی بڑی ہمشیرہ کو سسرال کی خدمت کرنے کی تلقین کرتے ہوئے لکھتے ہیں

یاد رکھیں توں بھل نہ جاویں ایہہ نصیحت میری دنیا عقبیٰ دے وچ افضل اعلیٰ قسمت تیری
جنت دوزخ قدم بزرگاں ہے نبی فرماوے نافرمان جہنم جاوے' خادم جنت جاوے

حافظ جی کا نواسہ محمد حریف لاہور سے پیر محل کیلئے روانہ ہوا' روانگی کے بعد شدید آندھی اور بارش آگئی' اس نے پیر محل سے نو میل آگے چک ۲۸ میں جانا تھا' گھر جاکر بھی اس نے خیریت کی اطلاع نہ دی' حافظ جی نے دو خط ارسال کئے' تب کہیں خیریت نامہ موصول ہوا' تو انہوں نے ۱۴ جولائی ۱۹۵۸ء کو خط لکھا۔ جس کا کچھ حصہ پیش کیا جاتا ہے۔

ہم دونوں میں سے ایک آکر ضرور حال دریافت کرتا مگر مجبوری یہ کہ عزیزی ام کلثوم کو تمہارے جانے کے بعد تیسرے دن بخار ہو گیا۔ جو آج تک اترا نہیں' اللہ حافظ ہے' بے ہوش پڑی رہتی ہے۔ اور نہ ہماری آواز اس کو سنائی دیتی ہے ہم سب خالق کی پیدائش [illegible] ہے۔

آپے مرضاں لاوندا' آپے کرے دوا
اس دے فضل کرم تھیں ہوندی آن شفا

دن ہفتہ تن دیہہ (۲۳) ذوالحجوں راحت نامہ آیا
شکر خدا' خط پڑھ کے سارا' سینے نال لگایا
روز سنیچر ساڈے کولوں واگ جو تساں اٹھائی
سخت اندھیری نالے بارش وقت عصر دے آئی
کیونکر پہنچے پیر محلوں گھر اپنے وچ جا کے؟
نہ دسیا کجھ حالا سانوں وچ تحریر لیا کے

ہر حالت وچ اے فرزندا کراں سپرد خدا دی
ہووے ہر اک اتے رحمت خالق ارض وسمادی

ابھی جس بیٹی کی بیماری کا ذکر ہوا ہے۔ وہ ۷ مارچ ۱۹۸۲ء کو انتقال کر گئی۔ ۸ مارچ کو برادرم مولانا محمد عبدالغفار ظفر صابری مدظلہ کو اس سانحے کی اطلاع دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

واضح ہو کہ نور چشمی' میری پیاری ام کلثوم ۸۲-۳-۷ کو نو بجے شب ہجرت کر کے اس دار الفناء سے دار البقاء میں پہنچ گئی ہے' اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں صبر کی توفیق عطا فرما وے' صبر سے کام لینا ان للہ مع الصابرین اللہ تعالیٰ اس معصوم کو اپنے حبیب کے طفیل میدان قیامت میں وسیلہ نجات تمہارے لئے کرے۔ آمین

۱۴ جنوری ۱۹۶۳ء کے تحریر کردہ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں

صبر بناں دکھ جاندے ناہیں' صبر دکھاں دا دارو
صبر بناں وچ مشکل ویلے ہور نہ کوئی واہرو

۲۳ مئی ۱۹۵۷ء کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

پڑھ کے علم نہ عمل کرے خود لوکاں پیا سناوے
قسم خدا دی کجھ نہ حاصل ضائع وقت گواوے
پھڑ کے پیر' شریر نفس دی کرے جو تابعداری
اس تھیں ودھ کے دو جگ دے وچ کیہڑی ہے بیزاری

۲۲ اپریل ۱۹۵۹ء کو برادر محترم مولانا محمد عبدالغفار ظفر صابری کے نام ارسال کردہ مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

رب رحیم کریم کرم تھیں' آپنے فضل کمالوں
کرے حفاظت ہم بسناندی ہر نقصان زوالوں
عمر درازی' علم عمل وچ برکت خد فرماوے
دوہاں جہاناں وچ عافیت خوشیاں عیش کراوے

۲۳ ستمبر ۱۹۵۹ء کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

اول، آخر، ظاہر، باطن، کامل قدرت والا
پاک شریکوں، عیبوں، نقصوں، واحد حق تعالیٰ

صدقہ نبی کریموں ہے اوہ، ہر اک دا رکھوالا
فکر اندھیر پیاں پر فضلوں کردا نور اجالا

السلام علیک بھائی! یہ مضمون حوالہ
خوشی اندر تحریر نہ آوے پر لکھساں کجھ حالا

شب بدھ، وقت گیاراں آہا آیا وقت سہانا
لڑکے دے گھر لڑکا آیا، ہویا فضل ربانا

ہو مبارک تم سبھناں نوں، ساڈی طرفوں بھائی
عمر دراز تے نیک کرے رب دے عزت وڈیائی

ماں پیو، نانک، دادک، دیگر ہور اقارب سارے
سن لڑکے سبھناں نوں رب بخشش رفعت تارے

صحت عافیت دے ہر اک نوں خالق فضل کمالوں
یارب آپ بچاویں سانوں ہر نقصان زوالوں

کی آکھاں؟ کجھ کہیا نہ جاوے وچ قیاس نہ آوے
لکھنے والا نام اپنے نوں، کیونکر لکھ دکھاوے؟

بڑا حریص گدا پرانا، بہت ساجت یاروں
لے کچکول خیرات منگیندا ہے وڈے درباروں

وقت وداع کر عرضاں کہیا جلدی خط لکھوانا
دل بے چین تسلی پکڑے ویکھنا مت بھل جانا

۱۹۶۶ء میں راقم الحروف کچھ عرصہ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف میں معلم ومدرس رہا اس دوران اللہ تعالیٰ نے راقم کو فرزند عطا فرمایا قبلہ حافظ نے اپنے پوتے کی پیدائش کی خبر اشعار کے سانچے میں ڈھال کر اس طرح دی۔

فرزندا فرزند عطیہ رب عطا فرمایا
صدقہ سرور دوہاں جہاناں میں پر کرم کمایا
نام اسدا ممتاز احمد میں رکھیا شوق کمالوں
خضری عمر سکندری طالع بخشے رب سرکاروں

خطیب پاکستان کا سفرِ حج:۔

حافظ جی کے ایک مکتوب تحریر یکم جون ۱۹۵۷ء میں لکھا ہے کہ خطیب پاکستان مولانا غلام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ ۲۴ فروری ۱۹۵۷ء کو زیارت حرمین شریفین کے لئے گئے ہیں اور ۳۰ جولائی کے مکتوب میں اطلاع دی کہ آج خیریت سے واپس آئے ہیں۔

لطافت و ظرافت:۔

حافظ جی کی گفتگو بڑی سنجیدہ اور شائستہ ہوتی تھی' اس کے ساتھ ہی اس میں خوش طبعی کا پہلو بھی شامل ہوتا تھا' ایک دفعہ خطیب پاکستان مولانا غلام الدین رحمہ اللہ تعالی سے پوچھنے لگے کہ سنا ہے زانی' شرابی' سود خوار کے گھر کا کھانا کھانے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے' انہوں نے فرمایا: یہ صحیح ہے' ریلوے کی پٹڑی پر کوئلے والا انجن کھڑا تھا' حافظ جی اس کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے: پھر تو ہمارا دل اس انجن کی طرح سیاہ ہو گا' خطیب پاکستان چونک گئے اور فرمانے لگے: وہ کیوں؟ حافظ جی نے کہا' ہمارے ہاں جو لوگوں کے گھروں سے کھانا آتا ہے اس کے بارے میں ہمیں کیا معلوم کہ وہ کیسے لوگ ہیں؟ خطیب پاکستان گہرا ٹھنڈا سانس لے کر فرمانے لگے: مولوی اللہ دتہ! کیا کریں' کہاں جائیں؟

اسی طرح ایوب خان کے دور میں بیٹھے ہوئے ایک دن تذکرہ چھڑ گیا کہ ایوب خان بہت ظلم کر رہا ہے' پاکستان کی اچھی گندم باہر بھجوا دیتا ہے اور ہمیں امریکہ کی لال گندم فراہم کی جا رہی ہے' حافظ جی کہنے لگے کہ جناب مجھے اجازت ہو تو میں بھی کچھ عرض کروں' خطیب پاکستان نے فرمایا: فرمائیں' حافظ جی کہنے لگے' مولانا روم فرماتے ہیں۔

اندریں دنیا چرا چسپیدہ فی السماء رزقکم نشنیدہ
بر سر ہروانہ بنوشتہ عیاں کایں بود مرد فلاں پسر فلاں

تو اس دنیا سے کیوں چمٹا ہوا ہے؟ تو نے نہیں سنا کہ تمہارا رزق آسمان میں ہے۔
ہروانے پر صاف لکھا ہوا ہے' کہ یہ فلاں ابن فلاں کے لئے ہے۔

کیا مولانا روم کا یہ فرمان صحیح ہے؟ خطیب پاکستان نے فرمایا' بالکل صحیح ہے' حافظ جی کہنے لگے: پھر ایوب خان کا کیا قصور؟ جو ہماری قسمت میں ہے وہ ہمیں مل رہی ہے' اور جو نہیں ملی وہ ہماری قسمت ہی میں نہ تھی' خطیب پاکستان فرمانے لگے مولوی اللہ دتہ: تم صحیح کہتے ہو۔

مرزا پور میں تھے کہ ایک دفعہ ماں جی جنت بی بی کے پیٹ میں شدید درد شروع ہو گئی' انہیں بیل گاڑی پر بٹھا کر ایک حاذق خطیب (غالبا حکیم محمد حسن رحمہ اللہ تعالی) کے

پاس لے گئے' انہوں نے دوا دی' مگر کچھ افاقہ نہ ہوا' بلکہ درد میں مزید شدت پیدا ہو گئی' حافظ جی نے طب کی ایک کتاب مفردات کھولی اور تجویز کیا کہ اسبغول گھی میں تر کر کے پانی کے ساتھ کھائیں' ماں جی نے کہا کہ اتنے بڑے طبیب کی دوا سے فائدہ نہیں ہوا' تو تمہاری دوا سے کیا فائدہ ہو گا؟ حافظ جی نے کہا کہ آپ دوائی کھا کر دیکھ لیں اب بھی آپ ہائے ہائے کر رہی ہیں' فائدہ نہ ہوا تو پھر بھی ہائے ہائے ہی کریں گی' یہ تو ہو گا نہیں کہ اب آپ ایک دفعہ ہائے کہتی ہیں اور اسبغول سے فائدہ نہ ہوا تو دو دفعہ ہائے کہیں گیں' ماں جی کہنے لگیں: میری جان پر بنی ہوئی ہے اور تمہیں مزاح سوجھ رہا ہے' حافظ جی نے کہا کہ شفا دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے' طبیب کا نہیں' آپ اسبغول کھا کر تو دیکھیں' آخر اصرار کرنے پر اسبغول کھا لیا اور تھوڑی دیر کے بعد حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگیں اب تو بالکل آرام ہے' دوسرے دن فرمانے لگیں درد کو تو آرام ہے لیکن قبض ہو گئی ہے' حافظ جی نے کہا کہ اب آپ اسبغول ٹھنڈے پانی کی بجائے گرم پانی سے کھائیں' چنانچہ وہ عرصہ دراز تک اسبغول استعمال کرتی رہیں۔

حافظ جی نے کئی دفعہ بیان کیا کہ ایک درویش جنگل میں عبادت و ریاضت کیا کرتا تھا وہ دیکھتا کہ ایک شکاری آتا ہے جال بچھا کر بہت سے طوطے پکڑ کر لے جاتا ہے اس نے سوچا کہ ان کا کسی طرح تحفظ کیا جائے۔ ایک طوطا پکڑا' اسے بولنا سکھایا اور خاص طور پر یہ سبق یاد کرایا۔

مکر کا جال' فریب کا دانہ' اسکے پاس مت جانا

جب طوطے نے سبق یاد کر لیا تو اسے رہا کر دیا اس کا خیال یہ تھا کہ دوسرے طوطوں کو جا کر تبلیغ کرے گا۔ تو طوطے جال میں نہیں پھنسیں گے۔

چند دن بعد پھر شکاری آگیا' اس نے جال بچھایا اور حسب معمول شام کے وقت طوطوں سے بھرا ہوا ٹوکرا لے کر واپس چل دیا۔ درویش حیران رہ گیا کہ میری ساری محنت بیکار گئی' وہ شکاری کے پاس پہنچا تو اس کی حیرت دو چند ہو گئی کہ وہ طوطا بھی ٹوکرے میں قید تھا اور تلقین کر رہا تھا۔

مکر کا جال' فریب کا دانہ' اسکے پاس مت جانا

درویش نے مٹی کی ایک چٹکی اٹھائی اور اس کے سر پر ڈال کر کہا کہ تمہاری تبلیغ کا کیا فائدہ؟ جب کہ تم خود جال میں پھنسے ہوئے ہو' اس سبق سے تم نے کیا فائدہ حاصل کیا۔

حافظ جی بیان کیا کرتے تھے کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر اور حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری رحمہا اللہ تعالیٰ کے آپس میں بڑے گہرے تعلقات تھے' ایک دن' ان دونوں بزرگوں کی گفتگو ہوئی کہ ہم میں سے جو پہلے دنیا سے رخصت ہو جائے وہ دوسرے بزرگ کو اپنے مشاہدہ سے آگاہ کرے کہ عالم برزخ میں کیا دیکھا؟ طے یہ پایا کہ جو بزرگ حیات ہوں' وہ دوسرے کے مزار پر آئیں ایصال ثواب کے بعد قلم دوات قبر پر رکھ دیں' اور مراقبہ کریں' مراقبہ کے بعد کاغذ اٹھا کر دیکھ لیں' اس پر لکھا ہوا پیغام مل جائے گا' انشاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت بابا صاحب کا پہلے وصال ہو گیا' خواجہ حمید اللہ ناگوری نے پروگرام کے مطابق مزار پر حاضری دی' ایصال ثواب کیا' قلم دوات مزار پر رکھ کر مراقبہ کیا' اس کے بعد کاغذ اٹھا کر دیکھا تو اس پر لکھا تھا۔

ہم نے یہاں بھوکے کو کھانا کھلانے سے بہتر کوئی عمل نہیں پایا

حافظ جی بیان کیا کرتے تھے کہ مولانا غلام محمد ترنم رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے زندہ دل عالم دین تھے' ایک صاحب کئی دن کے بعد ان سے ملے' تو انہوں نے پوچھا' صاحب کہاں رہے؟ کئی دن سے ملاقات نہیں ہوئی' انہوں نے کہا کہ جناب میں شدید بیمار ہو گیا تھا' زندگی کی امید نہیں رہی تھی' میں تو مرمر کے بچا ہوں' مولانا ترنم نے فرمایا: اچھا تو آپ مرمر کے بچے ہیں؟ آج سے میری یہ بات بھی نوٹ کر لیں کہ آپ بچ بچ کر مرجائیں گے۔

ایک دفعہ مولانا ترنم کسی شخص کے ساتھ پیدل جا رہے تھے' اتنے میں ایک عیسائی پادری کی کار فراٹے بھرتی اور دھول اڑاتی ہوئی پاس سے گزر گئی' اس شخص نے پوچھا' مولانا کیا وجہ ہے کہ آپ پیدل جا رہے ہیں' اور پادری شیور لیٹ گاڑی پر؟ مولانا نے برجستہ فرمایا۔

وہ زندہ قوم کا مولوی ہے اور میں مردہ قوم کا مولوی ہوں'

ایک نابینا تھا اسے کسی شخص نے پوچھا حافظ جی حلوہ کھاؤ گے؟ اس نے کہا' حلوہ نہیں کھانا تو اندھے کیوں ہوئے ہیں؟

ایک شخص لکڑی کے ٹھپے سے کپڑے پر اس طرح بیل بوٹے بنا رہا تھا کہ ٹھپا کپڑے پر رکھ کر اوپر سے مکا مکار تا' ایک سادہ لوح دیہاتی اسے دیکھ کر رک گیا' اور پوچھنے لگا' کہ اسے (لکڑی کے ٹھپے) کو کیا کہتے ہیں؟ بیل بوٹے بنانے والے نے کہا' اسے سچا کہتے ہیں' دیہاتی کہنے لگا: پچیاں نوں انج ای کٹ پیندی اے (سچوں کی اسی طرح پٹائی ہوا کرتی ہے)

حافظ جی بعض اوقات خوشگوار موڈ میں ہوتے' (اور اکثر خوشگوار موڈ ہی میں رہتے تھے) تو کہتے کہ گدھے کو دیکھو اس کا مالک اسے جو کچھ کھانے پینے کو دے' صبر کے ساتھ کھا پی لیتا ہے' اور سارا دن بوجھ اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا ہے اور مالک اسے ایک دفعہ جو جگہ دکھا دے' چاہے وہ کتنی ہی دور ہو سیدھا وہیں پہنچے گا اس کے باوجود اسے بے وقوف جانور شمار کیا جاتا ہے انسان کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

بیعت :۔

حافظ جی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں موضع مکھل اور امرتسر کے رہنے والے حضرت مولانا غلام رسول رحمہ اللہ تعالیٰ کے مرید تھے' بعد ازاں حضرت پیر سید امانت علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ (لاہور) کے دست مبارک پر سلسلہ چشتیہ میں بیعت ہوئے اور فیض حاصل کیا۔

اولاد :۔

اللہ تعالیٰ نے حافظ جی کو کثیر اولاد سے نوازا' ان میں سے متعدد بچپن اور جوانی میں داغ مفارقت دے گئے' اس وقت ان کے چار لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں اور سب صاحب اولاد ہیں' حافظ جی نے اپنے تمام بیٹوں کو علم دین حاصل کرنے کے لئے لگایا جن میں اول الذکر دو بیٹے فارغ التحصیل ہوئے۔

بیٹوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مولانا محمد عبدالغفار ظفر صابری زید مجدہ جامعہ رضویہ مظہر اسلام' فیصل آباد سے فارغ

التحصیل ہیں' محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد اور مرید ہیں ان کی اجازت سے حضرت صوفی محمد حسین مراد آبادی کے مرید ڈاکٹر حبیب الرحمٰن برق کے مرید ہوئے ان سے فیض حاصل کیا اور اجازت و خلافت سے نوازے گئے' مولانا ظفر صابری شعر و سخن کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں' کئی بزرگوں کی بارگاہ میں منظوم سلام کا نذرانہ پیش کر چکے ہیں' نغمہ توحید کے نام سے ایک مجموعہ چھپ چکا ہے' جس میں مختلف شعراء کا حمد باری تعالیٰ سے متعلق عربی' اردو' اور فارسی کلام جمع کر دیا گیا ہے' ضرورت اس امر کی ہے کہ ہماری محفل میں جہاں نعتیں پڑھی جاتی ہیں نظم و نثر میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بھی پیش کی جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا ایمانی اور ایقانی تعلق مضبوط و مستحکم ہو' مولانا ظفر صابری' علامہ اقبال کالونی فیصل آباد میں رہتے ہیں۔

۲۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری (راقم الحروف)

۳۔ احمد حسن ریلوے میں ملازم ہیں

۴۔ فیض الحسن فرنیچر کا کام کرتے ہیں۔

علالت اور وفات:۔

حافظ جی بڑی وضعدار شخصیت تھے' راقم نے جب سے ہوش سنبھالا' انہیں ایک ہی وضع قطع میں پایا' انجن شیڈ سے دہلی دروازہ' لوہاری دروازہ' بلکہ ملتان روڈ تک پیدل ہی آتے جاتے تھے' ہمیشہ حسب استطاعت اولاد کی مالی امداد کرتے رہے' ان سے کبھی مطالبہ نہ کیا آخر عمر میں فالج کی زد میں آگئے اولاد نے اور خاص طور پر برادرم احمد حسن اور ان کی بیوی بچوں نے برادرم فیض الحسن اور ان کی اہلیہ نے خدمت اور علاج میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا' اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی تھی کہ انہیں افاقہ نہ ہوا' بائیں جانب فالج تھا' تاہم ہوش و حواس اور حافظہ آخری دنوں تک سلامت رہا۔

علالت کے دنوں میں اکثر توبہ و استغفار کرتے رہتے' ۹ مئی ۱۹۸۸ء کو درج ذیل اشعار لکھوائے۔

بے کس ولاچار ہوں' کس در پہ جاؤں مالکا؟ مہربانی باہمہ تیری' ہے نہیں کوئی آسرا
ہاں سراپا عیب تو ارحم کریم آمرز گار بخش دے' بحر کرم تیرا ہے ناپیدا کنار

آیت لاتقنطوا کا میں بہت حق دار ہوں
اس لئے سارے گنہگاروں کا میں سردار ہوں
واسطہ اس ذات دا توں بخش دے میری خطا
نام جس دا ہے بہت پیارا محمد مصطفےٰ

چار پانچ سال بیمار رہ کر ۲۵ شعبان ۳ اپریل ۱۴۰۹ھ / ۱۹۸۹ء کو داعی اجل کو لبیک کہا' انا للہ و انا علیہ راجعون نماز جنازہ میں مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی' علامہ سید محمود احمد رضوی' شارح بخاری مولانا مفتی محمد حسین نعیمی' مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی' جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور' جامعہ نعیمیہ اور جامعہ فاروقیہ رضویہ لاہور کے اساتذہ' طلباء اور دیگر علماء لاہور نے شرکت فرمائی' مولائے کریم ان سب حضرات کو اجر جمیل عطا فرمائے' نماز جنازہ برادر محترم مولانا محمد عبدالغفار ظفر صابری نے پڑھائی' اور انجن شیڈ اچنت گڑھ کے قبرستان میں حافظ جی کی آخری آرام گاہ بنی' رحمہ اللہ تعالیٰ رحمتہ و اسعتہ بمنہ و کرمہ

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

مولانا مولوی اللہ دتا رحمہ اللہ تعالیٰ کا یادگار خطاب

وصال سے دو تین ماہ پہلے میں نے عرض کیا کہ آپ کچھ گفتگو فرمائیں' جسے ریکارڈ کر لیا جائے' انہوں نے فی البدیہ جو گفتگو کی' اسے ٹیپ ریکارڈ سے نقل کر کے ذیل میں پیش کیا جاتا ہے' کچھ اشعار سمجھ میں نہ آسکے- کیونکہ آواز صاف نہ تھی' پیرانہ سالی اور علالت طبع کے باوجود حافظے کی وسعت اور قوت استحضار باعث تعجب ہے-

برادران اسلام .... السلام علیکم

جیون جیون ہر کوئی آکھے' تے موت نہ کسے بھلاوے
خبر نہیں اوہ کیہڑے ویلے اجن چیت آجاوے

میرے دوستو! میرے پاس دنیا کے جو بڑے محب اور دوست ہیں' وقت مصیبت ان میں سے کوئی کام نہیں آتا (پھر ترنم کے ساتھ یہ اشعار پڑھے)

وقت مردن یوں سکندر نے طبیبوں سے کہا
موت سے مجھ کو بچالو کر کے میری کچھ دوا

یک زبان ہو کر لگے کہنے کہ اے شاہ زماں!
موت سے کس کو پناہ ہے؟ کیا ہے درمان قضا؟

پھر امیروں اور وزیروں سے مخاطب یوں ہوا
ہے کوئی اسوقت مشکل میں مرا مشکل کشا؟

سر ہلا کر یوں لگے کہنے کہ اے شاہ زماں!
کند ہیں تدبر کے ناخن عقل ہے نارسا

بیگموں اور لونڈیوں سے پھر مخاطب یوں ہوا
ناز نینو! اس گھڑی ہے تم سے امید وفا

سرد آہیں بھر کے باچشم تر کہنے لگیں
بیکس و معذور ہیں ہم کسطرح سے لیں بچا

کل خزائن اور دفائن کھول کر کہنے لگا
اے میرے فخر جہاں! اب ساتھ میں چلنا ذرا

لکشمی نے یوں کہا حسرت بھری آواز سے
میں ہوں ساتھی اس جہاں کی' ملک ہے وہ دوسرا

طوطا چشمی دیکھ کر سب کی اور ٹکا سا سن جواب
رو پڑا شاہ سکندر ہائے میں تنہا چلا

ہو گیا مایوس جب وہ زندگی سے اس طرح
کی وصیت سب امیروں اور وزیروں کو بلا

ہوں طبیب نامور' لاشہ اٹھائے دوش پر
منکشف تاسب پہ ہووے دے سکیں نہ یہ شفا

میرے مہربان دوستو! نوجوان مہربانو! ہر شخص کے رکن دوست ہوتے ہیں (رشتے دار' مال و زر اور نیک اعمال) جب اس پر کوئی مصیبت پڑ گئی' (موت کا وقت گیا) تو بڑے محب (مال و دولت) کے پاس جاتا ہے' وہ کہتا ہے کہ میں اسی جگہ تک کا ساتھی تھا' تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا' دوسرے دوست (رشتے دار) کہتے ہیں' ہم تمہارے ساتھ چلیں گے' لیکن دروازے (قبر) تک پہنچا دیں گے' خود اندر نہیں جائیں گے' تم جانو اور تمہارا کام' تیسرا دوست (نیک عمل) کہتا ہے' تم پریشان نہ ہو' میں تمہارے ساتھ چلوں گا' روشنی ہو یا اندھیرا ہو' اندر ہو یا باہر' گرمی ہو یا سردی ہو' میں ہر حال میں تمہارے ساتھ ہوں' اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے ایسے کام کریں جو رب کریم جل شانہ اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشنودی کے موجب ہوں۔

شادی بیاہ کے موقع پر طرح طرح کے اسراف کیے جاتے ہیں' بھانڈوں' باجوں اور آتش بازی وغیرہ پر بے تحاشا دولت لٹائی جاتی ہے' اللہ تعالیٰ توفیق دے تو بہترین طریقہ یہ ہے کہ محتاجوں' یتیموں اور بیوگان کی امداد کی جائے' قیامت کے دن پتا چلے گا۔

اس دن دیکھاں گا میں تیری آکڑتے مغروری
جس دن پاک محمد کہیا ایہ نئیں امت میری

جو ذرا بھی در مصطفےٰ سے پھرا
مصطفےٰ سے نہیں وہ خدا سے پھرا
چوم لی جس نے بھی چوکھٹ مصطفےٰ
اس کی تقدیر و ہمت پر لاکھوں سلام

محترم بزرگو اور دوستو! دنیا چند روز ہے' رات کو سوتے وقت چارپائی پر لیٹ کر سوچیں کہ آج اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو راضی کرنے والا کونسا کام کیا ہے؟ اسے یاد کر کے دعا کریں یا اللہ! تیرے فضل و کرم سے میں نے یہ اچھا کام کیا اسے قبول فرما اور آئندہ بھی اچھے کام کرنے کی توفیق عطا فرما' اور جو برے کام کیے ہیں انہیں معاف فرما اور آئندہ ان سے باز رہنے کی قوت عطا فرما۔

اے مولا! در تیرے اوپر میں ہاں نت سوالی
غنی فقیراں نوں کد جھڑکن' موڑنہ میتوں خالی
اے مولا! اے میرے مولا! تینوں شکر ہزاراں
جس ٹولے انساناں وچوں کیتا او گنہاراں

میرے ورگے فاسق فاجر کرو اخل انساناں
انسانیت والا جامہ' پہنایا حیواناں
کریں عنایت نال سلامت' خاص اجابت رکھیں
سینہ روشن کریں منور' نالے دل دیاں اکھیں
جاننا ہے تو الٰہی سب خطائیں میریاں
میری ہر ویلے نظر ہے طرف فضلاں تیریاں
یا رب حرمت شاہ رسولاں' حرمت پیر جیلانی
حرمت کل رسولاں' حرمت حسن حسین نورانی
حرمت اہل بیت اصحاباں' غوث قطب اولیاواں

حرمت محبوباں مقبولاں' صالحاواں فقراواں
چار کتاباں اپنیاں دی' برکت یا رب سایاں
دو جگ دی خوش حالی بخشیں عفو کریں برایاں

تقریب چہلم

والد ماجد مولوی اللہ دتہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتقال میرے لئے اور میرے بہن بھائیوں کے لئے شدید ترین اور جاں گسل صدمہ تھا' اس صبر آزما مرحلے میں بزرگوں اور دوستوں نے جس ہمدردی' غم گساری اور تعزیت کا اظہار کیا اور والد ماجد کے لئے ایصال ثواب کیا ہے' وہ ہم سب متعلقین کے لئے نہ صرف وجہ سکون و قرار تھا بلکہ باعث ممنونیت بھی تھا۔

۱۳ مئی ۱۹۸۹ء کو چہلم کی تقریب جامع مسجد عثمانیہ' اچنت گڑھ' انجن شیڈ لاہور میں منعقد ہوئی' یہ تقریب افرادی اعتبار سے گو مختصر تھی' لیکن اہمیت کے اعتبار سے منتخب ترین تقریب تھی حضرت میاں جمیل احمد شرقپوری' حضرت مولانا مفتی محمد حسین نعیمی' حضرت شیخ القرآن مولانا غلام علی اوکاڑوی' حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی' حضرت مولانا محمد شمس الزمان قادری' حضرت مولانا سید طالب حسین شاہ' حضرت مولانا عبداللہ نور نقشبندی مہتمم جامعہ فاروقیہ رضویہ لاہور' مولانا محمد منشاء تابش قصوری' مولانا محمد سرفراز نعیمی' مولانا محمد زاہد صدیقی' جامعہ نظامیہ رضویہ' جامعہ نعیمیہ' جامعہ فاروقیہ رضویہ کے اساتذہ اور طلباء شریک تھے' راقم ان سب حضرات کا تہ دل سے شکر گزار ہے۔

اس موقع پر جن حضرات نے خطاب فرمایا وہ ریکارڈ کر لیا گیا تھا' آئندہ صفحات میں انہیں کے الفاظ میں وہ خطابات پیش کئے جاتے ہیں

حضرت شیخ القرآن مولانا علامہ غلام علی اوکاڑوی مدظلہ

حضرت شیخ القرآن والحدیث مولانا علامہ غلام علی اوکاڑوی مدظلہ اللہ نے بڑا کرم فرمایا کہ علالت طبع اور سخت گرمی کی باوجود اوکاڑہ سے تشریف لا کر چہلم کی تقریب ایصال ثواب

میں شرکت فرمائی' اور اپنے خطاب سے بھی حاضرین کو فیض یاب فرمایا' خطبہ مسنونہ کے بعد آیت مبارکہ کی تلات کی۔

وقضی ربک ان تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا

حضرات علماء کرام و مشائخ عظام!

آپ حضرات کی موجودگی میں اس کم علم کا کچھ بیان کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا' اس کے علاوہ کافی عرصہ سے کچھ اس قسم کا بیمار رہا ہوں کہ اپنے مافی الضمیر کا کماحقہ اظہار نہیں کر سکتا' میں اتنا ہی غنیمت سمجھتا تھا کہ حضرت علامہ مولانا عبدالحکیم صاحب شرف کے والد گرامی کے چہلم کی تقریب ایصال ثواب میں شرکت کر لوں۔

اگرچہ میں نے حضرت مولانا اللہ دتہ صاحب مرحوم کو نہیں دیکھا اور آج ہی (ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے) ان کی آواز سنی ہے' لیکن "الولد سر لابیہ" اولاد اپنے والد کا سر اور راز ہوتی ہے۔

حضرت علامہ مولانا عبدالحکیم شرف کی تعلیمی' تدریسی اور تالیفی خدمات اتنی ہیں اور اہل سنت پر ان کا اتنا احسان ہے' کہ ہم سارے مل کر صرف پنجاب کے نہیں' اور صرف پاکستان کے نہیں' بلکہ دنیا بھر کے اہل سنت و جماعت ان کا شکریہ ادا کرنا چاہیں تو ادا نہیں کر سکتے' دین و مسلک پر جب بھی کسی بدمذہب نے حملہ کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں توفیق عطا فرمائی کہ انہوں نے قلمی طور پر اس کا رد بلیغ فرمایا' اور اپنے دین و مسلک کی حفاظت فرمائی۔ دینی' مسلکی رابطے اور تعلق کے علاوہ یہی بہت بڑا تعلق ہے' جس نے مجھ جیسے بیمار اور کمزور کو اس گرمی میں' اس محفل میں حاضر ہونے پر مجبور کیا' اللہ تعالیٰ حضرت مولانا اللہ دتا صاحب کو غریق رحمت فرمائے' اور مولانا شرف صاحب اور ان کے متعلقین کو صبرو جمیل عطا فرمائے۔

"حق سبحانہ کا ارشاد ہے تیرے رب نے حکم فرمایا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو"

میں نے جس طرح مجلس ایصال ثواب میں حاضری لگوائی ہے' اسی طرح لاؤڈ سپیکر پر

حاضری لگوانے کے لئے تبرکاً آیت مبارکہ کی تلاوت کی ہے' اور اس کے ماتحت میں دو حدیثیں بھی آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔

میرے اور آپ کے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثه" جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ مگر تین آدمیوں کا سلسلہ عمل منقطع نہیں ہوتا۔

"الا من صدقة جارية" وہ جو صدقہ جاریہ چھوڑ جائے' جیسے مولانا نے (ایصال ثواب کے طور پر دینی کتابیں تقسیم کرنے کا) بہت اچھا طریقہ جاری کیا ہے۔ من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها الى يوم القيامه (جس نے اچھا طریقہ رائج کیا اسے اس کا ثواب ملے گا اور قیامت تک اس پر عمل کرنے والوں کا ثواب بھی ملے گا) دینی کتابوں کی تقسیم واشاعت دین اور ایصال ثواب کا بہترین طریقہ ہے۔

۲۔ "او علم ينتفع به" یا اس نے علم دین پڑھا ہے' اور پڑھایا ہے۔ جب تک یہ سلسلہ جاری رہے گا مرنے والے کو ثواب پہنچتا رہے گا۔

"او ولد صالح يدعوله بالخير" یا نیک اولاد چھوڑی ہے جو اپنے والدین کے لئے دعائے خیر کرے' کتنا خوش نصیب ہے؟ وہ والد اور والدہ جنہوں نے اپنی اولاد کو علم دین سکھایا اور دین کے لئے وقف کیا' خصوصاً وہ بچے جو ہر روز نماز پڑھتے ہیں اور ہر نماز میں دعا مانگتے ہیں "ربنا اغفرلی ولوالدی وللمومنين يوم يقوم الحساب"

"اے ہمارے رب! مجھے' میرے والدین اور تمام مومنوں کو اس دن بخش دے جس دن حساب قائم ہوگا"

بظاہر یہ خیال ہوتا ہے کہ چاہیے تو یہ تھا' پہلے والدین کے لئے دعا کی جاتی پھر اپنے لئے مگر قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو دعا مذکور ہے اس میں پہلے اپنے لئے پھر اپنے والدین کے لئے دعا کی گئی ہے' پہلے اپنے لئے بخشش کی دعا اس لئے کی گئی ہے کہ اگر اپنی بخشش نہ ہوگی تو دوسروں کے لئے دعا کیسے قبول ہوگی؟

میرے اور آپ کے آقا سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے والدین کے حقوق بیان

کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا "رضا الرب فی رضا الوالد" "اللہ تعالیٰ کی رضا والد کی رضا میں ہے" والد راضی' تو اللہ راضی اور اگر اولاد نیک ہے اور والدین کے لئے دعا کرتی رہی ہے صحیح مسلم وغیرہ میں ہے' محدثین کرام موجود ہیں کہ ایک کا درجہ جنت میں بلند کیا جائے گا' وہ بلندی درجات کو دیکھ کر عرض کرے گا یا اللہ! میں نے کونسا نیک کام کیا ہے جس کی بنا پر مجھے یہ درجے عطا کئے جارہے ہیں؟ ارشاد ہوگا "لا ستغفار ولد ک" تیرے بیٹے کی دعائے مغفرت کی وجہ سے۔

دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد والدین کی بہترین خدمت یہ ہے کہ ان کی مغفرت کی دعا کی جائے' ایصال ثواب کیا جائے' ان کے دوستوں سے محبت کی جائے' اور ان کے مشن کو جاری رکھا جائے۔

حضرت مولانا مفتی محمد حسین نعیمی مدظلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجلس کی حاضری کا تقاضا ہے اور مولانا عبدالحکیم شرف کا مجھ پر حق ہے کہ میں دو چار جملے اس مجلس میں عرض کروں۔

پہلی بات:۔

حدیث پاک میں ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"انت و مالک لابیک"

اے انسان! تو اور تیرا کمایا ہوا مال' سب کا سب تیرے باپ کا ہے' یہ حضور کا فرمان ہے اور دین کا مسئلہ ہے کہ اولاد کے پاس جو کچھ ہے' والد کا حق ہے کہ اولاد کی ہر چیز اس کی اجازت کے بغیر لے سکتا ہے' اولاد کی ہر چیز باپ کی ہے۔ "انت و مالک لابیک"

لہٰذا حضرت مولانا اللہ دتا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو آج ہم سے رخصت ہو گئے ہیں اگرچہ ہم میں موجود نہیں ہیں' لیکن ان کا ایک مال یہاں موجود ہے۔

حضرت علامہ عبدالحکیم صاحب شرف اس حدیث کے پیش نظر اپنے باپ کا ایک مال

ہیں وہ اگرچہ دنیا سے تشریف لے گئے ہیں لیکن ان کا مال یہاں باقی ہے۔

ان کی اولاد ہیں سے دو عالم دین ہیں' ان میں سے ایک مولانا عبدالحکیم صاحب ہیں عالموں میں جو خوبیاں ہونی چاہئیں' وہ سب کی سب ان میں جمع ہیں' تقویٰ بھی ہے درد بھی ہے' تبلیغ کا جذبہ بھی ہے' پڑھانے کا شوق بھی ہے' تالیف و تصنیف کا احساس بھی ہے اور اخلاق' کردار' پوری زندگی کا جو انداز ہے وہ خالص اور خالص ایک ایسے شخص کا ہے جو فی الواقع نبیوں کا وارث ہوتا ہے۔

دوسری بات :۔

ایک حدیث میں ہے' رات کا وقت ہے حضور انور ﷺ حجرہ اقدس سے مسجد نبوی شریف میں تشریف لائے' مسجد نبوی میں صحابہ کرام کے دو حلقے تھے ایک گروہ مل کر ذکر کر رہا تھا' صحابہ کرام کا دوسرا گروہ مسجد کے دوسرے حصے میں علم کے مسائل کی باتیں کر رہا تھا' مسجد میں دو گروہ تھے' ایک گروہ ذاکرین کا' صوفیہ کا' عابدین کا' زاہدین کا' اولیاء کرام کا' دوسرا گروہ متعلمین کا' عالمین کا' مفسرین کا' حضور اکرم علیہ الصلوۃ والسلام تشریف لائے' دونوں گروہوں کو دیکھا' مسجد کا چکر لگایا' اب یہ ہے کہ آپ کہاں بیٹھیں؟ صحن میں گھومتے رہے اور سوچتے رہے کہ کس گروہ میں بیٹھوں؟ چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام آئے اور علماء کے گروہ میں بیٹھ گئے' اس سے حضور کے نزدیک علماء کی شان اور عظمت کا پتا چلتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو علماء کا کتنا خیال ہے؟ ﷺ میں اس سے ایک مسئلہ نکالنا چاہتا ہوں۔

جب آدمی قبر میں جائے گا تو فرشتے اس سے تین سوال کریں گے۔ تیسرا سوال یہ ہوگا "ماتقول فی حق ھذا الرجل" ان کے بارے میں کیا کہتا ہے؟

اس مسئلے میں علما کے تین قول ہیں۔

۱۔ قبر سے گنبد خضراء تک تمام حجابات اٹھا دیے جاتے ہیں' اور حضور اکرم ﷺ روضہ اقدس میں تشریف فرما نظر آجاتے ہیں۔

۲۔ حضور کی شبیہ اور تصویر اس بندے کو دکھائی جاتی ہے۔

۳۔ سوال کے وقت حضور ﷺ اس کی قبر میں تشریف فرما ہوتے ہیں' کیونکہ "ھذا الرجل" قریب کی طرف اشارہ کرنے کے لئے آتا ہے' اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ یہ مطلب نہیں کہ ان کے بارے میں کیا کہتا ہے؟

علماء نے ان احتمالات میں یوں تطبیق دی کہ سوال ہر ایک سے ہو گا' مسلمان سے بھی' کافر سے بھی' بدمذہب سے بھی' اور منافق سے بھی' جب کافر' منافق' بدمذہب اور گستاخ سے سوال ہو گا تو اسے زیارت نہیں کرائی جائے گی' آپ کی تصویر دکھا کر وہ سوال پورا کر لیا جائے گا' حضور کے جلوے اور شخصیت دکھانے سے اسے محروم رکھا جائے گا' عام سنی مسلمان' حضور علیہ السلام کے غلام کی باری آئے گی' تو درمیان کے حجابات اٹھا دیئے جائیں گے' حضور کا دیوانہ' جاں نثار امتی جب عشق و محبت کی لہر میں اس دنیا سے رخصت ہو گا تو خود اپنے عاشق کی قبر میں تشریف لائیں گے۔

حضور کی عادت کریمہ ہے کہ علماء کے گروہ میں شامل ہوتے ہیں' وہاں آکر بیٹھتے ہیں' اس لئے یقیناً عالم دین سے عالم برزخ میں سوال کے وقت خود قبر میں تشریف لاتے ہیں' اب میں ایک سوال آپ سب سے کروں گا۔

عالم برزخ میں ہر مرنے والے سے سوال ہوتا ہے' جب حضور علیہ السلام ظاہری حیات کے ساتھ اس دنیا میں موجود تھے' تیرہ سال مکہ مکرمہ میں اور دس سال مدینہ منورہ میں تشریف فرما رہے' اس ۲۳ سال کے عرصے میں کتنے صحابہ کرام نے وفات پائی؟ کتنے شہید ہوئے؟ وہ عالم برزخ میں چلے گئے' ان سے سوال ہوا یا نہیں؟ یقیناً ان سے بھی تین سوال ہوئے' ان سے بھی پوچھا گیا کہ ان کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ حضور زمین کے اوپر تھے اور جس سے سوال ہو رہا ہے' وہ زمین کے نیچے تھے' ان سے سوال یہ کیا جا رہا ہے کہ ان کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟

"ماتقول فی حق ھذا الرجل"؟ اگر نبی زمین کے اوپر رہ کر عالم برزخ میں جا کر اس کے سوالات کو مکمل کر سکتے ہیں' تو جب حضور برزخ میں ہوں اور لوگ عالم دنیا میں ہوں تو حضور عالم دنیا میں کیوں نہیں تشریف لا سکتے۔

حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی مدظلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا اللہ دتہ صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے میرا تعلق اتنا ہی ہے جتنا مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب کا ہے' مولانا محمد عبدالحکیم صاحب کی طالب علمی کا دور تھا جب پہلی بار مولانا اللہ دتہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے میری ملاقات ہوئی' اور الحمد اللہ! کہ وہ تعلق آخر دم تک قائم رہا۔

میں نے زندگی بھر جب بھی انہیں دیکھا چہرے پر بشاشت' لبوں پر تبسم' اور گفتگو میں فارسی کے اشعار ہوتے تھے' ان پر پریشانی کے ادوار بھی آئے' بیماری کا دور بھی آیا' لیکن ہر حال میں ہشاش بشاش اور مطمئن نظر آتے تھے' مختلف اشعار اور مختلف کتابوں کے نام ان کی زبان پر رہتے تھے' مجھے تعجب ہوتا تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس شخص کو پریشانی کی ہوا تک نہیں لگی۔

ایک مسلمان کا اطمینان و سکون اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذاکر ہے "الا بذکر اللہ تطمئن القلوب" اس کا معنی یہ ہے کہ مولانا اٹھتے بیٹھتے شادی اور غمی میں اللہ تعالیٰ کے ذاکر تھے' اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں دولت سکون سے نوازا تھا۔

میری دعا ہے کہ جس طرح انہوں نے اپنی ظاہری زندگی' اطمینان و سکون میں بسر کی برزخ کا سفر بھی اسی اطمینان و سکون سے طے ہو۔

اخلاف کے بارے میں دعا ہے کہ وہ انہیں جس حالت پر چھوڑ کر گئے ہیں' اور جس راستے پر انہیں چلا گئے ہیں' اللہ تعالیٰ انہیں اسی پر چلتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے' اور استقامت عطا فرمائے۔

برادرم محترم مولانا محمد عبدالغفار ظفر صابری مدظلہ :۔

الحمد للہ ! الحمد لمن ھوا قرب الینا من حبل الورید والصلوۃ والسلام علی صاحب المقام الحمید و علی آلہ واصحابہ لھم

البشری و المزید

اما بعد فقد قال اللہ تعالی اذا اصابتھم مصیبة قالوا انا للہ و انا الیہ راجعون

تیرے الطاف کے قابل نہیں میں
فقط تیرا کرم، تو مہربان ہے

یہ علماء کرام اور برادر عزیز مولانا محمد عبدالحکیم شرف صاحب کی محبت ہے کہ مجھے کچھ کہنے پر مجبور کیا اور میں حاضر ہو گیا' ورنہ میں اس قابل نہیں کہ کچھ عرض کر سکوں' سب سے پہلے میں علماء کرام اور مشائخ عظام کا شکر گزار ہوں کہ وہ اپنی کثیر مصروفیات کے باوجود ہمارے والد ماجد رحمتہ اللہ تعالی علیہ کے چہلم کی تقریب میں تشریف لائے ہیں' اللہ تعالی انہیں دارین کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے' اور علم و عمل کی مزید برکتوں سے نوازے۔

اٹھتے جاتے ہیں تیری بزم سے سب اہل نظر
اور گھٹتے جاتے ہیں میرے دل کو بڑھانے والے

آج سب موجود ہیں' مگر موجود نہیں جسے ہم باپ کہہ سکیں اور آج وہ موجود نہیں' جو ہمیں بیٹا کہے' آج ہم صاحب اولاد ہیں' ہماری اولاد کی بھی اولاد ہے لیکن والدین نے جب بھی بلایا بیٹا (کا کام کہہ کر ہی پکارا)

آج میری مثال اس شخص کی ہے جو گرم دھوپ میں تپتی ہوئی ریت پر پھر رہا ہو' حضرت موسیٰ علیہ السلام' اپنی والدہ ماجدہ کے وصال کے بعد کوہ طور پر حاضر ہوئے' تو ارشاد ہوا' آج سنبھل کر بات کرنا' عرض کیا یا اللہ! آج تک ایسا حکم نہیں ہوا' آج خصوصیت کے ساتھ یہ حکم کیوں دیا جا رہا ہے؟ فرمایا: پہلے جب تم ہماری بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے تو تمہاری والدہ گڑگڑا کر تمہارے لئے دعائیں کیا کرتی تھیں' آج تمہارے پیچھے وہ دعائیں نہیں ہیں' جن دوستوں کے والدین موجود ہیں اللہ تعالی ان کا سایہ تادیر سلامت رکھے۔

حضرت شیخ القرآن علامہ غلام علی اوکاڑوی صاحب اللہ تعالی ان کا سایہ سلامت

رکھے' بیس بائیس سال پہلے حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھے اوکاڑہ بھیجا تھا' اس وقت حضرت نے مجھے اپنی جگہ جمعہ پڑھانے کے لئے مامور فرمایا تھا' اتنے عرصے کے بعد آج ان کی زیارت ہوئی ہے' اللہ تعالیٰ ان کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔

ہمیں یہ فخر حاصل ہے کہ ہماری والدہ محترمہ' محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد چشتی قادری قدس سرہ کی مرید تھیں اور حضرت محدث اعظم ہمارے غریب خانہ پر تشریف بھی لائے تھے۔

ایک دفعہ میں نے نعت کا ایک شعر کہا تھا اور وہ میرے لئے باعث فخر ہے۔

امام الانبیاء ' مقصود حق للہ پناہ دینا!
تمہاری بار گاہ میں ملک عصیاں کا امام آیا

والد ماجد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے وصیت کی تھی کہ میری میت کو لحد میں رکھ کر یہ شعر پڑھنا اور بھائی صاحب نے اس وصیت پر عمل بھی کیا' وہ شعر یہ تھا۔

آیت لا تقنطوا کا میں بت حق دار ہوں
اس لئے سارے گنہگاروں کا میں سردار ہوں

ایک دفعہ والد صاحب نے یہ شعر مجھے سنایا تو میں نے کہا' ابا جی! یہ آپ کا منصب نہیں ہے' تمام گنہگاروں کا امام اور سردار میں ہوں اور آپ اس سردار کے بھی باپ ہیں اس پر وہ بے ساختہ مسکرا دیئے۔

میں بعض اوقات مزاحیہ انداز میں بھی بات کر لیتا تھا' جس سے وہ محظوظ ہوا کرتے تھے' ایک دفعہ بھائی صاحب (شرف قادری) نے کہا کہ والد صاحب سے معافی مانگ لو' میں نے کہا' وہ معافی ہی کیا ہوئی جو مانگ کر لی گئی' اس پر والد ماجد مسکرانے لگے اور فرمایا' معاف کیا' آخر میں پھر تمام علماء و مشائخ کرام' خصوصاً حضرت میاں جمیل احمد شرقپوری مدظلہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنے قیمتی وقت کا ایک حصہ ہمارے والد گرامی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایصال ثواب کی محفل کے لئے وقف فرمایا۔

تعزیت نامے

آئندہ صفحات میں کچھ بزرگوں اور دوستوں کے مکتوبات تعزیت کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں' ان سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ دنیا کے گوشے گوشے میں والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ کے لئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کیا گیا' حرمین شریفین میں ان کے لئے دعائیں کی گئیں' یہ سب کیا تھا؟ یہ تعزیت نامے اگرچہ میرے نام آئے' تاہم ان میں میری کسی خوبی یا فضیلت کا کچھ دخل نہیں تھا' افسوس کہ میں کسی کا حال نہ بن سکا' سوائے ندامت و خجالت کے میرے دامن میں کچھ بھی نہیں ہے یہ صرف والد ماجد کی دینداری' پاکیزہ نفسی' اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت کا ثمرہ تھا' نیز بزرگوں مثلاً ماں جی جنت بی بی' حکیم محمد حسن' حکیم میاں جمیل دین' حکیم مولانا پیر سید امانت علی شاہ ہوشیارپوری' مولانا محمد حبیب اللہ نعمانی صاحب تفسیر نعمانی' مولانا غلام رسول پھل والے' مولانا پیر سید امانت علی شاہ' مولانا غلام الدین لاہوری' مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری' مولانا مفتی عزیز احمد قادری' محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد چشتی قادری' مولانا حکیم عبدالغنی (باوامی باغ لاہور) اور ڈاکٹر حبیب الرحمٰن برق رحمہم اللہ تعالیٰ کی خدمت اور محبت کا نتیجہ تھا۔

حرمین شریفین:۔ رضا اکیڈمی لاہور کے ناظم اعلیٰ جناب حاجی محمد مقبول احمد چشتی قادری زید مجدہ نے مدینہ منورہ سے حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی مدظلہ کے نام تحریر کیا' قبلہ شرف قادری کے والد صاحب کا بڑا صدمہ ہوا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ان کے لئے خصوصی دعا کی' اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے' ۱۲ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ

پھر حاجی صاحب نے مکرمہ مکرمہ سے ۲۵ جون ۱۹۸۹ء کو مولانا علامہ محمد منشا تابش قصوری زید مجدہ کے نام مکتوب میں لکھا' قبلہ شرف قادری صاحب کے والد بزرگوار کا سن کر دلی دکھ ہوا' اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے' حرم پاک میں ان کے لئے ختم پڑھا اور ایک عمرہ بھی ان کے نام کا ادا کیا' اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

باسمہ تعالیٰ

۵ / ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ ۱۹۸۹ء کو مولانا علامہ افتخار احمد قادری حفظ اللہ تعالیٰ ریاض سے
مکتوب گرامی ارسال کیا۔

ریاض، سعودی عرب

بخدمت عالی حضرت مولانا عبدالحکیم شرف قادری صاحب

السلام علیکم! آپ کا ایک عالی نامہ ملا اور پھر آج برادرم عابد حسین صاحب نے اطلاع دی
کہ آپ کے والد ماجد انتقال فرما گئے۔

آپ کے لئے تسلی کے کلمات کہنے کی کوئی ضرورت نہیں، آپ خود ایک عظیم عالم
دین ہیں۔

صدقہ جاریہ والی حدیث میں "ولد صالح" اور "علم ینتفع" آیا ہے اور بحمدہ
تعالیٰ آپ "ولد صالح" بھی ہیں اور مکمل علم "ینفع" بھی ہیں۔ درحقیقت آپ کے
والد رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف ولد صالح چھوڑا ہے بلکہ ایک مکمل علم چھوڑا ہے۔ جس
سے ایک بڑی دنیا استفادہ کر رہی ہے۔ و ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

ان شاء المولیٰ تعالیٰ رب تعالیٰ ان کی لحد پر رحمت و نور برساتا رہے گا ——— و انہ
علی ذلک لقدیر۔

فتاویٰ اور اشعۃ اللمعات پر آپ جو کام کر رہے ہیں، یہ بھی آپ کے والد ماجد کا
علمی ترکہ ہوگا، فجزاہ اللہ تعالی و ایاک منا و من سائر المسلمین

رب تعالیٰ ہمارے اوپر آپ کا سایہ تادیر قائم رکھے، آمین۔ احباب کو سلام عرض
ہے۔

والسلام

افتخار احمد قادری

ص۔ ب ۲۵۵۱ ریاض ۱۱۴۱۲

ہندوستان سے مندرجہ ذیل حضرات نے تعزیت فرمائی۔

حضرت علامہ مولانا مفتی بحر العلوم عبدالمنان اعظمی مدظلہ نے لکھا

مولانا المحترم صاحب الفضل والکلم دامت مکارمہم

السلام علیکم ! شائد رمضان شریف میں آپ کی وہ تحریر نظر سے گذری جو آپ نے مولوی شکیب ارسلان کے نام تحریر فرمائی تھی' جس میں اپنے والد ماجد مرحوم و مغفور کے انتقال دار تحال کی خبر دی تھی۔ میں اس وقت لگ بھگ صاحب فراش تھا' شوال میں مدرسہ کھلا تو ایصال ثواب کیلئے اہتمام کیا' ہمارے ہفتوں بلکہ مہینوں میں تھوڑا تھوڑا پڑھ کر ایصال ثواب ہوتا ہے۔ چنانچہ ۴ / جولائی ۱۹۸۹ء کو ۵۵ ختم قرآن مجید (بچپن) کا ایصال ثواب مولوی اللہ دتہ رحمتہ اللہ علیہ کیلئے ہوا۔

مولا تعالٰی قبول فرمائے' اللہ تعالٰی نے ان کی ذات کو آپ سے دور کیا' ان کی رحمتوں اور برکتوں کو دور نہ فرمائے۔ آپ کو تمام اہل تعلق کو صبر و اجر عطا فرمائے۔ حضرت صاحب مرحوم کے درجات کو بلند فرمائے' آمین۔

والسلام

۲۹ ذوالحجہ ۱۴۰۹ھ

عبدالمنان اعظمی

صاحب تصانیف کثیرہ مولانا مفتی جلال الدین امجدی مدظلہ نے یوں غمگساری فرمائی۔

محترم علامۃ الدھر حضرت شرف قادری صاحب زیدت محاسنکم۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ برکاۃ

مزاج گرامی بخیر باد۔ حضرت مولانا تابش قصوری صاحب کے مکتوب سے معلوم ہوا کہ گذشتہ ماہ آپ کے والد محترم کا وصال ہوگیا' اس خبر سے بڑا افسوس ہوا۔ ان کے لئے ایصال ثواب کیا اور دعا کی۔ یا الہ العالمین ! ان کی قبر پر رحمت و انوار کی بارش فرما' میدان محشر میں ان کو سرکار اقدس ﷺ کے دامن کرم کا سایہ نصیب فرما اور جنت الفردوس میں

اعلیٰ مقام عطا فرما۔ آپکے والد گرامی مرحوم بڑے خوش نصیب ہیں کہ انہوں نے اپنے بعد دنیا میں آپ جیسا فرزند ارجمند چھوڑا' جس کی ایمان افروز تصنیفات ان شاء اللہ تعالیٰ صبح قیامت تک باقی رہیں گی جن سے لوگ اپنے ایمان و عمل کو سنوارتے رہیں گے اور آپکے والد محترم کو بھی ثواب ملتا رہے گا اور جنت میں ان کے درجات بلند ہوتے رہیں گے۔

خدائے عزوجل ان کے انتقال پرملال پر جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق رفیق بخشے اور ان کے ورثہ کے فیوض و برکات سے ساری دنیا کو مستفیض فرمائے۔ آمین

جملہ متعلقین کو سلام و دعا کہیں۔ فقط والسلام

۲۲/ ذوالحجہ ۱۴۰۹ھ

جلال الدین احمد الامجدی

خادم دارالعلوم فیض الرسول۔ براؤں شریف ضلع بستی۔ یو۔ پی انڈیا

مولانا علامہ محمد اختصاص الدین اجملی' مہتمم اجمل العلوم' سنبھل۔ انڈیا نے لکھا:

ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف میں یہ افسوسناک خبر پڑھ کر کہ آپ کے والد ماجد علیہ الرحمۃ والرضوان کا انتقال پرملال ہوگیا' بے حد افسوس ہوا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور اپنے جوار رحمت میں بلند مقام عطا فرمائے اور آپ حضرات کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ میں اور حاجی عبداللہ آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ مرکزی مدرسہ اہلسنت اجمل العلوم سنبھل کے جملہ اساتذہ و طلبہ کو جمع کر کے آپ کے والد محترم مرحوم و مغفور کیلئے ایصال ثواب کیا گیا۔

فقط والسلام

مورخہ ۱۴/ اگست ۱۹۸۹ء

محمد اختصاص الدین اجملی

حضرت علامہ مولانا عبدالنعیم عزیزی، سابق مدیر ماہنامہ سنی دنیا، بریلی نے یوں تعزیت کی

واجب الاحترام حضرت علامہ حکیم شرف صاحب قادری صاحب

مزاج گرامی! سلام مسنون

بعد عید آپکا خط ملا۔ آپکے والد گرامی حضرت مولانا اللہ دتہ صاحب علیہ الرحمۃ کا وصال یقیناً آپ کیلئے ایک سانحہ ہے۔ مولائے قدیر آپکو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین! بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوۃ والتسلیم

حضور علامہ ازہری صاحب قبلہ نے دعائے مغفرت بھی کی اور ادارہ کی جانب سے حضرت علیہ الرحمہ کیلئے ایصال ثواب بھی کرایا۔

والسلام

عبدالنعیم عزیزی

حضرت علامہ مولانا غلام عبدالقادر علوی مدظلہ

مہتمم دارالعلوم فیض الرسول، براؤں شریف (انڈیا) نے دعاؤں سے نوازا۔

محب گرامی قدر حضرت شرف قادری صاحب۔ زیدت محاسنکم

السلام علیکم والرحمۃ۔ ماہنامہ سنی دنیا جولائی ۸۹ء سے آپکے والد بزرگوار حضرت اللہ دتا صاحب علیہ الرحمہ کے انتقال کی خبر ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پروردگار عالم بطفیل نبی محترم ﷺ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، آمین۔ ادارہ فیض الرسول سے آپکے مشفقانہ و محبانہ تعلقات کی بنیاد پر یہ صدمہ ہم سب کا مشترک ہے، یہاں دارالعلوم میں منعقد انکے ایصال ثواب کی محفل میں ترقی درجات کی دعائیں کی گئیں، تاخیر ہی سے سہی ہمارے جذبات تعزیت قبول فرمائیں۔ پرسان حال احباب کو سلام مسنون معروض ہے۔

شریک غم

۲۵/ ذوالحجہ ۱۴۰۹ھ

غلام عبدالقادری علوی

فاضل جلیل مولانا علامہ محمد احمد مصباحی زید مجدہ نے ۲۳/ شوال ۱۴۰۹ھ / ۱۹۸۹ء
کو فیض العلوم' محمد آباد گوہنہ (انڈیا) سے مکتوب تعزیت ارسال کیا۔

والا نامہ موصول ہوا' تازہ غم سے قلق ہوا۔ والدین کا سایہ بلاشبہ بڑی عظیم نعمت ہے لیکن عموماً ساری اولاد کو ہی ان کے غم سے کسی وقت دوچار ہونا پڑتا ہے۔ یہ سعادت ہے کہ وہ جائیں تو ہم سے خوش جائیں اور ان کا رب ان سے راضی ہو۔ رب کریم آپ کو صبر جمیل و اجر جزیل سے نوازے اور والد ماجد کو فضل کثیر کے دامن میں کشادہ جگہ مرحمت فرمائے۔

محمد احمد مصباحی غفرہ اللہ تعالیٰ

فاضل علامہ مولانا جمال احمد خاں رضوی زید جمالہ نے ۲۵/ ذوالحجہ ۱۴۰۹ھ کو براؤن شریف (انڈیا) سے نامہ تعزیت ارسال کیا۔

آپکے والد محترم حضرت مولانا اللہ دتا صاحب علیہ الرحمہ کے انتقال کی خبر بڑی تاخیر سے ملی فوراً میں نے ایصال ثواب کیلئے مجلس کا اہتمام کیا جس میں مغفرت اور ترقی درجات کیلئے دعائیں کی گئیں کہ مولائے قدیر اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے و طفیل مرحوم کو علیین میں جگہ عطا فرمائے اور آپ حضرات کو صبر کی توفیق مرحمت فرمائے' آمین۔

جناب افتخار احمد خان نے ۱۱ جولائی ۱۹۸۹ء کو پیرس سے تعزیت کرتے ہوئے لکھا۔

والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی رحلت سے حقیقی صدمہ ہوا۔ خدا تعالیٰ ان کے صدقے جس کے لئے کائنات بنائی ان کو جنت کے بلند درجات نصیب کرے' آمین۔ بھائی صاحب خط سے انسان اپنے دلی صدمہ کی عکاسی نہیں کر سکتا۔ لیکن افسوس کہ میں فاصلوں کی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکا۔ انکل اقرار خان صاحب اور دیگر اہل خانہ کی طرف سے بھی اظہار تعزیت کیا گیا ہے اور وہ سب بھی آپ کے دکھ میں شریک ہیں۔ والدین کی نعمت کا چھن جانا گویا برکتوں کا روٹھ جانا ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے محبوب کے صدقے آپ کو اور دیگر

اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے' آمین

جناب محمد الیاس قادری نے مانچسٹر انگلینڈ سے ۷ اگست ۱۹۸۹ء کو دعائیہ مکتوب ارسال کیا۔

آپ کے خط سے آپ کے والد محترم کی اچانک وفات سے بہت بہت دلی صدمہ ہوا۔ اللہ اپنے حبیب کریم کے طفیل آپ کو صبر اور ان بزرگوار کو جنت الفردوس میں بلند جگہ دے۔ والدین اس جہان میں رحمت خداوندی کا ذریعہ ہوتے ہیں اور ان کا نعم البدل نہیں ہو سکتا۔ بہرحال اس جہان فانی میں جو آیا وہ جلد یا بدیر اس جہان سے کوچ کر گیا۔ میں آپ کے غم میں برابر کا شریک ہوں۔

فاضل نوجوان مولانا محمد خالد حسین سلمہ ربہ نے سلیو لینڈ' انگلینڈ سے ۱۸ مئی ۱۹۸۹ء کو مکتوب ارسال کیا۔

دو دن قبل محترم مولانا قاری محمد جشید صاحب ہزاروی میرے ہاں تشریف لائے تھے تو انہوں نے نہایت افسوسناک خبر سنائی کہ بزرگوار آپ کے والد ماجد کا انتقال پر ملال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ خود جانتے ہیں کہ ہر آنے والا جانے کیلئے آیا ہے لیکن کچھ جانے والے ایسا زخم دے کر جاتے ہیں جو تادیر تازہ رہتا ہے۔ بالخصوص والدین کریمین کا سایہ اٹھ جانے سے اور وہ بھی یکے بعد دیگرے یقیناً آپ کو مغموم کر گئے۔

بندہ ناچیز کی دلی دعا ہے کہ رب تعالیٰ اپنے پیارے محبوب ﷺ کے وسیلے سے آپ کے والدین کی مغفرت فرماتے ہوئے جنت میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور آپ جملہ لواحقین کو صبر جمیل کی دولت عطا فرمائے' آمین۔

پاکستان سے موصول ہونے والے تعزیت نامے

استاذ العصر، ملک المدرسین حضرت علامہ مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ نے ۲۳ اپریل ۱۹۸۷ء کو سامان تشفی و تسکین فراہم فرمایا۔

بخدمت گرامی قدر جناب مولوی محمد عبدالحکیم صاحب، سلمہ رب تعالیٰ۔ از طرف عطا محمد

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ

آپ کے والد صاحب کے وصال کی خبر پڑھ کر بڑا افسوس ہوا، آپ کا ۱۵ رمضان المبارک کو موصول ہوا، رات کو بعد از تراویح تمام نمازیوں نے ایک دفعہ سورۃ فاتحہ اور تین تین بار سورۃ اخلاص پڑھ کر آپ کے والد بزرگوار کو ایصال ثواب کیا، دعا ہے کہ رب العزت ان کی مغفرت فرماوے اور ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور درجات کی بلندی سے سرفراز فرماوے اور پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے، آمین۔

حررہ عطاء محمد لاڈھو کرد محن پد مراڑ

شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا محمد اشرف سیالوی مدظلہ نے دعاؤں کے ذریعے مرہم زخم جگر فراہم کیا۔

محترم المقام ذوالمجد و الاکرام حضرت علامہ جناب شرف القادری صاحب شرف اللہ تعالیٰ فی الدارین و علیکم السلام و رحمتہ اللہ و برکاتہ!

محتاج کاوش مژہ، و نیشتر فیم، دل میں خون ز درد خدا دادی زند

آنمکرم، والد گرامی کے وصال پر ملال کی خبر جانکاہ موصول ہوئی، اللہ تعالیٰ آنمکرم کو اپنے محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے سایۂ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور جناب والا اور تمام سوگوار خاندان کو صبر جمیل اور پھر جزائے جلیل اور اجر نبیل عطا فرمائے۔ بندہ ان شاء اللہ العزیز حاضر ہونے کی مقدور بھر کوشش کریگا تاکہ بالمشافہ جناب کو تعزیت کر سکے۔

تمام بھائی صاحبان کو بندہ کی طرف سے ہدیہ سلام اور تعزیت قبول ہو۔

والسلام مع العرف التحیۃ والاکرام

احقر الانام

محمد اشرف کان اللہ لہ

رضویات کے متخصص پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ پرنسپل ڈگری کالج ٹھٹھہ (سندھ) نے ۱۲ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ کو ادعیہ صالحہ سے نوازا۔

محترم و مکرم زید عنایتہ

السلام علیکم و رحمتہ اللہ برکاتہ' غم نامہ آج ہی موصول ہوا' حضرت والد ماجد علیہ الرحمہ کے سانحہ وصال کی الشاک خبر پڑھ کر سخت صدمہ ہوا' مولیٰ تعالیٰ حضرت مرحوم کی مغفرت فرما کر درجات عالیہ عطا فرمائے' آپ کو اور سب متعلقین کو اس صدمہ جانکاہ پر صبرو استقامت ارزانی فرمائے' آمین۔

مولیٰ تعالیٰ نے اپنے کرم سے غم کو وسیلہ رحمت بنا دیا اور غمزدوں کو اپنی معیت کا مژدہ سنا دیا اور عاشق صادق کیلئے وصل سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں' بیشک وہ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے' آپ نے حضرت مرحوم کی بڑی خدمت کی جو آپ کیلئے ترقی درجات کا باعث ہے' اور آپکی دینی خدمات حضرت مرحوم کی تسکین روح اور بلند مراتب کا موجب ہونگی' ان شاء اللہ' مولیٰ تعالیٰ آپکو سلامت باکرامت رکھے اور علم و دانش کا یہ فیض جاری و ساری رہے' آمین۔

احقر کی طرف سے دلی تعزیت قبول فرمائیں' احقر اور اہل خانہ شریک غم ہیں' مولائے کریم ہمیں اپنی رضا پر راضی رکھے۔ آمین

نوائے وقت کے کالم نگار "نور بصیرت" میاں عبدالرشید شہید رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۳ / مئی ۱۹۸۹ء کو یوں تعزیت کی۔

مکرمی، وعلیکم السلام و رحمتہ اللہ و برکاتہ،

آپ کے والد محترم کے انتقال کی خبر سن کر صدمہ ہوا، اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دیں، ان کے درجات بلند فرمائیں اور آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ کتاب کے دو سیٹ مل گئے تھے۔ میری آنکھوں میں کچھ تکلیف ہے، اس لئے آپ کے ارشاد کی بجا آوری سے قاصر رہا۔ ان شاء اللہ الرحمٰن جلدی تعمیل ارشاد ہو جائے گی۔

والسلام

عبدالرشید۔

حضرت علامہ مولانا غلام رسول سعیدی زید مجدہ شارح مسلم و شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی نے ۲۷ / شعبان ۱۴۰۹ھ کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے برادرانہ طریقے سے اظہار تعزیت کیا۔

۹۔ ۳۔ ۵

۲۷ / شعبان ۱۴۰۹ھ

حضرت علامہ شرف صاحب زید شرفکم

السلام علیکم و رحمتہ اللہ برکاتہ

کل صبح جامعہ نظامیہ سے ٹیلی فون پر یہ روح فرسا خبر ملی کہ آپ کے والد ماجد کا وصال ہو گیا، انا للہ و انا الیہ راجعون، یہ صرف آپ کے لئے صدمہ نہیں ہے، میرے لئے بھی انتہائی صدمہ ہے، حضرت مرحوم کی مجھ پر جو عنایات تھیں اور جس قدر شفقت فرماتے تھے اس کا آپ کو بھی علم ہے، مجھے بیٹوں کی طرح عزیز رکھتے تھے، جب انہیں پتا چلا کہ میں لاہور سے جا رہا ہوں تو بطور خاص بلوایا اور بزرگانہ دعاؤں سے نوازا، وہ تمام باتیں ایک ایک

کر کے یاد آتی ہیں' کئی مرتبہ گھریلو مسائل پر بھی مشورہ لیا' دینی مسائل میں بھی اکثر مجھ پر اعتماد فرماتے تھے' انہوں نے ایک شریف' معزز اور دیندار انسان کی زندگی گزاری' اولاد کی تمام ذمہ داریوں کو پورا کیا' چھوٹے صاجزادے کے لئے اکثر فکر مند رہتے تھے' لیکن اللہ تعالٰی نے ان کے فرض سے بھی ان کو سبکدوش کر دیا' اپنے محلہ میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے' اور آج میری طرح اچنت گڑھ کا ہر شخص سوگوار ہوگا' اخیر عمر میں طویل علالت کی صورت میں اللہ کی طویل رحمتوں سے ہمکنار رہے' آپ "والد صالح یدعولہ" کا مصداق ہیں' آپ کی تمام دینی خدمات اور خیرات و حسنات ان کے نامہ اعمال کی زینت ہیں اور ان شاء اللہ آپ کی وساطت سے آپ کی دینی خدمات کے صدقات جاریہ تاقیامت حضرت مرحوم کی نیکیوں میں شامل ہوتے رہیں گے' حضرت کی مغفرت اور درجات میں بلندی کے لئے دعا کرنا میرے لئے صرف ایک رسمی چیز نہیں ہے' ان کے ساتھ جو میرا تعلق ظاہر رہا ہے اس کی وجہ سے یہ دعائیں میرے اپنے دل کی آواز ہیں' میں آپ سے صبرو سکون کے لئے کیا کہوں' خود مجھے بھی سانحہ پر صبر کی ضرورت ہے۔ ایک شفیق اور خود پرست باپ کا سایہ سعادت مند اولاد کے لئے ہما کا سایہ ہوتا ہے اور اس سایہ کا کوئی بدل نہیں ہے' لیکن اللہ کی مرضی' اسکے حکم کے آگے کسی کو مجال نہیں' اب خود پر سکون ہونے کی بجائے انہیں سکون پہنچانے کی ضرورت ہے' آپکی بیش از بیش دینی خدمات انکے سکون کا ذریعہ ہیں۔

میں اللہ تعالٰی سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالٰی حضرت مرحوم کی مغفرت فرمائے' ان کے درجات بلند فرمائے' جنت الفردوس میں اعلٰی مقام عطا فرمائے' اور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت اور رفاقت سے بہرہ مند فرمائے' آپ کو صبرو سکون عطا فرمائے اور آپ کی دینی اور تبلیغی خدمات میں بیش از بیش اضافہ فرمائے' آمین یارب العالمین۔

مولانا منیب الرحمٰن اور مولانا اطہر نعیمی نے بھی تعزیتی کلمات کہے ہیں اور دعاء مغفرت کی ہے۔

فاضل جلیل، پیر طریقت، مولانا علامہ سید محمد فاروق القادری
زید لطفہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ شاہ آباد شریف، گڑھی اختیار خاں نے یکم مئی ۱۹۸۹ء کو
کلمات تعزیت اور ادعیہ صالحہ سے یاد فرمایا:

گرامی قدر جناب علامہ شرف قادری صاحب زید شرفکم

سلام مسنون، مزاج گرامی،

آپ کے والد گرامی کے انتقال کی خبر سن کر بہت افسوس ہوا ہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے، وہ آپ کے لئے سایہ رحمت تھے، اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے، وہ خود ایک عالم دین اور عابد و زاہد شخص تھے مگر ان کے اجر جمیل کے لئے یہ بات بجائے خود بڑی اہم ہے کہ انہوں نے آپ جیسا عالم و فاضل بیٹا صدقہ جاریہ کے طور پر چھوڑا ہے۔

اس المناک سانحے میں اس فقیر کو برابر کا شریک سمجھیں، ان شاء اللہ المولیٰ ۱۴ مئی کو ہمارے حفظ القرآن کے مدرسہ میں مرحوم کے ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی کرائی جائیگی۔

حضرت استاذ گرامی، فقیہ العصر مولانا مفتی محمد امین مدظلہ العالی مہتمم جامعہ امینیہ رضویہ، فیصل آباد نے تعزیت نامہ ارسال فرمایا

باسمہ سبحانہ، جل جلالہ

عزیز مکرم المحترم زید شرفہ،

وعلیکم السلام و رحمتہ اللہ و برکاتہ، آپ کا خط اندوہ گین خبر کا حامل موصول ہوا، انا للہ و انا الیہ راجعون جو کچھ دیا وہ اسی کا ہے اور جو کچھ لیا وہ بھی اسی کا ہے۔ دعا ہے کہ مولیٰ کریم آپ کے والد ماجد مرحوم و مغفور کو جوار خاص میں جگہ دے، ان کے درجات رفیعہ کو مزید بلند سے بلند کرے، ان کے مزار مبارک کو نور و ریحان سے بھر کر جنت کا باغ بنائے اور ہم سب کو صبر جمیل، اجر عظیم کی نعمتوں سے نوازے۔

یہاں قرآن مجید پڑھا کر ایصال ثواب کر دیا ہے' اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ان کے درجات کو بلند کرے' بجاہ حبیبہ الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ و اصحابہ وسلم عید کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ تعزیت کیلئے حاضری دی جائے گی۔

مشہور ادیب' نغز گو شاعر نعت اور ماہنامہ نعت کے مدیر جناب راجا رشید محمود نے ۲۱ / جون ۱۹۸۹ء کو اس طرح غمگساری کی۔

مکرم شرف صاحب

سلام و رحمت

نور الحبیب میں آپکے والد گرامی کے ارتحال کی خبر پڑھی تو بہت دکھ ہوا' انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میں سوچتا تھا کہ آپ کے پاس خود حاضر ہوں' لیکن بوجوہ حاضر نہ ہو سکا' آج مولانا عبدالحق ظفر چشتی صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہیں یہ فریضہ سونپ رہا ہوں کہ میرے جذبات ملال آپ تک پہنچا دیں' مرحوم کے لئے دعائے مغفرت تو ان شاء اللہ براہ راست پہنچ جائے گی' اللہ کریم آپ کو توفیق صبر دے۔

نامور محقق' قلمکار' حکیم سید محمود احمد برکاتی' لیاقت آباد کراچی نے دعاؤں سے سامان تسکین فراہم کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم مولانا' السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

ابھی ابھی آپکا لفافہ ملا' جس سے حضرت والد ماجد کی وفات کی خبر ملی انا للہ وانا الیہ راجعون' والد جیسی ہستی کے سائے سے محروم ہو جانا' چاہے وہ عمر کے کسی حصے میں بھی ہو بہت بڑی محرومی ہے' انسان چاہے خود کتنا ہی معمر اور دادا' نانا ہی کیوں نہ ہو جائے' والدین کی محبتوں' شفقتوں' دعاؤں سے محروم ہو جانا' اس کیلئے ایک ایسا ابتلا ہوتا ہے جسکا علاج بس مرور زماں ہی ہوتا ہے۔ پھر والد بھی جب عالم دین ہو تو صدمہ اور نقصان دو طرفہ ہوتا

ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے' مولانائے مرحوم کو اللہ تعالیٰ اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے' مغفرت فرمائے' درجات بلند فرمائے' وہ زندگی میں تو یقیناً بڑے خوش نصیب تھے کہ انہیں آپ جیسا فرزند سعید و رشید عطا ہوا تھا جو مسلسل دین اور علوم دین اور تذکار اخیار امت میں منہمک اور مشغول ہے' اس حسن تربیت کا اجر بھی منجملہ دیگر اعمال صالحہ کا انشاء اللہ انہیں ملے گا۔

مولانا' پاکستان اور خصوصاً سندھ کے حالات بڑے تشویش ناک ہیں' میں رجائی ہوں مگر ان حالات نے یاس سے مغلوب کر دیا ہے' صحت جسمانی کئی ماہ سے خراب تھی' ان حالات اور اندیشوں سے اور بھی برا اثر ہوا ہے' بصارت' حافظہ' قوت مطالعہ وغیرہ قویٰ پر ضعف طاری ہوگیا ہے' اب تو ملک کا مستقبل بھی تاریک اور وجود بھی خطرے میں نظر آ رہا ہے' آپ خود بھی اور ماحول میں جو اخیار و صلحاء ہوں' ان سے گذارش کریں کہ خصوصیت کے ساتھ ملک کے سلام و بقاء کے لئے دعا سے نہ چوکیں۔

ماہر اقبالیات' مورخ اور ادیب جناب سید نور محمد قادری مدظلہ نے ۳/ مئی ۱۹۸۹ء کو چکنمبر ۱۵ شمالی ضلع گجرات سے کرم نامہ ارسال فرمایا:

گرامی قدر مولانا عبدالحکیم شرف قادری صاحب سلمہ ربہ'

السلام علیکم ۔ مرسلہ کرم نامہ مل گیا ہے۔ آپ کے والد محترم مولوی اللہ دتہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا معلوم ہو کر دلی رنج ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شرف صاحب اس دنیائے فانی میں مولائے کریم کی سب سے بڑی نعمت "والدین" ہیں۔ انسان جتنی بھی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا ہو' جب ان کی آغوش رحمت میں پہنچتا ہے تو سب دکھ اور تکلیفیں کافور ہو جاتی ہیں' لیکن مشیت ایزدی کے قانون کے مطابق ہر انسان کو اپنے اصل مرجع کی طرف جانا ہی پڑتا ہے۔ بہر حال مجھے اپنے دکھ میں برابر کا شریک سمجھئے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ مولائے کریم مولوی صاحب مرحوم کو اپنے جوار رحمت

سے نوازیں اور متعلقین کو صبر جمیل کی دولت سے بہرہ ور کریں۔ میں مئی ہی میں تعزیت کیلئے حاضر ہونے کی کوشش کروں گا۔

مشہور مورخ اور اکابر تحریک پاکستان کے مصنف جناب محمد صادق قصوری نے ۸ / جون ۱۹۸۹ء کو مکتوب گرامی ارسال کیا۔

حضرت محترم علامہ شرف صاحب

سلام و رحمت۔ ماہنامہ "نور الحبیب" بصیرپور موصول ہوا۔ آپ کے والد گرامی قدر کی رحلت کی جانکاہ خبر پڑھ کر سخت صدمہ ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج ان کی کل ہماری باری ہے

میرے پاس تعزیت کیلئے الفاظ نہیں ہیں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کو صبر جمیل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

حضرت پیر طریقت مولانا علامہ محمد عبدالکریم چشتی رضوی مدظلہ' مہتمم دارالعلوم چشتیہ رضویہ نے ۲۵ / رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ کو گرامی نامہ تعزیت ارسال فرمایا

۲۵ / رمضان شریف ۱۴۰۹ھ

حضرت علامہ مخدوم اہلسنت زید مجدہ

السلام علیکم' مزاج سامی۔

عزیزم سلمہ سے معلوم ہوا کہ جناب کے والد ماجد رحلت فرما گئے ہیں' دلی صدمہ ہوا' والدین کی موجودگی' ان کی خدمت سے اولاد کی بڑی نیکیاں وابستہ ہوتی ہیں۔ نیز ان کی دعوات صالحہ اولاد کے لئے ایک عظیم سہارا اور ہر کام میں فتح باب کا موثر وسیلہ ہوتی ہیں۔

آپکے والد ماجد کی ترقی درجات کیلئے رحیم و کریم کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں اور آپ کیلئے خصوصا دعا گو ہوں کہ بظاہر اگرچہ والد ماجد کی زیارت سے جو آپکے دل کو تسکین حاصل ہوتی تھی اس سے آپ محروم ہوگئے تاہم مسلک حق میں یہ تعلیم باعث اطمینان و تسکین قلب ہے کہ اولاد کیلئے والدین کی خدمت کا بذریعہ ایصال ثواب و صلہ احباب و اقارب اب بھی راستہ کھلا ہے اور دعوات صالحہ کے حصول کا اب بھی امکان ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائے اور برکتیں تا زندگی آپ کے شامل حال ہوں۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم۔

خانقاہ ڈوگراں سے سابق صدر انجمن طلبائے اسلام جناب محمد نور المصطفیٰ زید نورہ نے ۴/ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ کو تحریر کیا:

مخدوم و محترم حضرت علامہ قبلہ شرف قادری صاحب مدظلہ

ہدیہ سلام مسنون!

آپکے والد ماجد رحمتہ اللہ علیہ کے انتقال پر ملال کی اطلاع پڑھ کر دلی صدمہ ہوا' اس عظیم سانحہ پر مجھے قلبی رنج ہوا ہے' میں دعا گو ہوں کہ مولا تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے' آمین۔

مولا تعالیٰ آپکو یہ عظیم صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے' آمین۔ آج ہی ہمارے دارالعلوم میں آپکے والد محترم علیہ الرحمہ کے ایصال ثواب کیلئے فاتحہ خوانی بھی کی گئی۔

حضرت علامہ مولانا پیر محمد چشتی مہتمم جامعہ غوثیہ معینیہ' پشاور نے ۲۹/ اپریل ۱۹۸۹ء کو تحریر فرمایا:

بخدمت جناب مولانا محمد عبدالحکیم صاحب شرف قادری

السلام علیکم و رحمتہ اللہ برکاتہ!

یہ سن کر بندہ کو از حد افسوس ہوا کہ آپ کے والد محترم انتقال کر گئے ہیں۔ انا للہ

وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں بسائے' آمین۔ اور آپ کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

معروف نعت گو شاعر اور ادیب جناب قمر یزدانی نے دعاؤں بھرا مکتوب ۵ شوال ۱۴۰۹ھ کو ارسال فرمایا

۸/ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ

اخی المعظم اوام اللہ فیو ضکم و زاد لطفکم

سلام مسنون

ایک دوست کی وساطت سے آپ کے والد گرامی کا انتقال پر ملال سے متعلق خبر سنی۔ تو دل و دماغ پر ایک کاری ٹھیس لگی۔ آخر موت ایک اٹل قانون قدرت ہے جس سے کسی کو بھی مفر نہیں ہے' مشیت الٰہی کے آگے سوائے صبر و شکر اور کیا چارہ کار ہے' بزرگوں کا سایہ لطیف ہے تو غنیمت او اطمینان بخش مگر رضائے ایزدی کے آگے کیا ہو سکتا ہے۔ دعا ہے کہ خالق عزوجل آپ اور جملہ متعلقین کو صبر جمیل بخشے اور بزرگوار محترم کو اپنے جوار رحمت میں درجات عالیہ سے سرفراز فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ النبی الامین علیہ الصلواۃ و التسلیم۔

پروفیسر وقار حسین طاہر' گجرات نے ۲۳/ اپریل ۱۹۸۹ء کو تعزیت کی۔

جناب قادری صاحب .... السلام علیکم!

محترم المقام جناب والد محترم کی وفات حسرت آیات پر بندہ گہرے رنج و الم کا اظہار کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے' (آمین) اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ (آمین اور ان کے متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

حضرت علامہ شیخ القرآن محمد فیض احمد اویسی مدظلہ مہتمم جامعہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور نے کرم فرمایا:

حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحکیم صاحب مدظلہ

سلام مسنون! آپ کے والد گرامی رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کی خبر حضرت حافظ بشیر احمد صاحب سے معلوم ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فقیر کی طرف سے تعزیت قبول فرمائیں۔ اللہ انہیں جنت الفردوس نصیب فرمائے اور آپ کو اور آپ کے عزیزوں کو اجر جزیل عطا فرمائے۔

مولانا محمد جمال الدین قادری دامت برکاتہم القدسیہ نے کوئٹہ سے نے ۲۹/ اپریل ۱۹۸۹ء کو تحریر کیا:

بخدمت اقدس عالیجناب' مکرمی محترمی حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف القادری

السلام علیکم رحمتہ اللہ و برکاتہ' مزاج مقدس' مکتوب گرامی کل ملا' جناب کے والد گرامی حضرت علامہ قبلہ مولانا اللہ دتا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی وفات کی خبر پڑھ کر نہایت دکھ ہوا' قرآن خوانی اور فاتحہ خوانی کے بعد دلی دعا کی گئی ہے کہ رب کائنات بصدقہ صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم مرحوم و مغفور حضرت علامہ صاحب کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے کر تمام پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

جناب محمد یوسف قادری' سابق ناظم جامعہ اسلامیہ رحمانیہ' ہری پور نے تحریر کیا۔

محترم المقام حضرت علامہ عبدالحکیم صاحب قادری

السلام علیکم ! آپ کے والد ماجد کی وفات کی خبر سن کر دلی صدمہ ہوا' گویا آپ ایک عظیم نعمت خداوندی سے محروم ہو گئے' ایک دین دار عالم کا اس پر آشوب دور میں ملت اسلامیہ سے جدا ہونا' بہت بڑا نقصان ہے' مگر خدا کو یہی کچھ منظور تھا' آخر کار صبر سے ہی

گذارا ہے' ہم سب حضرت سجادہ نشین صاحب چھوہر شریف' اراکین' مدرسین دارالعلوم آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

جناب محمد عبداللہ عسکری' صادق آباد نے ۱۸/ مئی ۱۹۸۹ء کو تحریر کیا۔

محترم جناب محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم رحمتہ اللہ برکاتہ'

گرامی نامہ دوران اعتکاف موصول ہوا۔ قبلہ محترم والد صاحب کی وفات حسرت آیات کی خبر پڑھ کر بہت ملال ہوا۔ اسی دن میں نے قرآن مجید ختم کیا تھا۔ مکمل قرآن مجید کا ثواب قبلہ والد صاحب کی روح کے ایصال ثواب کے لئے نذر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ فارسی کے استاذ صاحبزادہ معین نظامی نے ۷/ اپریل ۱۹۸۹ء کو راولپنڈی سے مکتوب گرامی ارسال کیا۔

مکرم و محترم حضرت شرف صاحب دامت برکاتہم'

سلام مسنون!

آج ہی برادر عزیز ممتاز سدیدی صاحب کی زبانی آپ کے والد ماجد کے انتقال پر ملال کا علم ہوا' دعا ہے کہ خداوند کریم بحق سید المرسلین آنمرحوم کو قرب عالی میں جگہ عطا کرے' اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

مورخ اہلسنت مولانا محمد جلال الدین قادری (کھاریاں) نے ۹/ ذیلقعدہ ۱۴۰۹ھ کو گرامی نامہ ارسال کیا۔

مکرمی حضرت مولانا زید مجدہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ' رضائے مصطفیٰ کی حالیہ اشاعت میں آپ کے والد ماجد کے وصال کی خبر پڑھ کر سخت افسوس ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولا کریم ان کی مغفرت فرما کر انہیں اعلیٰ درجات عطا فرمائے اور آپ کے صبر میں برکت دے' والد ماجد علیہ الرحمہ کی خدمت آپ نے جس محبت و محنت سے فرمائی ہے' مولا کریم اسے قبول فرمائے اور آپ کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس موقعہ پر ہم صرف دعا ہی کر سکتے ہیں۔ برادر عزیز مفتی محمد علیم الدین صاحب بھی اظہار تعزیت فرماتے ہیں۔

حضرت علامہ مولانا جمیل احمد نعیمی مدظلہ نے ۱۹/ اپریل ۱۹۸۹ء کو دارالعلوم نعیمیہ' کراچی سے تحریر فرمایا۔

مخدوم و محترم حضرت مولانا محمد عبدالحکیم صاحب شرف قادری

السلام علیکم و رحمۃ اللہ' بعد از سلام

ایں جا خیر آنجا باد' آپ کے والد بزرگوار صاحب کے انتقال کی خبر سن کر ہمیں بہت افسوس ہوا ہے۔ بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ مغفور و مرحوم کو اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ کے وسیلے سے جوار رحمت میں جگہ دے' ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے سب لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے' آمین۔

حضرت علامہ مولانا محمد اسماعیل حسنی اور علامہ محمد عبدالرحمٰن حسنی نے ۱۲/ اپریل ۱۹۸۹ء کو شاہ والا ضلع خوشاب سے تحریر کیا۔

واجب الاکرام حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحکیم صاحب شرف قادری سلمہ ربہ تعالیٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ برکاتہ' آپ کے والد گرامی قدس سرہ کے وصال کی خبر سن کر انتہائی دلی صدمہ ہوا دعا ہے کہ الہ العالمین بطفیل سید المرسلین انہیں غریق رحمت فرمائے

اور آپ کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرے۔ والدین کا سایہ ہر انسان کیلئے زندگی کے ہر موڑ پر ابر رحمت ثابت ہوتا ہے' مگر مرضی مولیٰ کے سامنے سوائے صبرو شکر کے چارہ نہیں' اللہ تعالیٰ دین و دنیا میں آپ کو اس کی بہتر جزاء عطا کرے اور صدمہ برداشت کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے' آمین۔

حضرت علامہ قاضی عبدالدائم دائم' مدیر ماہنامہ جام عرفان' ہری پور کا مکتوب گرامی:

السلام علیکم و رحمتہ اللہ علیہ!

آپ کا ۸۹ - ۴ - ۱۷ کا محررہ مکتوب آج مورخہ ۸۹ - ۴ - ۲۰ کو ملا۔ آپ کے والد ماجد کے انتقال پر ملال کی المناک خبر خرمن دل پہ برق تپاں بن کر گری۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ عنایت فرماوے اور ان کی قبر پر انوار کی بارش فرماوے۔ آپ کو اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

میں ۸۹ - ۴ - ۴ کو لاہور آیا تھا' مگر علم نہ ہو سکنے کے باعث حاضری سے محروم ہو گیا' جس کا مجھے بہت افسوس ہے۔

جناب سید عابد حسین شاہ زید مجدہ نے ۲۴/ اپریل ۱۹۸۹ء کو چھمبی' چواسیدن شاہ سے تحریر فرمایا:

مکرمی شرف قادری صاحب مدظلہ العالی۔

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ ...... بعد از آداب و نیاز عرض ہے کہ آپ کا مکتوب گرامی موصول ہوا اور آپ کے والد محترم کی وفات کا معلوم ہوا' یہ معلوم ہو کر دکھ ہوا کہ قلیل عرصہ میں آپ کو والدین جیسی نعمت سے جدائی کے مرحلہ سے گزرنا پڑا۔ بندہ آپ کے رنج و غم میں برابر کا شریک ہے اور مولانا مرحوم کی مغفرت اور درجات میں بلندی کے لئے دعا گو ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم ﷺ کے طفیل ان پر اپنا کرم خاص فرمائے اور جمیلہ پسماندگان کو صبرو جمیل عطا فرمائے' آمین۔

جناب سردار محمد طاہر تبسم معاون اطلاعات برائے صدر آزاد کشمیر نے' کشمیر ہاؤس ایف ۵ / ۲ اسلام آباد سے تعزیت کی۔

محترم شرف قادری صاحب

السلام علیکم

آپ کے والد محترم کے انتقال کی خبر سن کر مجھے بے حد دلی صدمہ ہوا ہے' میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم و مغفور کو جوار رحمت میں جگہ دے اور آپ سمیت دیگر سبھی لواحقین و پسماندگان کو یہ بڑا صدمہ برداشت کرنے کا حوصلہ بخشے۔ آمین

جناب انیس احمد نوری نے ۲۱ اپریل کو سکھر سے گرامی نامہ ارسال کیا

السلام علیکم!

آپ کے قبلہ والد محترم کے انتقال کا پڑھ کر اس خادم کو اور بچوں کو بہت افسوس ہوا کہ دل سے دعائے خیر میں یاد رکھنے والے کا آپ کے سر سے سایہ جاتا رہا' اللہ تعالیٰ ان سے بہتر خیر خواہ عنایت فرمائے' آمین' نیز والد صاحب اور پیرو مرشد کی روحانیت' ہروقت' ہر آن آپ کی رہنمائی فرمائے' آمین' آپ اپنے اس خادم کی جانب سے تین قرآن شریف کی تلاوت کا ثواب جس جس بزرگ کی خدمت میں پیش کرنا چاہیں کر سکتے ہیں' یہ خادم حتی الامکان حاضری کا شرف حاصل کرنے کی کوشش کرے گا' آخر میں آپ کا انیس آپ کے حق میں دعا گو ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ مسلک اہل سنت کی خدمت اور گستاخ رسول کی سرکوبی کر کے بزرگوں کو زیادہ سے زیادہ خراج عقیدت پیش کرنے کی توفیق عنایت فرمائے' آمین' نیز برادر عزیز مولانا ممتاز احمد صاحب اور ان کی دینی خدمات سے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک دل کو سرور عطا فرمائے' آمین۔

عزیزم مولانا شیخ فرید نے نصیر آباد ضلع دیامر، گلگت سے یکم جولائی کو تحریر کیا۔

مکرمی جناب حضرت استاذی المعظم صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد از سلام۔ راقم کو جناب کے حضرت والد محترم رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کا سن کر بے حد صدمہ ہوا ہے' اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے' آمین۔

کافی عرصہ سے میرا آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ تھا تاکہ فاتحہ خوانی اور آپ کی زیارت سے مشرف ہوتا' لیکن بوجہ چند مصروفیات کے حاضری سے محروم رہا جس پر معذرت خواہ ہوں۔

انتساب

(تذکرۂ اکابر اہل سنت کا انتساب)

فقیر اپنی اس ناچیز کوشش کو بصد ادب و نیاز والد گرامی مولانا اللہ دتا صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں پیش کرتا ہے جن کی دین داری اور نیک نفسی مجھے اکابر اہل سنت و جماعت (کثرہم اللہ تعالیٰ) کی خدمت میں لے آئی ورنہ نہ معلوم کہاں کہاں کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا، مولائے کریم جل مجدہٗ اُن کا سایہ تادیر سلامت رکھے۔ آمین

شرف قادری

لاہور

جرائد اہل سنت (نوٹ)

ماہنامہ سنی دنیا' بریلی شریف شمارہ جولائی ۱۹۸۹ء

۳ اپریل مطابق ۲۵ شعبان ۱۴۰۹ھ کو جماعت اہلسنت پاکستان کے ممتاز عالم دین حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب' استاد جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے والد گرامی حضرت مولانا اللہ دتہ صاحب اس دار فانی سے رحلت فرما گئے' حضرت مولانا اللہ دتہ صاحب علیہ الرحمتہ عالم باعمل' خصوصا فارسی ادب اور عربی صرف نحو اور ادب سے بھی دلچسپی رکھتے تھے' حضرت علیہ الرحمہ کے لئے ادارہ سنی دنیا کی جانب سے ایصال ثواب کرا دیا گیا۔ حضرت علامہ ازہری صاحب قبلہ نے ان کی مغفرت اور ترقی درجات کے لئے دعا فرمائی' علامہ شرف صاحب کو تعزیتی خط بھی لکھا گیا۔

خداوند قدوس مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان خصوصا علامہ شرف صاحب کو صبر کی توفیق عطا فرمائے' امین! بجاہ سید المرسلین۔ علیہ الصلوۃ والتسلیم

ماہنامہ اشرفیہ' مبارک پور (انڈیا) مئی جون ۱۹۸۹ء

ادارہ اشرفیہ' عالم اسلام کی مشہور علمی شخصیت اور عصر حاضر میں مختلف زبانوں میں مجدد اسلام' امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کی علمی و دینی خدمات کا تعارف کرانے والے حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ کے والد ماجد جناب مولوی اللہ دتہ علیہ الرحمہ کے انتقال پر ان کی اور دیگر پسماندگان کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہے اور پر خلوص دعا بھی' کہ مولائے قدیر مرحوم کو جنت میں اعلی مقام عطا فرمائے' اور پسماندگان کو اجر و صبر سے نوازے' بالخصوص صاحبزادہ والا تبار حضرت علامہ شرف قادری مدظلہ کو مزید دینی خدمات کی توفیق بخشے' اور ان کی خدمات کو مرحوم کے لئے باعث رفع درجات کرے آمین'

ماہنامہ فیض الرسول براؤن شریف (انڈیا) اگست ۱۹۸۹ء

دنیائے سنیت کی مشہور علمی شخصیت اور پاکستان کے ممتاز عالم دین حضرت علامہ

شرف قادری صاحب استاد جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے والد محترم حضرت مولانا اللہ دتا صاحب اس دار فانی سے ۳ اپریل ۱۹۸۹ء کو رحلت فرما گئے- انا للہ و انا الیہ راجعون پروردگار عالم انہیں بطفیل نبی مختار ﷺ جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے' آمین! ادارہ میں ایصال ثواب کی مجلس ہوئی' جس میں صاحبزادہ حضرت علامہ غلام عبدالقادر صاحب علوی مہتمم فیض الرسول نے مرحوم کی مغفرت اور ترقی درجات کے لئے دعا فرمائی' اور حضرت علامہ شرف قادری صاحب کو ایک تعزیت میں صبر کی تلقین فرمائی' مولائے قدیر مرحوم کے پس ماندگان خصوصاً حضرت شرف صاحب کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے' ادارہ موصوف کے غم میں شریک ہے-

ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ

ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ

۲۵ شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ ۳ اپریل ۱۹۸۹ء کو علامہ عبدالحکیم شرف کے والد ماجد مولوی اللہ دتا صاحب رحمتہ اللہ علیہ قضائے الٰہی سے وصال فرما گئے انا للہ و انا الیہ راجعون براہ کرم حضرت مرحوم کی مغفرت اور پسماندگان کے لئے صبر و جمیل کی دعا فرمائیں-

ماہنامہ نور الحبیب بصیر پور' جون ۱۹۸۹ء

گزشتہ دنوں ملک کے معروف عالم دین اور جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے صدر مدرس حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب کے والد گرامی مولانا اللہ دتہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ طویل علالت کے بعد وصال فرما گئے' موصوف بڑے نیک' متقی اور دینی جذبہ رکھنے والے بزرگ تھے-

راقم تمام حضرات کا شکر گزار ہے' جنہوں نے عظیم صدمے کے دوران شریک غم ہو کر میرے لئے اور میرے بہن بھائیوں کے لئے تسکین و تشفی کا سامان فراہم کیا- فجزاہم اللہ تعالیٰ خیرا لجزاء

اول۔ آخر۔ ظاہر۔ باطن کامل قدرت والا
پاک شریکوں۔ عیبوں نقصوں واحد حق تعالیٰ
صدقہ نبی کریموں جیہڑا اوہ پیار کے رکھی اے
نکڑ اندھیریاں پر فضلوں کردا نور اجالا
السلام علیکم بھائی ایہہ مضمون۔۔ حوالہ
خوشی اندر تحریر ہندا آوے پیر لکھیا سالا
شب بدھ وقت گیاراں آتا آیا وقت سیانا
لڑکا دے گھر لڑکا آیا ہی یا فضل۔۔ ربانا
ہو مبارک تم بہناں نوں سادی طرفوں بھائی
عمر دراز تے نیک کرے رب دے عزت وڈیائی
ماں پیو۔ نانک۔ دادک۔ دیگر ہوراں قاریاں سارے
مسن لڑکے بہناں نوں رب دی بخشش رحمت تارے
صحت عافیت دے ہر اک نوں خالق فضل کمالوں
یارب آپ بچاویں سانوں ہر نقصان زوالوں
کی آکھاں کجھ لیا نہ جاوے وجہ قیاس نہ آوے
لکھنے والا نام۔ بیتا اوہ کیہی نظر لکھ دکھاوے

۹ ۲۳
۵۹

آپنے نوں

بتاریخ گذرا بیرانا بہت سماجت یاروں۔ لے کے کول خیرات منگیندا ایہہ وڈے در باروں
عاجز ناقص میں بے بس نوں ہے ایہہ خاص سیارا۔ ہر حاجت رب کر دے پوری کا ہی جاوے چھٹکارا
وقت ودا ع کر بہر ضاں کیا جلدی خط لکھوانا۔ دل بے چین تسلی نکردے دیکھنا ست بھل جانا

۹ انیس ۱۹ ماہ ۱۳۷۹
ربیع الاول

عکس تحریر مولوی اللہ دتہ صاحب

هو الحبیب

هو حق حق الله

هو الحبیب

برادرِ اصغر مولوی محمد عبد الحکیم صاحب اشرف نادری سلمہٗ سے دو باتیں

شاد باش اے مولوی عبد الحکیم — ذاتِ حق بخشد ترا ذوقِ سلیم

حق نگہدارد ترا از ہر بلا — حسبنا اللہ گو کہ اللہ ہم کفیٰ

محو شو ہر آن در ذکرِ رسول — تا تو باشی زمرۂ اہلِ قبول

سنتِ خیر البشر داری عزیز — در نظر جز این نیاید ہیچ چیز

تا توانی دور شو از اہلِ کین — مسلکِ احمد رضا حق بالیقین

با حق بہ بین و حق شنو حق بر زبان — با خدا و مصطفیٰ یابی امان

جز درِ حق ہر درِ دیگر مبین — بس ہمین است مشربِ اہلِ یقین

مالِ دنیا ہست چون خاشاک و خس — بیگمان اللہ بس باقی ہوس

یاد کن شعرِ جنابِ بوعلی — "در سوادِ سینہ نامِ او جلی"

زہد و تقویٰ چیست اے مردِ فقیر — لا طمع بودن ز سلطان و امیر

خویش را از اہلِ دنیا دور دار — ثم بنا سلّم الی یوم القرار

با ظفر دارد ترا حق دائما — یاد داری در دعا صبح و مسا

ہم اخی احمد حسن، فیض الحسن — در امان دارد بہ ایشان ذو المنن

خواہران ما را شاد دارد کردگار — تا نیاید نزد ایشان اضطرار

دائما اولادِ شان آباد باد — از غم و رنج و الم آزاد باد

پدر و مادر را دہد جنت مقام — یاد کن اندر دعا ہر صبح و شام

روحِ من از جسم چون گردد جدا — بر زبان جاری شود نامِ خدا

از پئے سردار احمد ذی وقار — دوستان را ہم بعالم شاد دار

از طفیلِ پیر آن عالی نظر — ہم ظفر باشد بعالم با ظفر

اللّٰہ
حق حق حق

بحضور حضرت معظم الاولیا حضرت خواجہ معظم الحق والشرع والملۃ والدین زید شرفہٗ عنہ

الغیاث اے شہ معظم رہبر راہ یقین
بہر تو نازد رہبری مسرور کن قلب حزین
نازد
از طفیل شہ سلیمان صدقہ پیر سیال
از غم و رنج و الم آزاد کن مہر معین

محمد عبد الغفار رضوی
فیصل آباد

عکس تحریر برادر محترم مولانا محمد عبد الغفار صابری مدظلہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

انتساب

والدۂ ماجدہ کے نام!

رحمہا اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

—— وہ رابعۂ عصر، جن کی آغوش میں فقیر نے پہلی بار اسمِ ذات سُنا۔
—— جن کی زبان پر آخری وقت، بیہوشی کے عالم میں بھی اسمِ ذات جاری رہا۔
—— جو پیکرِ صبر و رضا اور مجسمۂ حیا تھیں —— جو صوم و صلوٰۃ کی اس قدر پابند تھیں کہ چھ سال تک شدید علالت کے باوجود، باقاعدہ اشارے سے نماز پڑھتی رہیں اور اوراد و وظائف ادا کرتی رہیں۔
—— قرآنِ پاک کی تلاوت اور درودِ پاک سے توانہیں عشق کی حد تک لگاؤ تھا
—— رمضان شریف میں اٹھارہ اٹھارہ، بیس بیس مرتبہ ختم کلامِ پاک کرتیں۔
۱۰ ذیقعدہ، ۷ جولائی ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۷ء بروزِ منگل راہیِ ملکِ بقا ہوئیں

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

(اسلامی عقائد کا انتساب)

غم زدہ

شرف قادری

سراج الفقہاء مولانا سراج احمد خانپوری رحمہ اللہ تعالیٰ

حامدًا و مصلیا و مسلمًا

لعل و گہر ہمیشہ سمندر کی گہرائی اور پردہ تاریکی میں مستور ہوتے ہیں، ان تک کسی کی رسائی نہ ہوسکے، تو یہ الگ بات ہے، لیکن اگر کسی غواص کی رسائی دُرِ یکتا تک ہوجائے اور اس کے باوجود اسے قعرِ سمندر سے نکالنے میں کوتاہی سے کام لے، تو اسے یقیناً کم عقلی اور بے ہمتی کا الزام دیا جائے گا۔

علماء و اصفیاء باکمال ہوتے ہوئے بھی نام و نمود کی خواہش سے بے نیاز ہوتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم و فضل ایسی دولتِ اصلی سے نواز رکھا ہے۔ رہی شہرت و مقبولیت، تو وہ ایک امرِ عارضی اور غیر ضروری ہے، جس کے ہونے نہ ہونے سے کچھ فرق نہیں پڑتا، لیکن یہ امر قابلِ غور ہے کہ کیا ایسے اربابِ عزیمت حضرات کے عظیم الشان کارناموں کو منظرِ عام پر لانا چاہیئے۔ ان کی علمی خدمات سے عوام و خواص کو متعارف کرانا چاہیے اور ان کے متعلق بہت کچھ جاننے کے باوجود ان کی سیرت و سوانح محفوظ کرنی چاہیئے؟ یہ اور اس قسم کے اور بہت سے سوالات ہر حساس شخص کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ یقیناً ہر شخص ان سوالات کا جواب اثبات میں دے گا، لیکن بہت کم حضرات یہ سوچنے کی زحمت گوارا کرتے ہیں کہ آخر اس ذمہ داری کو کون نبھائے گا؟ کیا اغیار سے توقع رکھی جاسکتی ہے یا بعد میں آنے والی نسلیں اس فریضے سے عہدہ برآ ہوسکیں گی؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف اور صرف ہماری ذمہ داری ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اس ذمہ داری کو محسوس کرکے میدانِ عمل میں قدم رکھیں۔ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی (الآیۃ)

موجودہ دور میں فنِ میراث کے امام قدوۃ الفضلا، سراج الفقہا مولانا سراج احمد صاحب مکھن بیلوی ثم خانپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ وہ گنج ہائے گراں مایہ تھے جنہیں نہ ستائش سے دلچسپی تھی نہ نمائش کی آرزو۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ قوم نے ان کے علوم و معارف کی معتدبہ اشاعت نہ کی اور نہ ہی اہلِ علم میں ان کی فضیلتِ علمی کو نمایاں کیا گیا، جس کے وہ درحقیقت مستحق تھے۔ قوم کی کوتاہی اور ناعاقبت اندیشی کا یہ بیّن ثبوت ہے۔ نہ معلوم علوم کے کتنے خزینے اسی طرح زاویۂ گمنامی میں وقت بسر کر کے ہماری ظاہر بین نظروں سے ایسے اوجھل ہوئے کہ آج ان کے نقشِ حیات کا دھندلا سا تصور بھی ہمارے سامنے نہیں ہے۔

اس تحریر میں حضرت سراج الفقہا کے معارف کی اپنی سی کوشش کی گئی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حضرت کے فاضل اور صاحبِ حیثیت تلامذہ اپنے اُستاذِ کامل کی خدمت و تکریم کو سعادت سمجھیں ــ اور ان کے علمی اور دینی کارناموں کی مکمل اشاعت کریں۔ بالخصوص سراج الفتاویٰ کی اشاعت کی طرف توجہ دیں جو ہنوز منتظرِ اشاعت ہے آخر ہمیں ایسے کاموں کے انجام دینے میں کس کا انتظار ہے؟ مولائے کریم توفیق عطا فرمائے۔

سوانح کے آخر میں اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنّت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کا ذوی الارحام کی صنفِ رابع سے متعلق وہ اہم غیر مطبوعہ فتویٰ شامل کر دیا گیا ہے، جو انہوں نے سراج الفقہاء کے استفسار کے جواب میں لکھا تھا، جسے دیکھنے کے بعد اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے متعلق حضرت سراج الفقہاء کے زاویۂ نظر میں نہایت خوشگوار تبدیلی آ گئی تھی۔

ولادت باسعادت

اُستاذ العلماء، سراج الفقہاء حضرت مولانا سراج احمد صاحب ایک مشہور و

معروف علمی گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ سابق ریاست بہاولپور کے شہر خانپور سے متصل قصبہ مکھن بیلہ (اسٹیشن حجہ عباسیاں ضلع رحیم یار خاں) میں ۱۴ ذوالحجہ بروز بدھ ۱۳۰۳ھ کو پیدا ہوئے۔ [1]

آپ کے والد حضرت مولانا احمد یار صاحب قدس سرہٗ اس علاقہ کے مشہور عالم دین تھے۔ آپ کے جدِ امجد مولانا محمد عالم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے علاقے کے جید عالم دین اور صاحبِ فتویٰ تھے۔ مولانا محمد عالم صاحب مشہور شیخ طریقت اور سرائیکی زبان کے ملک الشعراء حضرت خواجہ غلام فرید صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے پیر و مرشد اور برادرِ بزرگ حضرت خواجہ فخر جہاں رحمہ اللہ تعالیٰ اوصدی کے ہم درس اور پیر بھائی ہیں، یعنی حضرت خواجہ خدا بخش رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت تھے۔ مولانا محمد عالم نے تمام درسی کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھیں۔ اسی طرح سراج الفقہاء کے نانا مولانا امام بخش قدس سرہٗ بھی اپنے معاصر علماء میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ [2] یعنی حضرت سراج الفقہاء کا ماحول ننھیال اور دودھیال دونوں طرف سے خالص دینی اور علمی تھا۔

ابتدائی تعلیم اور عجیب واقعہ

ابتداء میں جب آپ نے اپنے گاؤں مکھن بیلہ میں قاعدہ شروع کیا، تو دماغی کمزوری کی وجہ سے بہت دشواری پیش آتی۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا ایک عجیب کرشمہ ظاہر ہوا، جس کی وجہ سے ذہنی کیفیت میں حیرت انگیز انقلاب برپا ہو گیا۔ ہوا یوں کہ آپ کی والدہ ماجدہ جو نہایت عابدہ صالحہ تھیں نے ایک رات خواب میں حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ نے حضرت سراج الفقہاء کے بارے میں چند دعائیہ کلمات

---

[1] غلام مہر علی گولڑوی، مولانا: الیواقیت المہریہ، مکتبہ مہریہ چشتیاں شریف بہاولنگر ۱۳۸۴ھ

[2] مکتوبِ گرامی، جناب سید محمد فاروق القادری، ایم اے۔

فرمائے - یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہ بہت بڑا عالمِ دین ہوگا - پھر حنائی رنگ کے چند اوراق عطا فرمائے اور فرمایا: "مولوی احمد یار کو دے دینا تاکہ یہ پانی میں حل کر کے اپنے لڑکے کو پلائے " جب آپ بیدار ہوئیں، تو اوراق ہاتھ میں نہیں تھے - کچھ دیر بعد جب مولانا احمد یار صاحب تشریف لائے، تو اُن کے پاس ایک کتاب تھی جسے کھولا گیا تو وہی اوراق اِس میں موجود تھے - والدہ صاحبہ نے پہچان لئے - چنانچہ وہ اوراق مولانا کو پلائے گئے، تو اُن کا اثرِ عظیم ظاہر ہوا[1] اور اللہ تعالیٰ نے حضرت سراج الفقہاء کو بہترین صلاحیتیں عطا فرما دیں -

درسِ نظامی کی تکمیل

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی، پھر چاچڑاں شریف کے مشہور مدرسہ جامعہ فریدیہ (جس کے بانی حضرت خواجہ غلام فرید رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء ہیں) میں ابتدائی کتب سے لے کر مطول تک تمام کتابیں اُستاذ العلماء مولانا تاج محمود صاحب اور جامع معقول و منقول مولانا غلام رسول صاحب سے پڑھیں - فنونِ عالیہ کی بعض کتابیں بمع حدیث شریف قصبہ مہند ضلع بہاولپور کے مشہور معقولی عالم مولانا علامہ امام بخش صاحب سے پڑھیں اور ۱۳۱۷ھ میں تحصیل علوم سے فارغ ہو گئے -[2]

طالب علمی کے زمانے میں آپ کو اپنے ہم درس طلباء پر فوقیت حاصل ہوتی تھی - آپ اکثر و بیشتر درسی اور غیر درسی کتب اور شروح مطالعے میں حل کر لیتے - صرف بعض مقامات میں اساتذہ سے رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوتی - اساتذہ آپ کی قابلیت اور صلاحیتوں کو دیکھ کر متعجب رہ جاتے - کتبِ فقہ سے کنز الدقائق سبقاً پڑھی اور باقی کتابیں مطالعے سے

---

[1] مکتوب گرامی حضرت مولانا ابوالاحسن محمد مختار احمد صاحب صدر مدرس مدرسہ عربیہ سراج العلوم خانپور بنام راقم الحروف!

[2] غلام مہر علی، مولانا : الیواقیت المہریہ ، ص ۱۴۴

حل کرلیں۔ اسی طرح ریاضی۔ زیج اور علم میقات وغیرہ کی اکثر و بیشتر کتابیں مطالعے سے حل کر کے طلباء کو پڑھا دیں۔

بیعت

بسلامتِ طبع، اعلیٰ صلاحیتوں اور دینی و علمی ماحول کی بدولت حضرت سراج الفقہاء کی رُوحِ مضطرب ایسے رہبر کی متلاشی تھی، جو اصلاحِ ظاہر کے ساتھ ساتھ صفاءِ باطن کا بھی سامان کر دے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے آپ کو دُور دراز کا سفر نہیں کرنا پڑا، کیونکہ چاچڑاں شریف میں سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ کے شیخ کامل فرید العصر حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہ فیوض و برکات کے دریا بہا رہے تھے، حضرت سراج الفقہاء دس سال کی عمر میں ان کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو گئے۔[1] اور وقتاً فوقتاً ان کی مجالس میں حاضر ہو کر رُوحانی برکات کا خوب خوب استفادہ کیا۔ خواجہ صاحب کی توجہ نے اس فقیہِ اعظم کی زندگی کو تواضع، سادگی، بے نفسی اور جذبۂ خدمتِ خلق ایسی صفاتِ عالیہ سے مزین کر کے اُسوۂ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نمونہ بنا دیا اور آپ کے علمِ ظاہری کو وہ جلا بخشی جو اہلِ علم کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہے۔

تدریس

آپ نے عالمِ نوجوانی میں تدریس کی ابتدا کی اور ستر سال کے لگ بھگ علومِ دینیہ کے طلباء کو اپنے چشمۂ علم سے سیراب کرتے رہے۔ ایک عرصہ تک قصبہ ڈیرہ کھول ضلع رحیم یار خاں میں مصروفِ تدریس رہے۔ پھر کچھ وقت اپنے گاؤں مکھن بیلہ میں مشتاقانِ علمِ دین کو مستفید فرمایا۔ پھر چاچڑاں شریف میں حضرت خواجہ فیض فرید صاحب کی تعلیم و تربیت آپ کے

---

[1] غلام مہر علی، علامہ مولانا، الیواقیت المہریہ، ص ۱۴۵

سپرد ہوئی جسے آپ نے بطریقِ احسن انجام دیا۔ اس کے علاوہ کچھ وقت دربارِ قادریہ بھرچونڈی شریف ضلع سکھر سندھ میں بھی گزارا، جہاں مجاہدِ اسلام نامور تحریکِ پاکستان حضرت پیر عبدالرحمٰن قدس سرہ کو پڑھاتے رہے۔ مدرسہ عربیہ انوار العلوم ملتان میں بھی پڑھایا اور مدت دراز تک مدرسہ عربیہ سراج العلوم، خان پور میں درس دیا۔

تلامذہ

تقریباً ستر سال کے طویل عرصہ میں بلاشبہ سینکڑوں علماء نے آپ سے استفادہ کیا۔ اس وقت جن تلامذہ کے اسماء گرامی معلوم ہو سکے، وہ درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا خواجہ حافظ عبدالرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۱۳۸۰ھ) ضلع سکھر صوبہ سندھ میں سلسلۂ عالیہ قادریہ کی مشہور گدی بھرچونڈی شریف کے سجادہ نشین اور تحریکِ پاکستان کے بیباک مجاہد تھے۔ آپ کے مریدین کا سلسلہ بہت وسیع اور دیگر ممالک تک پھیلا ہوا ہے۔ نہایت عالم و فاضل اور عارفِ کامل تھے۔ مسلکِ اہل سنت و جماعت کے زبردست حامی اور مبلغ تھے۔ ملک غلام علی اینڈ سنز لاہور کو بہارِ شریعت اور فتاوی رضویہ جلد اول کی اشاعت کے لئے آپ نے ہی تیار کیا تھا۔ فتاوی رضویہ شائع ہونے پر اس کی ایک سو جلدیں خرید کر علماء میں تقسیم فرمائیں۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔ آپ کے صاحبزادے مجاہدِ عظیم مولانا پیر عبدالرحیم صاحب شہید (۲۱ ستمبر ۱۹۷۱ء) نے بھی حضرت سراج الفقہاء سے کچھ اسباق پڑھے۔ اسلام کے اس جلیل القدر مجاہد کو بعض شرپسندوں نے شہید کر دیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

(۲) عمدۃ العارفین حضرت علامہ الحافظ پیر سید مغفور القادری رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۱۳۹۰ھ) سجادہ نشین شاہ آباد شریف گڑھی اختیار خاں ضلع رحیم یار خاں، مصنف عباد الرحمٰن شیخ طریقت جید عالمِ دین اور صالحین کے نقشِ قدم پر تھے۔ تمام عمر طلباء

کو علمی فیض سے فیض یاب کرتے رہے۔ جناب صاحبزادہ سید محمد فاروق القادری ایم اے آپ کے فرزند ارجمند ہیں، جن کے مکتوبِ مفصل سے اس تحریر میں خاص طور پر استفادہ کیا گیا ہے۔[1]

(۳) حضرت خواجہ فیض فرید صاحب مدظلہ العالی سجادہ نشین چاچڑاں شریف، آپ حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہ العزیز کی گدی کے سجادہ نشین ہیں۔ عالم و فاضل اور صالح بزرگ ہیں، حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں۔ حضرت موصوف کے مریدین کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

(۴) حضرت مولانا عبد السبحان صاحب مدظلہ العالی حضرت سراج الفقہاء کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ جیّد عالم و فاضل ہیں۔ تمام علوم و فنون حضرت سراج الفقہاء سے پڑھے۔ ریاضت و مجاہدہ میں بہت کوشش کرتے ہیں، اس وقت آپ کی عمر ۶۵ سال ہوگی

(۵) اُستاذ العلماء حضرت مولانا حافظ سراج احمد صاحب مدرسہ عربیہ سراج العلوم خان پور کے مہتمم ہیں۔ نہایت فاضل اور صالحین میں سے ہیں اور عشقِ رسُول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے سرشار، تقریباً چالیس سال تک قرآن و حدیث کا درس دیا، سینکڑوں افراد کو فیضیاب فرمایا اور اب مدرسہ عربیہ سراج العلوم آپ کے زیرِ اہتمام کامیابی کی راہ پر گامزن ہے، جہاں دُور دراز کے طلباء علمِ دین کی دولتوں سے مالا مال ہو رہے ہیں۔

(۶) فاضل اجل شیخ القرآن حضرت مولانا ابو الصالح محمد فیض احمد صاحب اویسی دامت برکاتہم العالیہ مہتمم جامعہ اویسیہ رضویہ، ملتان روڈ، بہاولپور، نہایت قابل عالم و فاضل، سریع القلم مصنف، متقی، متورع اور بلند پایہ مناظر ہیں۔ قابلِ قدر کتب کثیرہ تصنیف کر چکے ہیں، جن میں فیوض الرحمٰن ترجمہ تفسیر رُوح البیان، نعم الحامی شرح شرح جامی، شرح ایساغوجی، فیضِ رضا، شرح کریما، شرح حیاۃ الانبیاء للبیہقی، شرح شرح مائۃ عامل اویسی نامہ اور ابواب الصرف مع قوانین الصرف (مرتبہ مولانا اویسی صاحب) بہت مشہور ہیں۔

[1] حضرت سید مغفور القادری کا قطعہ تاریخ وفات حضرت شرافت نوشاہی نے لکھا ہے جس کا تاریخی شعر یہ ہے

شرافت زتو گر بپرسند سال ۔۔۔ بگو "ہادی عصر مستور شد" ۱۳۹۰ھ

حضرت موصوف شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد سرداراحمد صاحب محدث اعظم پاکستان رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ ہر سال رمضان المبارک میں بڑی محنت سے دورۂ قرآن مجید پڑھاتے ہیں جس میں اطراف واکناف کے طلباء وعلماء بکثرت شریک ہوتے ہیں۔

(۷) فاضلِ جلیل مولانا علامہ حسن الدین صاحب ہاشمی، لاس اینجلس، امریکہ، حضرت موصوف اجلۂ فضلاء میں سے ہیں۔ تمام کتبِ درسیہ پر عبور رکھتے ہیں۔ بہترین معقولی اور فلسفی ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں سے حاشیۂ قال اقول وغیرہ کتب طبع ہو کر علماء سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ حضرت سراج الفقہاء رحمہ اللہ تعالیٰ سے علم زیج، اسطرلاب وغیرہ کی کتابیں پڑھیں۔

(۸) حضرت مولانا ابوالاحسن محمد مختار احمد صاحب مدظلہ العالی (ابن مولانا حافظ سراج احمد صاحب) صدر مدرس مدرسہ عربیہ سراج العلوم خان پور، سلیم الطبع اور فاضل عالم ہیں۔ ہر سال رمضان المبارک میں دورۂ قرآن مجید پڑھاتے ہیں۔ دور و نزدیک کے طلباء وعلماء آپ کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے ہیں۔ فاضل موصوف نے راقم الحروف کی درخواست پر حضرت سراج الفقہاء کے متعلق بہت سی اہم معلومات فراہم فرمائیں۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

(۹) حضرت علامہ محمد مقصود احمد صاحب خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ تعالیٰ لاہور، پیکرِ اخلاق فاضل نوجوان اور ہر دل عزیز ہیں۔ جامعہ محمدیہ رضویہ بھکھی شریف میں پڑھتے رہے۔ جامعہ امدادیہ مظہریہ بندیال میں استاذ العلماء مولانا عطا محمد صاحب بندیالوی دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کیا۔ شیخ القرآن حضرت مولانا علامہ عبدالغفور ہزاروی قدس سرہٗ سے دورۂ قرآن پڑھا۔ رمضان شریف ۱۹۶۵ء میں حضرت سراج الفقہاء کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس سے قبل دو دفعہ سراجی پڑھ چکے تھے، لیکن انہیں اشتیاق تھا کہ فن میراث کے امام کا تلمذ حاصل کیا جائے۔ الزبدۃ السراجیہ کے چند اوراق پڑھے تھے کہ علالت نے آلیا۔ اس لئے رسالہ مذکورہ کی تکمیل نہ کر سکے۔

(۱۰) حضرت علامہ مولانا محمد عبدالواحد صاحب مدظلہ العالی مفتی مدرسہ عربیہ سراج العلوم خان پور، نہایت فاضل مدرس ہیں۔ جید فقیہ اور صالح بزرگ ہیں۔ علوم متداولہ کی تمام کتب کئی دفعہ پڑھا چکے ہیں۔ بہترین خوشنویس اور عمدہ جلد ساز ہیں۔

(۱۱) حضرت مولانا سید محمد مظفر شاہ صاحب خیرپور قریشیاں کافی عرصہ تک خانپور مسجد مائی صاحبہ میں خطیب رہے ہیں۔ عالم و فاضل اور اچھے مقرر ہیں۔ ان دنوں اپنے قصبہ میں قیام پذیر ہیں۔ سادات سے ہیں۔ آپ کے والد ماجد کے بہت سے مریدین ہیں۔

(۱۲) حضرت مولانا محمد امین صاحب فتح پوری رحمہ اللہ تعالیٰ بہترین معقولی فلسفی اور معروف مناظر تھے۔ مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا شَھَادَۃً فِیْ بَلَدِ حَبِیْبِکَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

(۱۳) حضرت مولانا خورشید احمد صاحب مہتمم مدرسہ سعیدیہ کاظمیہ ظاہر پیر عاشق رسول مقبول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) عالم باعمل اور خوش بیان مقرر ہیں۔ تین دینی مدرسے آپ کے زیر اہتمام چل رہے ہیں۔

(۱۴) حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ العالی خلف الرشید سلطان العارفین حضرت مولانا فیض محمد صاحب شاہ جمالی رحمہ اللہ تعالیٰ مہتمم دارالعلوم صدیقیہ شاہ جمالیہ (ڈیرہ غازی خاں) عرصہ سے مدرسہ مذکورہ میں علمی و دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

(۱۵) مولانا عبدالغفور صاحب لوری سابق شیخ الحدیث انوارالعلوم ملتان انہوں نے حضرت سراج الفقہاء سے علم میراث پڑھا، لائق مدرس ہیں۔

(۱۶) مولانا حافظ محمد افضل صاحب صدر مدرس مدرسہ عربیہ انوارالاسلام لودھراں ضلع ملتان میں بہترین مدرس ہیں، درسیات کئی دفعہ پڑھا چکے ہیں۔ [۱]

---

[۱] یہ اسماء مولانا ابوالحسن محمد مختار احمد صاحب کے مکتوب بنام راقم السطور سے ماخوذ ہیں ۱۲

(۱۸) مولانا عطا محمد صاحب امام مسجد مٹھن کوٹ[1]

افتار

حضرت سراج الفقہاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے تدریس کے علاوہ منصب افتاء کے فرائض کو بطریق احسن انجام دیا مشکل سے مشکل مسائل آپ کی خدمت میں پیش ہوتے جنہیں بہت جلد دلائل قویہ فقہیہ کی روشنی میں حل کر دیتے۔ آپ کے تبحر علمی کثرت معلومات اور صلابت رائے کا صحیح اندازہ ان سینکڑوں فتاویٰ کے مطالعے سے ہو سکتا ہے جو سراج الفتاویٰ کی صورت میں جمع ہو چکے ہیں۔ ویسے تو آپ کو تمام علوم دینیہ پر عبور تام حاصل ہے اور کتب فقہ پر بڑی گہری نظر رکھتے ہیں۔ دُرمختار، ردّالمحتار (شامی) فتاویٰ عالمگیری، بزازیہ، تحریر، تقریر، جامع الفصولین، بحر الرائق اور مبسوط ایسی مبسوط کتب فقہیہ کا نظر غائر سے اوّل تا آخر مطالعہ فرما چکے ہیں۔ (الا ماشاء اللہ)

راقم الحروف کو دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ، ہری پور ہزارہ کے کتب خانہ میں حضرت سراج الفقہاء علیہ الرحمہ کی کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ہر کتاب پر جابجا حواشی لکھے ہوئے ہیں اور ابتدائی صفحات پر بکثرت ضروری نوٹ درج ہیں، لیکن میراث وصیت، میقات اور ریاضی وغیرہ میں ایسی بے مثال اور کمال دسترس حاصل ہے کہ آپ کی نظیر پیش کرنا مشکل ہے۔

حضرت سراج الفقہاء کے تلامذہ کی مختصر سی اس فہرست پر نظر ڈالنے سے واضح ہو سکتا ہے کہ آپ بیشک "استاذ العلماء والمشائخ" ہیں۔

حضرت سراج الفقہاء مرجع علماء ہیں، دُور دراز کے لوگ حل مشکلات کے لئے آپ کی طرف رجوع کرتے — حتیٰ کہ دارالعلوم دیوبند کے مفتی میراث کے مشکل ترین

[1] مکتوب گرامی جناب صاحبزادہ صاحب سید محمد فاروق القادری ایم اے - ۱۲

مسائل کے حل کے لئے آپ سے استعانت اور رابطہ قائم کرتے رہے۔ لہ

لہ یہاں ایک واقعہ کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ مولانا غلام رسول سعیدی صدر مدرس جامعہ نعیمیہ، لاہور، غالباً ۱۹۵۸ء میں مولانا عبدالمجید صاحب مدرس سراج العلوم خانپور سے قدوری، مراح الارواح اور قال اقول وغیرہ پڑھتے تھے۔ انہی دنوں مولوی عبداللہ درخواستی دیوبندی مہتمم مخزن العلوم، خانپور کی زیر ادارت نکلنے والے رسالے "مخزن العلوم" میں ایک مضمون شائع ہوا۔ جس میں مجدد مائۃ حاضرہ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی پر تنقید کی گئی تھی اور اس میں ایک جملہ اس قسم کا تھا: "مولانا احمد رضا کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے تصرفاتِ ذاتیہ مان لینے سے شرک لازم نہیں آتا۔" اور سند کے لئے "الامن والعلی" کی عبارت پیش کی گئی تھی، وہ یہ تھی:

"اگر کہے کہ اللہ پھر رسول خالق السموات والارض ہیں، اللہ پھر رسول اپنی ذاتی قدرت سے رازقِ جہاں ہیں، تو شرک نہ ہوگا" (الامن والعلی، ص ۲۱۹)

اس مضمون کو پڑھ کر مولانا سعیدی صاحب کو سخت تعجب ہوا۔ اُستاذِ محترم کو عبارت دکھائی تو انہوں نے فرمایا کہ اصل کتاب نکال کر دیکھنی چاہیئے۔ اس سے آگے مولانا سعیدی صاحب کی زبانی سنیئے! جب اصل کتاب کو دیکھا تو میں دیابنہ کی ایمانداری، راست گوئی اور عصمتِ قلم پر حیران رہ گیا۔ اصل معاملہ یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ مولوی اسماعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان کی ایک عبارت کا رد فرما رہے ہیں۔ رد کا خلاصہ یہ ہے کہ "اور" اور "پھر" کے فرق سے شرک مندفع نہیں ہوتا۔ چنانچہ فرمایا:

"اگر کوئی یوں کہے کہ اللہ و رسول خالق السموات والارض ہیں، اللہ و رسول اپنی ذاتی قدرت سے رازقِ عالم ہیں، جبھی شرک ہوگا؟ اور اگر کہے کہ اللہ پھر رسول خالق السموات والارض ہیں، اللہ پھر رسول اپنی ذاتی قدرت سے رازق ہیں، تو شرک نہ ہوگا۔" (الامن والعلی، ص ۲۱۹)

جب حق واضح ہوگیا، تو مجھے سخت رنج اور غصہ لاحق ہوا اور میں نے سوچا کہ مخزن العلوم جا کر مولوی درخواستی سے گفتگو کروں کہ انہوں نے خائن اور عصمت فروش قلم کی تحریر سے کیوں اپنے رسالے کو رسوا کیا۔ چنانچہ میں چند دوستوں کے ساتھ مخزن العلوم پہنچا۔ وہاں درخواستی صاحب اس وقت

(باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

حقیقت یہ ہے کہ آپ تجرِ علمی کے اعتبار سے نادرِ روزگار شخصیت ہیں۔ آج اگر کوئی شاہ جہان ایسا علوم دینیہ کا قدر دان ہوتا تو آفتابِ پنجاب مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی طرح آپ کو چاندی میں تولتا، لیکن افسوس کہ وہ خود تو اپنی کم آمیزی اور عزلت پسندی کی وجہ سے پردۂ خفا میں رہے اور زمانے نے ان کے بارے میں ژرف نگاہی سے کام نہ لیا۔

(بقیہ حاشیہ صـــ) حدیث شریف پڑھا رہے تھے ۔ فارغ ہوئے تو ہم ان سے ملے۔ مضمون نویس کی خیانت بیان کی اور ثبوت میں "الامن والعلی" پیش کی۔ کہنے لگے: تم مضمون نویس کو خط لکھو۔ میں نے کہا وہ نہ جانے کہاں ہے، ہم اس سے کیسے رابطہ کریں اور مراسلت میں نہ جانے کتنا وقت لگے، آپ یہاں موجود ہیں، آپ اس مضمون کے بارے میں ہمیں کیوں مطمئن نہیں کر دیتے؟ پھر وہی جواب ملا۔ میں نے کہا، آپ اپنی زیرِ ادارت شائع ہونے والے مضامین کے ذمہ دار نہیں ہوتے؟ جواب دیا: کیوں نہیں ذمہ دار ہوتے، ابھی وہ مر تو نہیں گیا، اسے لکھو، اس نے جواب نہ دیا تو ہم دیں گے۔

پھر پوچھا، کہاں سے آئے ہو؟ بتلایا کہ سراج العلوم سے، پھر رعونت اور کمال تکبر سے کہا: تمہارے مدرسہ کے مہتمم کا تو یہ حال ہے کہ میں نے اس سے لاحق، مسبوق اور مدرک کی تعریف پوچھی، تو وہ نہ آئی۔ میں نے جواب دیا، اس کا تو مجھے علم نہیں، البتہ یہ معلوم ہے کہ آپ کے ہاں جو میراث کے مسائل حل نہیں ہوتے، وہ سراج الفقہاء حضرت مولانا سراج احمد صاحب کے پاس بھیج کر حل کرائے جاتے ہیں۔ کہنے لگے: کیا ہوا آدمی کا جوتا ٹوٹ جاتا ہے، تو وہ موچی کے پاس مرمت کرانے چلا جاتا ہے۔ میں نے کہا یہ بتلایئے کہ عالم کے لئے میراث کے مسائل جاننا ضروری ہے یا جوتی مرمت کرنے کا فن جاننا؟ (مطلب یہ تھا کہ اگر اول شق تسلیم ہے تو آپ کے مدرسین جاہل ہیں اور اگر شق ثانی تسلیم ہے تو آپ کو مع مدرسین کے اس فن میں ماہر ہونا چاہیے) میرا یہ جواب سنتے ہی غصہ میں آپے سے باہر ہو گئے اور کہنے لگے میرے سامنے اجتہاد کرتے ہو چلو نکلو یہاں سے۔

(مکتوب مولانا سعیدی بنام راقم ۱۲ر جنوری ۱۳۷۲ھ)

تصنیفات

چونکہ آپ کا زیادہ تر وقت تدریس و افتاء میں صرف ہوا، اس لئے تصنیف و تالیف کی طرف زیادہ توجہ نہیں ہوئی۔ اس کے باوجود سراج اہل القبلہ کے نام سے علم فرائض (میراث) وصیت اور میقات پر آپ کی ضخیم تالیف ہنوز منتظر اشاعت ہے، جس کا خلاصہ الزبدۃ السراجیہ فی علم المیقات والمیراث والوصیۃ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ یہ کتاب دراصل تین رسائل کا مجموعہ ہے۔ اہل علم ان کی اہمیت اور خوبی سے آشنا ہو سکتے ہیں، جن حضرات نے ان رسائل کا مطالعہ کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ مسائل کو کس عمدگی سے بیان کیا گیا ہے اور ان رسائل کو جدید اصول و قواعد اور انداز بیان کی سلاست سے کس طرح مزین کیا گیا ہے۔

آپ کی دوسری غیر مطبوعہ تالیف سراج الفتاوی ہے، جس میں وہ سینکڑوں فتاوی مندرج ہیں جو وقتاً فوقتاً آپ کی خدمت میں پیش کئے جاتے تھے اور آپ دلائل فقہیہ کی روشنی میں انہیں حل فرماتے۔ آپ کے اکثر فتووں کی بنا پر سابق ریاست بہاول پور میں عدالتی فیصلے ہوتے رہے ہیں خدا کرے کہ یہ فتاوی طبع ہو جائیں تاکہ تحقیق کے متلاشی، ان سے استفادہ کر سکیں اور حضرت سراج الفقہاء رحمہ اللہ تعالیٰ کی پوری زندگی کی علمی کوششوں کا نچوڑ، یوں گوشۂ گمنامی میں نہ پڑا رہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی قدّس سرہ العزیز

شیخ الاسلام، امامِ اہلِ سُنّت، شیخ محقق

اللہ تعالیٰ کی عادتِ کریمہ یہ رہی ہے کہ انسانیت کو شرک و کفر اور گمراہی سے نکالنے کے لئے انبیاء کرام علیہم السّلام بھیجے گئے، فکرِ انسانی صدیوں کے ارتقاء کے بعد جہاں پہنچتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی مقدس ہستیوں نے لمحوں میں وہاں پہنچادیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، امورِ آخرت اور عالم کے حادث یا قدیم ہونے کے بارے میں بڑے بڑے فلسفیوں اور دانشوروں نے کیا کیا موشگافیاں نہ کیں، لیکن وہ اپنے وابستگانِ دامن کو دولتِ یقین فراہم نہ کرسکے۔ انبیاء کرام علیہم السّلام کے چند کلمات نے سامعین کو وہ تیقّن عطا کیا، جس کی بناء پر وہ جان تک قربان کرنے کے لئے تیار ہوگئے اور دُنیا و آخرت کی سعادتیں حاصل کرگئے۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر سلسلۂ نبوّت ختم ہوگیا، آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، البتہ پیغمبرانہ جدّ و جہد اور مشن کو جاری رکھنے کے لئے اُمّتِ مُسلمہ کے جلیل القدر افراد آگے بڑھے، انہوں نے نہ صرف دعوت و ارشاد کا کام پورے ولولے اور لگن سے کیا، بلکہ دینِ متین کے مقدس چہرے سے گرد و غبار صاف کرنے میں تمام صلاحیتیں بھی صرف کردیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا۔

"بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی پر ایسے شخص کو بھیجے گا جو اُس کے دین کی تجدید کرے گا۔"

علماء اسلام نے مجدد کے لئے جو شرطیں بیان کی ہیں، وہ یہ ہیں:

۱۔ وہ علومِ ظاہرہ اور علومِ باطنہ کا جامع ہو۔
۲۔ اس کے درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور وعظ و تذکیر سے نفع عام ہو۔
۳۔ سُنت کی اشاعت و ترویج اور بدعت کے خاتمے کے لئے کوشاں ہو۔
۴۔ ایک صدی کے آخر اور دوسری صدی کے آغاز میں اس کے علم کی شہرت ہو اور لوگ دینی مسائل میں اس کی طرف رجوع کرتے ہوں۔

پھر یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر صدی میں ایک ہی مجدد ہو، گزشتہ صدیوں میں سے ہر صدی میں ایک سے زیادہ مجدد ہوئے ہیں۔

ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری (والد ماجد ڈاکٹر مختار الدین احمد علی گڑھ) فرماتے ہیں:

"مجدد مائۃ حادی عشر (گیارھویں صدی کے مجدد) یعنی الف ثانی امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی فاروقی (متولد ۱۰ محرم ۹۷۱ھ، متوفی ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ) اور صاحب تصانیف کثیرہ شہیرہ وزاہرہ باہرہ حضرت شیخ محقق علامہ عبدالحق محدث دہلوی (متولد ۹۵۸ھ، متوفی ۱۰۵۲ھ) اور میر عبدالواحد بلگرامی صاحب "سبع سنابل" (متوفی ۱۰۱۷ھ) تھے۔ [۱]

آئندہ صفحات میں گیارھویں صدی کے مجدد، پاسبان دینِ مصطفےٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)، علوم دینیہ کے نامور مبلغ اور ناشر، دینی حمیت و غیرت کے پیکر، امام المحدثین

---

[۱] محمد ظفر الدین بہاری، ملک العلماء، چودھویں صدی کے مجدد اعظم (ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور) ص ۳۳-۳۲

شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دینی اور ملی کارناموں کا مختصر جائزہ پیش کیا جائے گا، انشاء اللہ العزیز مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے حضرت کی حیاتِ مبارکہ کا مختصر تذکرہ پیش کر دیا جائے۔

حیاتِ مبارکہ

۹۵۸ھ — ۱۰۵۲ھ

۱۵۵۱ء — ۱۶۴۲ء

امامِ اہل سنت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شہر دہلی ۹۵۸ھ/۱۵۵۱ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کے آباء و اجداد میں سے آغا محمد ترک بخاری، سلطان محمد علاء الدین خلجی کے زمانے میں بخارا سے ہجرت کر کے دہلی میں وارد ہوئے اور بلند و بالا مناصب پر فائز رہے۔ بخارا سے ہجرت کے وقت متعلقین اور مریدین کی ایک جماعت اُن کے ہمراہ تھی۔ [1]

آپ کے والد ماجد شیخ سیف الدین دہلوی شعر و سخن کا ذوق رکھنے والے عالم اور صاحبِ حال بزرگ تھے۔ سلسلۂ عالیہ قادریہ میں شیخ امان اللہ پانی پتی کے مرید اور خلیفۂ مجاز تھے۔ [2]

حضرت شیخ نے تکملۂ اخبار الاخیار میں ان کے متعدد ملفوظات نقل کئے ہیں، چند ایک ملاحظہ ہوں:

۱۔ مجھے ان لوگوں پر حیرت ہے جو مخلوق کے لئے کام کرتے ہیں تاکہ ان کے نزدیک اہمیت حاصل کریں۔ کام کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے، مخلوق سے کیا کام؟

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: تکملہ اخبار الاخیار (طبع مجتبائی، دہلی) ص ۲۸۹

[2] خلیق احمد نظامی: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ندوۃ المصنفین، دہلی، ص ۶۷-۶۶

۲ - جب دیکھا جاتا ہے کہ علماء اور فضلاء جاہ و عزت اور کثرتِ اسباب کے حاصل کرنے اور مال و دولت کے جمع کرنے میں مخلوقِ خدا کے ساتھ اُلجھتے ہیں اور لڑائی تک پہنچ جاتے ہیں، تو میں شکر کرتا ہوں کہ میں نے زیادہ نہیں پڑھا اور اکابر میں سے نہیں ہوا۔

۳ - (شیخ محقق فرماتے ہیں کہ مجھے والدِ گرامی نے کئی دفعہ فرمایا) کسی شخص کے ساتھ علمی بحث میں جھگڑا نہ کرنا اور کسی کو تکلیف نہ دینا۔ اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ حق دوسری جانب ہے، تو قبول کر لینا، ورنہ دو تین بار کہنا اگر نہ مانیں تو کہنا کہ بندہ کو اسی طرح معلوم ہے، جو کچھ آپ کہتے ہیں، وہ بھی ہو سکتا ہے، جھگڑا کس بات کا؟

۴ - اگر تمہیں اپنے پیر اور استاد، سے محبت اور عقیدت ہو تو اس سلسلے میں کسی سے لڑائی نہ کرو اور تعصب اختیار نہ کرو، یہ محبت کا کام ہے، جسے محبت نہ ہو، وہ کیا کام کرے گا؟ فائدہ بزرگوں کی عقیدت، محبت، اور پیروی میں ہے۔ تم جو جنگ کر رہے ہو، وہ اپنے نفس کے لئے ہے، نہ کہ بزرگوں کے لئے۔

۵ - طریقت کے بہت سے معاملات ہیں، جنہیں اس راہ کے اصحابِ ہمت ادا کرتے ہیں۔ حقیقت کا اصل کام یہ ہے کہ ہر وقت اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کے ساتھ ہے۔ ایک لحظہ بھی اس خیال سے غافل نہ رہے۔ دست درکار و دل بایار۔[1]

شیخ محقق نے نہ صرف ان کی نصیحتوں کو عمر بھر یاد رکھا، بلکہ ان پر عمل پیرا رہے۔ شیخ سیف الدین دہلوی ۲۷ شعبان المعظم ۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء کو پاس انفاس میں مشغول تھے، اسی حالت میں رحمتِ حق کی آغوش میں پہنچ گئے۔

---

[1] عبدالحق محدثِ دہلوی، شیخ محقق: تکملہ اخبار الاخیار فارسی (مجتبائی دہلی) ص ۲۹۲-۲۹۳

تحصیلِ علم

حضرت شیخ محقق کو اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے علمِ سلیم اور فہم و دانش کا وافر حصہ عطا فرمایا۔ حافظہ حیرت انگیز حد تک قوی تھا، خود فرماتے ہیں:

"ڈھائی سال کی عمر میں دودھ چھڑائے جانے کا واقعہ مجھے اس طرح یاد ہے جیسے کل کی بات ہو۔" [۱]

والد ماجد نے ظاہری اور باطنی تربیت پر بھرپور توجہ دی۔ دو تین ماہ میں قرآن پاک پڑھایا۔ پھر حضرت شیخ محقق عبدالحق علومِ دینیہ حاصل کرنے لگے۔ جب عربی نصاب اور منطق و کلام کی کتابوں تک پہنچے تو ماوراء النہر[۲] کے دانشوروں کے پاس حاضر ہوئے اور سات آٹھ سال دن رات محنت کر کے علومِ دینیہ حاصل کئے۔ شیخ نے اپنے اساتذہ کے نام نہیں لکھے۔ ذوق و شوق اور علمی انہماک کا یہ عالم تھا کہ ہر روز اکیس بائیس گھنٹے پڑھنے اور مطالعہ میں صرف کرتے، اپنی محنتِ شاقہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگر اتنا ذوق و شوق مولا تعالیٰ کی طلب اور باطن کی ریاضت میں ہوتا، تو معاملہ کہاں تک پہنچتا" [۳]

ذکاوت و فطانت کا یہ عالم تھا کہ دورانِ سبق عجیب عجیب بحثیں اور مفید باتیں ذہن میں آتیں، اساتذہ کے سامنے پیش کرتے، تو وہ کہتے:

"ہم تم سے استفادہ کرتے ہیں اور ہمارا تم پر کوئی احسان نہیں ہے۔" [۴]

---

[۱] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: تکملہ اخبار الاخیار فارسی ص ۳۰۰

[۲] نہر سے نہر جیحوں مراد ہے، ماوراء النہر سے مراد وہ شہر ہیں جو اس نہر کے شمال میں واقع ہیں، مثلاً بخارا، سمرقند، نسف، اسیجاب، خجند، خوارزم اور کاشغر وغیرہ ۱۲ اشرف قادری

[۳] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: اخبار الاخیار (فارسی) ص ۳۰۲

[۴] ایضاً: ص ۳۰۲

سترہ سال کی عمر میں اس وقت کے مروجہ علوم سے فارغ ہو گئے۔ بعد ازاں ایک سال میں قرآن پاک یاد کر لیا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد کچھ عرصہ درس و تدریس میں مشغول رہے۔

شیخ محقق ۹۹۶ھ / ۸۸-۱۵۸۷ء میں حجازِ مقدس پہنچے' ۹۹۹ھ/۱۵۹۰ء تک وہاں قیام کیا۔ اس دوران حج و زیارت کے علاوہ مکہ مکرمہ میں شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں حاضر ہو کر علمی اور روحانی استفادہ کیا۔ مشکوٰۃ شریف کے علاوہ تصوف کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ اسی اثناء میں شیخ سے اجازت لے کر مدینہ منورہ حاضر ہوئے ۲۲ ربیع الثانی ۹۹۷ھ سے آخر رجب ۹۹۸ھ تک وہاں قیام کر کے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نوازش ہائے بے پایاں سے فیض یاب ہوئے۔ شیخ محقق فرماتے ہیں:

"اس فقیر حقیر نے حضرت خبیر بشیر نذیر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جو انعام و اکرام کی بشارتیں پائی ہیں، ان کی طرف اشارہ نہیں کر سکتا" [1]

بیعت و خلافت

حضرت شیخ محقق کو بچپن ہی سے عبادت و ریاضت کا بیحد شوق تھا۔ جوں جوں عمر میں اضافہ ہوتا گیا، یہ شوق بھی بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ اپنے زمانے کے اولیائے کاملین میں شمار ہوئے۔ ابتداءً والد ماجد کے دستِ مبارک پر بیعت ہوتے۔ پھر اُن کے ایماء پر سلسلۂ عالیہ قادریہ میں حضرت موسیٰ پاک شہید ملتان (م ۱۰۰۱ھ) کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے اور ان کے فیوض و برکات سے مستفید ہوتے۔ مکہ معظمہ میں حضرت شیخ عبدالوہاب متقی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کی، ارشاد و سلوک کی منزلیں طے کیں اور شیخ نے انہیں چار سلسلوں چشتیہ، قادریہ، شاذلیہ اور مدنیہ کی اجازت عطا فرمائی۔

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: اخبار الاخیار ص ۳۰۴

شیخ محقق ہندوستان واپس آئے تو باوجودیکہ سلسلۂ قادریہ میں بیعت اور خلافت رکھتے تھے، سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں عارفِ کامل حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ جناب محمد صادق ہمدانی نے کلمات الصادقین میں لکھا ہے کہ شیخ محقق نے حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رُوحانی اشارے پر یہ بیعت کی تھی۔ [۱]

تصانیف

حضرت شیخ محقق نے اپنی حیاتِ مُبارکہ کا اکثر و بیشتر حصّہ تصنیف و تالیف میں بسر کیا۔ ان کی تصانیف دُنیا بھر میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں، فنّی اعتبار سے ان کی تصانیف درج ذیل عنوانات کے تحت آتی ہیں:

(۱) تفسیر (۲) تجوید (۳) حدیث (۴) عقائد (۵) فقہ (۶) تصوف (۷) اخلاق (۸) اعمال (۹) منطق (۱۰) تاریخ (۱۱) سیر (۱۲) نحو (۱۳) ذاتی حالات (۱۴) خطبات (۱۵) مکاتیب، (۱۶) اشعار وغیرہ [۲]

حضرت شیخ محقق قدس سرہٗ کی تصانیف، ساٹھ ہیں۔ چند مشہور تصانیف کے نام درج ذیل ہیں،

۱۔ اشعۃ اللمعات، مشکوٰۃ شریف کا فارسی میں ترجمہ اور شرح، چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ اُردو میں اس کے ترجمہ کی شدّت سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی، چنانچہ

---

[۱] خلیق احمد نظامی: حیاتِ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۱۲۷

[۲] ایضاً: ص ۱۶۰

نوٹ: جناب نظامی صاحب نے نمبر ۹ پر فلسفہ و منطق کا شمار کیا ہے، حالانکہ فلسفہ میں ان کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں کیا۔ ۱۲ شرف قادری

مولانا محمد سعید احمد نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے پہلی دو جلدوں کا ترجمہ تین جلدوں میں کیا
ان کی علالت اور پھر وصال کے سبب یہ کام راقم کے ذمے لگا۔ راقم نے ترجمہ
کی چوتھی اور پانچویں جلد مکمل کر لی ہے۔ ترجمہ کی دو جلدیں مزید ہوں گی۔ یہ سب
کام فرید بک سٹال، لاہور کے زیر اہتمام ہو رہا ہے۔

۲۔ لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح (عربی)
(مشکوٰۃ شریف کی عربی شرح جس کی چار جلدیں طبع ہو چکی ہیں)

۳۔ شرح سفر السعادۃ (فارسی)

۴۔ مدارج النبوۃ (فارسی) سیرتِ طیبہ کی اہم ترین اور لافانی کتاب

۵۔ اخبار الاخیار (فارسی) ہندوستان کے علماء اور مشائخ کا مستند تذکرہ

۶۔ جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب (فارسی) تاریخ مدینہ کے نام سے
اس کا ترجمہ چھپ چکا ہے۔

۷۔ زبدۃ الاسرار (عربی) مناقب سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ
تلخیص بہجۃ الاسرار۔

۸۔ زبدۃ الآثار (فارسی) زبدۃ الاسرار کا ترجمہ مع اضافات

۹۔ تکمیل الایمان (فارسی) اسلامی عقائد اور مسلکِ اہل سنت و جماعت

۱۰۔ شرح فتوح الغیب (فارسی) سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ
کی تصنیف مبارک فتوح الغیب کی شرح۔ (عربی)

۱۱۔ ماثبت بالسنۃ (عربی) بارہ مہینوں کے اسلامی معمولات، کتاب و سنت
اور طریق اسلاف کی روشنی میں

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ڈاکٹر زبید احمد کے حوالے سے شیخ محقق کی تصانیف
میں الاکمال فی اسماء الرجال کا بھی ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ فہرست

التوالیف میں اس کا ذکر نہیں ہے، حالانکہ الاکمال امام ولی الدین رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب مشکوٰۃ کی تصنیف ہے اور مشکوٰۃ شریف کے آخر میں چھپی ہوئی عام دستیاب ہے۔

رسالہ ضرب الاقدام

پیر عبد الغفار کشمیری ثم لاہوری نے ۱۳۴۹ھ میں پانچ رسائل کا مجموعہ شائع کیا تھا، اُن میں ایک رسالہ ضرب الاقدام بھی ہے، اس کی ابتداء میں لکھا ہے :

رسالہ ضرب الاقدام

من تصنیف زبدۃ المحققین شیخ عبد الحق دہلوی،

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اس رسالے میں حضرت شیخ محقق نے صلوٰۃ غوثیہ کا ثبوت اور جواز پیش کیا ہے۔

وصال

۲۱ ربیع الاوّل ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء کو آسمانِ علم و معرفت کا نیرِ درخشاں احادیثِ نبویہ کا عظیم شارح، دینِ اسلام اور مقامِ مصطفےٰ کا محافظ اور مسلکِ اہل سنّت کا پاسبان، دنیا والوں کی نگاہوں سے روپوش ہو کر دہلی کے ایک گوشے میں محوِ استراحت ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ وقدس سرہٗ۔

شیخ محقق کی دینی و علمی خدمات

حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طویل زندگی دینِ اسلام کے تحفظ اور اس کا پیغام عام کرنے اور مقامِ مصطفےٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی حفاظت کرنے میں صرف کر دی۔ دینِ متین کے خلاف اُٹھنے والے نئے نئے فتنوں کی مؤثر سرکوبی کی اور مسلکِ اہل سنّت و جماعت کی شاندار ترجمانی کی، بالخصوص عقیدۂ ختمِ نبوت پر ڈاکہ ڈالنے والوں کے خلاف علمی و قلمی جہاد کیا۔

اس دور میں مہدوی تحریک عروج پر تھی، جس کا آغاز سُنت کی ترویج اور بدعت کے خاتمے سے متعلق تھا۔ بعد ازاں مہدویت کا تصور اس سطح تک جا پہنچا کہ دینِ اسلام کے قطعی عقیدے ختمِ نبوت سے ٹکرا گیا۔ اس تحریک کا بانی سید محمد جونپوری کہتا تھا کہ ہر وہ کمال جو حضرت محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو حاصل تھا، وہ مجھے بھی حاصل ہو گیا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ کمالات وہاں اصالۃً تھے اور یہاں تبعاً ہیں اتباعِ رسُول اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ اُمتی نبی کی مثل ہو گیا ہے۔ علامہ ابن حجر مکی، حضرت علی متقی اور شیخ محقق شیخ عبد الحق محدث دہلوی (رحمہم اللہ تعالیٰ) نے اس تحریک کی شدید مخالفت کی اور مقامِ مصطفےٰ کے تحفظ کا فریضہ انجام دیا۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں؛

اگر سولہویں اور سترھویں صدی کی مختلف مذہبی تحریکوں کا بغور تجزیہ کیا جائے، تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اس زمانے کا سب سے اہم مسئلہ پیغمبرِ اسلام کا صحیح مقام اور حیثیت متعین کرنا، اور برقرار رکھنا تھا۔

تصورِ امام، عقیدۂ مہدویت، نظریۂ الفی (دینِ اسلام کی عمر صرف ایک ہزار سال ہے ۱۲ ق ن)، دینِ الٰہی، یہ سب تحریکیں پیغمبرِ اسلام (علیہ الصّلوٰۃ والسّلام) کے مخصوص مقام اور مرتبہ پر کسی نہ کسی طرح ضرب لگاتی تھیں۔

شیخ عبد الحق کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے اعلیٰ وارفع مقام کی پوری طرح وضاحت کر دی اور اس سلسلہ کی ہر ہر گمراہی پر شدت سے تنقید کی۔ [1]

یہ وہ دور تھا کہ علماء بدعتیوں کی سرپرستی کرتے تھے اور فسق و فجور کی حوصلہ افزائی

---

[1] خلیق احمد نظامی، پروفیسر: حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی، ص ۲۷۲

کرتے تھے۔ صوفیائے خام نے طریقت کو شریعت سے الگ کر کے تصوف کا حلیہ بگاڑ دیا تھا، ایسے علماء و مشائخ کی بیہودگیوں نے اکبر بادشاہ کو دین سے برگشتہ کر دیا تھا، ورنہ بقول شیخ محقق ایک وقت وہ تھا کہ،

"بادشاہ اتباعِ شریعت اور عبادت کا پابند تھا، مشائخ کا دادہ بہت عقیدت مند تھا، ایک وقت تک خطبہ بھی خود پڑھا کرتا تھا" [1]

پھر ایسا برگشتہ ہوا کہ دن بدن دین سے دُور ہوتا چلا گیا، بقول ملا عبدالقادر بدایونی ارکانِ دین اور اسلامی عقائد مثلاً نبوت، کلام، دیدارِ الٰہی وغیرہ کا تمسخر اڑایا جانے لگا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت پر صراحۃً اعتراضات کیے جانے لگے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ دیوان خانے میں اعلانیہ نماز ادا کرے۔ چار وقت سورج کی عبادت کی جاتی، ماتھے پر قشقہ لگایا جاتا، اسلامی تعلیمات کے خلاف کتے اور خنزیر کی نجاست کا حکم کالعدم قرار دے دیا گیا اور ان کی زیارت کو عبادت کا درجہ دے دیا گیا۔

ظاہر ہے ان حالات میں عقائد و اعمال کے ہر گوشے میں بگاڑ کا پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔ شیخ محقق نے دینی تعلیمات کو فروغ دے کر اس زہر کا تریاق فراہم کیا۔ شیخ نے اکبر کے انتقال پر نواب سید فرید مرتضیٰ خاں کے ذریعے جہانگیر کو تاریخی خط لکھا، جس کی ایک ایک سطر سے دین اور ملتِ اسلامیہ کا درد ٹپکتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اس خط میں شیخ محقق نے دُنیا کی بے ثباتی، عدل و انصاف کی اہمیت، مقامِ نبوت اور اتباعِ شریعت ایسے مسائل پر کھل کر گفتگو کی ہے تاکہ جہانگیر اپنے پیش رو کی گمراہیوں کا مرتکب نہ ہو، اس کے علاوہ شیخ نے اکبری دَور کے دیگر امراء سلطنت کو بھی خطوط لکھے اور امراء کی دینی غیرت کو جوش دلایا۔

[1] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: رسالہ ضرب الاقدام (مطبع نامی گرامی اسلامی)، ص ۴۷

امام ربانی مجدد الف ثانی اور حضرت شیخ محقق (رحمہما اللہ تعالیٰ) دونوں ہم عصر بھی ہیں اور پیر بھائی بھی، تجدیدِ اسلام، احیاءِ سُنّت اور اماتتِ بدعت کے سلسلے میں دونوں کا ہدف ایک ہے، البتہ طریقِ کار دونوں کا اپنا اپنا ہے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ دونوں نے ایک ہی بات کہی ہے، لیکن مختلف انداز میں، مجدد صاحب کے یہاں انقلابی جوش، سخت گیری اور "برہم زن" کے نعرے ہیں، تو شیخ محدث کے یہاں بھی ماحول سے سخت نفرت اور احیاءِ سُنّت کا غیر معمولی جذبہ ہے۔ مجدد صاحب کی طرح وہ ڈنکے کی چوٹ پر بات نہیں کہتے، لیکن کہتے وہی ہیں جو مجدد صاحب نے کہا ہے۔"[1]

دربارِ اکبری کے مشہور شاعر اور بے نقط تفسیر سواطع الالہام کے مصنف فیضی کے شیخ محقق سے گہرے تعلقات تھے۔ فیضی کے خطوط پڑھنے سے پتا چلتا ہے کہ اسے شیخ سے کتنی محبت و عقیدت تھی؟ شیخ اگر چاہتے تو فیضی اور ابوالفضل کے ذریعے دربارِ اکبری میں بڑے سے بڑا دُنیاوی اعزاز حاصل کر سکتے تھے، لیکن انھوں نے فقر و فاقہ اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کی اور اُن کے فقرِ غیور نے کسی طرح گوارا نہ کیا کہ عظمتِ اسلام پر حرف آئے۔ فیضی جیسا علامہ اور مخلص دوست جب صراطِ مستقیم سے بھٹک گیا، تو اُس کی فرمائش کے باوجود شیخ نے اس سے ملنا پسند نہ کیا۔

فہرس التوالیف میں شیخ محقق نے جس قدر تند و تیز تبصرہ فیضی کے بارے میں کیا ہے، کسی دوسرے معاصر کے بارے میں نہیں کیا۔ غیرتِ ایمانی کا لہو اُن کے قلم سے ٹپکتا ہوا محسوس ہوتا ہے، فرماتے ہیں:

---

[1] خلیق احمد نظامی، پروفیسر: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۳۰۲

"فیضی اگرچہ فصاحت و بلاغت اور کلام کی پختگی میں ممتازِ روزگار تھا، لیکن افسوس کہ اُس نے کفر اور گمراہی کے گڑھے میں گر کر بدبختی کا نشان اپنے حالات کی پیشانی پر لگالیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملت اور دین والوں کے لئے اس کا اور اس کی منحوس جماعت کا نام لینے سے بھی پرہیز ہے، اللہ تعالیٰ ان پر رجوع فرمائے، اگر وہ مومن ہیں۔" (ترجمہ) [1]

علمِ حدیث کی تشریح اور ترویج

علمِ حدیث شمالی ہند سے تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شیخ محقق نے علومِ دینیہ خصوصاً علمِ حدیث کی شمع روشن کی۔ اُنہوں نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کو ایک مشن کے طور پر اپنایا، تو ہندوستان کی فضائیں قال اللہ قال الرسول کی دل نواز صداؤں سے گونج اُٹھیں۔

حضرت شیخ محقق کی تصانیف کا ذکر اس سے پہلے کیا جا چکا ہے۔ ان کے خاندان کی حدیثی خدمات کا مختصر تذکرہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

حضرت شیخ نور الحق بن شیخ محقق (متوفی ۹ شوال ۱۰۷۳ھ) نے چھ جلدوں میں بخاری شریف کی شرح تیسیر القاری کے نام سے فارسی میں لکھی۔ انداز وہی ہے، جو شیخ محقق قدس سرہٗ کا اشعۃ اللمعات میں ہے۔ شرح شمائل ترمذی لکھی جس کا قلمی نسخہ رامپور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

شیخ نور الحق کے پوتے شیخ سیف اللہ بن شیخ نور اللہ نے شمائل ترمذی کی شرح اشرف الوسائل کے نام سے لکھی۔ شیخ نور الحق کے دوسرے پوتے شیخ

---

[1] خلیق احمد نظامی، پروفیسر: حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی، ص ۲۴۳

محب اللہ نے صحیح مسلم کی شرح منبع العلم کے نام سے لکھی۔ شیخ محب اللہ کے فرزند اکبر حافظ محمد فخر الدین نے حصن حصین کی شرح فارسی میں لکھی۔ حافظ محمد فخر الدین کے صاحبزادے شیخ الاسلام محمدؒ دہلی میں صدر الصدور کے عہدہ پر فائز رہے انہوں نے بخاری شریف کی شرح چھ جلدوں میں لکھی جو تیسیر القاری کے حاشیہ پر چھپی ہوئی ہے۔

شیخ الاسلام محمدؒ کے صاحبزادے شیخ سلام اللہ نے مؤطا امام مالک کی شرح، شرح محلی بحل اسرار المؤطا دو جلدوں میں لکھی۔ اس کے علاوہ شرح شمائل ترمذی لکھی۔ شیخ سلام اللہ کے صاحبزادے شیخ محمد سالم نے رسالہ نور الایمان اور رسالہ اصول الایمان لکھا۔[1]

غرض یہ کہ شیخ محقق اور ان کے خاندان نے علوم دینیہ اور حدیث شریف کی جو خدماتِ جلیلہ انجام دی ہیں، وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

حضرت شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی نے جس وقت مسندِ تدریس بچھائی اُس وقت شمالی ہندوستان میں حدیث کا علم تقریباً ختم ہو چکا تھا، انہوں نے اس تنگ و تاریک ماحول میں علومِ دینی کی ایسی شمع روشن کی کہ دُور دُور سے لوگ پروانوں کی طرح کھنچ کر ان کے گرد جمع ہونے لگے۔ درس حدیث کا ایک نیا سلسلہ شمالی ہندوستان میں جاری ہو گیا۔ علوم دینی خصوصاً حدیث کا مرکز ثقل، گجرات سے منتقل ہو کر دہلی آ گیا۔ گیارھویں صدی ہجری کے شروع سے تیرھویں صدی کے آخر تک علم حدیث پر جتنی کتابیں ہندوستان میں لکھی گئی ہیں، ان کا بیشتر حصہ دہلی یا شمالی ہندوستان میں لکھا گیا ہے۔

---

[1] خلیق احمد نظامی، پروفیسر: حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی، ص ۲۶۴ - ۲۵۸

یہ سب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا اثر تھا۔" [1]

حضرت شیخ محقق قدس سرہٗ کی دینی خدمات کے بارے میں چند تاثرات ملاحظہ ہوں،
حضرت علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی نے شیخ محقق کے تذکرے کا آغاز ان کلمات سے کیا ہے:

"وہ صوری اور معنوی کمال کے جامع اور جمالِ نبوی کے عاشقِ صادق تھے، اُنہیں شہرت کا عظیم حصہ ملا۔ مؤرخین میں سے کسی نے اجمالاً اور کسی نے تفصیلاً ان کا تذکرہ کیا ہے۔ دہلی میں واقع اُن کے مزار کے گنبد میں ایک پتھر پر اُن کے مختصر حالات فارسی میں لکھے گئے، مَیں اُن کا عربی میں ترجمہ کر رہا ہوں[2] (ترجمہ)

مولوی فقیر محمد جہلمی، علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"باون ۵۲ سال کی عمر میں ظاہر و باطن کی جمعیت سے مکنت (قدرت) حاصل کر کے تکمیل فرزندان و طالبان میں مشغول ہوئے اور نشرِ علوم خصوصاً علم شریف حدیث میں ایسی طرز سے جو ولایت عجم میں کسی کو علمائے متقدمین و متاخرین سے حاصل نہ ہوا تھا، ممتاز و منتشی ہوئے اور فنونِ علمیہ خصوصاً فنِ حدیث میں کتبِ معتبرہ تصنیف کیں، جن پر علمائے زمانہ فخر کرتے اور ان کو اپنا دستور العمل جانتے ہیں اور اہلِ دانش خواص و عوام دل و جان سے ان کے خریدار ہیں۔" [3]

غیر مقلد نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

"ہندوستان جب سے فتح ہوا، اس میں علمِ حدیث نہیں تھا، بلکہ کبریتِ احمر کی طرح کمیاب تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کے

---

[1] خلیق احمد نظامی، پروفیسر: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۳۰۴
[2] غلام علی آزاد بلگرامی، علامہ سید: سُبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان (طبع حیدرآباد دکن ۱۳۰۳ھ) ص ۵۲
[3] فقیر محمد جہلمی: حدائق الحنفیہ (مکتبہ حسن سہیل، لاہور، ص ۳۰۴

بعض علماء مثلاً شیخ عبدالحق ترک دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ اور اِن جیسے دوسرے علماء پر اس علم کا فیضان کیا، شیخ وہ پہلے عالم ہیں جو ہند میں علمِ حدیث لائے اور یہاں کے لوگوں کو بہترین انداز میں یہ علم سکھایا پھر یہ منصب اُن کے صاحبزادے شیخ نورالحق متوفی ۱۰۷۳ھ نے سنبھالا۔" [۱] (ترجمہ)

شیخ محقق قدس سرہٗ کی تصانیف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"شیخ کی تمام تصانیف علماء کے نزدیک مقبول اور محبوب ہیں، علماء انہیں شوق سے پڑھتے ہیں اور وہ واقعی اس لائق ہیں، ان کی عبارات میں قوت، فصاحت اور سلاست ہے، کان انہیں محبوب رکھتے ہیں اور دل لُطف اندوز ہوتے ہیں۔" (ترجمہ) [۲]

مولوی فقیر محمد جہلمی لکھتے ہیں:

"آپ کی فضیلت اور تنقیدِ حدیث میں کوئی موافق و مخالف شک نہیں کرسکتا، مگر وہ جس کو اللہ تعالیٰ انصاف سے اندھا کر دے یا تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھ دے، اعاذنا اللہ منہا [۳]

عقائد

اہلِ سُنّت و جماعت کے عقائد، کتبِ کلام مثلاً شرح عقائد، تمہید ابوشکور سالمی، المعتقد المنتقد اور تکمیل الایمان وغیرہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ دَورِ آخر میں کچھ

---

[۱] صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: الحطّہ (طبع لاہور) ص ۱۶۱–۱۶۰

[۲] ایضاً، ص ۲۱۴

[۳] فقیر محمد جہلمی، مولوی حدائق الحنفیہ، ص ۴۰۳

مسائل کو نزاعی بنادیا گیا ہے۔ ذیل میں ہم اس امر کا مختصر سا جائزہ لیتے ہیں کہ شیخ محقق نے ان مسائل کے بارے میں کیا کہا ہے؟ اختصار کے پیشِ نظر صرف ترجمہ پر اکتفاء کیا جا رہا ہے۔

شیخ محقق کو حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے گہری و الہانہ عقیدت و محبت تھی، جو ہر مسلمان کو ہونی چاہیے۔ مدینہ منورہ کے احترام کے پیشِ نظر وہاں ننگے پاؤں پھرتے تھے[1] سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے تو حضرت شیخ پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور اُن کا قلم حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے اپنی جولانیاں دکھاتا ہے۔

شیخ محقق قدس سرہٗ نے حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ایک نعت پیش کی تھی، اُس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ثنایش گو، ولے چوں نیست ایقائش زِ تو ممکن،
بایں یک بیت مدحش را علی الاجمال اکتفا کن

مخواں اُو را خدا از بہرِ شرع و حفظِ دیں،
دگر ہر وصف کش میخواہی اندر مدحش انشا کن

حنرامم در غم ہجر جمالت یا رسُول اللہ
جمالِ خود نما رحمے بجان زار شیدا کُن

جہاں تاریک شد از ظلم سِیہ کاراں
بیا و عالمے را روشن از نورِ تجلّیٰ کُن

○ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت کہو، لیکن چونکہ تم اس کا حق ادا نہیں کر سکتے، اس لئے یہ ایک شعر پڑھ کر آپ کی اجمالی تعریف پر اکتفاء کر و

---

[1] خلیق احمد نظامی، پروفیسر: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۱۱۲

- حکمِ شریعت اور دین کی حفاظت کے پیشِ نظر حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدا نہ کہو، اس کے علاوہ آپ کی تعریف میں جو وصف چاہو تحریر کردو۔
- یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں آپ کے جمالِ اقدس کے ہجر کے غم میں پریشان ہوں، اپنا دیدار عطا فرمائیں اور محبِ صادق کی جان پر رحم فرمائیں
- سیاہ کاروں کے ظلم سے دنیا تاریک ہوگئی ہے، آپ تشریف لائیں، اور نورِ تجلی سے جہان کو روشن فرمائیں۔

کہتے ہیں کہ جب شیخ تیسرے شعر پر پہنچے تو رقت طاری ہوگئی اور زار و قطار رونے لگے۔ خود شیخ محقق کا بیان ہے کہ انہیں چار مرتبہ خواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی ہے۔[1]

علمِ مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

حدیث شریف میں ہے: فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ اس کا ترجمہ اور شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"پس میں نے جان لیا، وہ کچھ جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام جزئی اور کلی علوم اور ان کا احاطہ حاصل ہوگیا"۔[2]

مدارج النبوۃ کے خطبہ میں فرماتے ہیں:

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ذاتِ الٰہی کی تمام شانوں، اللہ تعالیٰ کی صفات کے احکام، افعال و آثار کے اسمار کے جاننے والے اور تمام

---

[1] خلیق احمد نظامی، پروفیسر: حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی، ص ۱۱۸ - ۱۱۶

[2] عبد الحق محدث دہلوی، شیخ محقق: اشعۃ اللمعات فارسی (مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر) ج ۱، ص ۳۳۳

ظاہر و باطن اور اوّل و آخر علوم کا احاطہ کئے ہوئے ہیں اور فَوقَ کُلِّ ذِی عِلمٍ عَلِیم کا مصداق ہوتے ہیں۔'' لہ

ایک دُوسری جگہ فرماتے ہیں :

''حضرت آدم علیہ السّلام کے زمانے سے لے کر پہلی دفعہ صور پھونکے تک جو کچھ دُنیا میں ہے حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم پر منکشف کر دیا گیا، یہاں تک کہ اوّل سے آخر تک تمام احوال آپ کو معلوم ہو گئے۔ آپ نے بعض احوال کی خبر، صحابہ کرام کو بھی دی۔'' ۲ہ

ان تصریحات سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت شیخ محقق کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر قیامِ قیامت تک کے تمام احوال اور ذاتِ باری تعالیٰ کی شیون اور صفات کا علم عطا فرمایا۔ اسی وسیع ترین علم کو علم مَا کَانَ وَمَا یَکُوْن کہا جاتا ہے۔

اختیار و تصرف

مُسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا: سَل (مانگو)

حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی شرح میں اللہ تعالیٰ کے خلیفۂ اعظم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی قدرت اور اختیارات بیان کرتے ہوئے سماں باندھ دیا ہے:

''مطلقاً فرمایا مانگو، کسی خاص مطلوب کی تخصیص نہیں فرمائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام معاملہ آپ کے دستِ اقدس میں ہے، جو چاہیں،

لہ عبدالحق محدّث دہلوی، شیخ محقق: مدارج النبوۃ فارسی (مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر) ج ۱، ص ۲

۲ہ ایضاً، ص ۱۴۴

جسے چاہیں، اپنے پروردگار کی اجازت سے دے دیں۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا
وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

دُنیا و آخرت آپ کی بخشش کا ایک حصّہ ہیں اور لوح و قلم کا علم آپ کے علم کا بعض ہے۔

اگر خیریتِ دُنیا و عقبیٰ، آرزو داری
بدرگاہش بیا دہر چہ می خواہی تمنا کن

اگر تو دُنیا و آخرت کی خیریت کی آرزو رکھتا ہے، تو اُن کے دربار میں آ، اور جو چاہتا ہے آرزو کر۔" [1]

ایک دُوسری جگہ فرماتے ہیں:

جن و انس کے تمام ملک اور ملکوت اور تمام جہان، اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور تصرف سے نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے احاطۂ قدرت و تصرف میں تھے۔ [2]

حاضر و ناظر

حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم روضہ مقدسہ میں تشریف فرما بعطاءِ الٰہی تمام جہان کا مشاہدہ فرما رہے ہیں، جہاں چاہیں تشریف لے جا سکتے ہیں — اسی مطلب کو حاضر و ناظر کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ محقق قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

---

[1] عبد الحق محدث دہلوی، شیخ محقق: اشعۃ اللمعات فارسی، ج ۱، ص ۳۹۶

[2] ایضاً: ص ۴۳۲

"اس کے بعد اگر یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسدِ اقدس کو ایسی حالت اور قدرت بخشی ہے کہ آپ جس جگہ چاہیں بعینہٖ اُس جسم مبارک کے ساتھ یا جسم مثالی کے ذریعے تشریف لے جائیں خواہ آسمان پر یا زمین پر، اسی طرح قبر میں یا قبر کے علاوہ، اس کا احتمال ہے، جبکہ ہر حال میں روضۂ مبارکہ کے ساتھ خاص نسبت برقرار رہتی ہے۔" [1]

سلوک اقرب السبل میں فرماتے ہیں:

علمائے اُمت کے کثیر مذاہب اور اختلافات کے باوجود کسی ایک شخص کا اس مسئلے میں اختلاف نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تاویل اور مجاز کے شائبہ کے بغیر حقیقتِ حیات سے دائم و باقی ہیں اور اعمالِ اُمت پر حاضر و ناظر، طالبانِ حقیقت اور بارگاہِ رسالت کی طرف متوجہ ہونے والوں کے لئے فیض رساں اور مُربی ہیں۔ [2]

اس کے علاوہ مدارج النبوۃ فارسی جلد ا ص ۱۲۱ اور اشعۃ اللمعات فارسی جلد ا ص ۱۰۴ پر بھی یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔

جسم بے سایہ

شیخ محقق، مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں:

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا، کیونکہ زمین جائے کثافت اور نجاست ہے، دھوپ میں بھی آپ کا سایہ نہیں دیکھا

---

[1] عبد الحق محدث دہلوی، شیخ محقق: اشعۃ اللمعات، ج ۲، ص ۲۵۰

[2] ایضاً: سلوک اقرب السبل بالتوجہ الی سید الرسل (بر اخبار الاخیار) ص ۱۵۵

گیا، اسی طرح علماء نے بیان کیا ہے، تعجب ہے کہ ان بزرگوں نے چراغ کی روشنی میں سایہ نہ ہونے کا ذکر نہ کیا . . . . . . چونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عین نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔“ [1]

دیدارِ الٰہی

اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں،

”مختار یہ ہے کہ دُنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے، لیکن بالاتفاق واقع نہیں ہے، ہاں حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے شبِ معراج واقع ہے۔“ [2]

حیات انبیاء کرام واولیاء عظام

مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں:

”انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات، علماء ملت کے درمیان متفق علیہ ہے اور کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ وہ زندگی، شہداء اور فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کی زندگی سے کامل تر اور قوی تر ہے، ان کی زندگی معنوی اور اُخروی ہے اور انبیاء کرام کی حِسّی اور دُنیاوی ہے اس بارے میں احادیث اور آثار واقع ہیں۔“ [3]

نیز ملاحظہ ہو اشعۃ اللمعات فارسی، ج ۱، ص ۴۷۵

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق، مدارج النبوۃ فارسی، ج ۱، ص ۱۱۸

[2] ایضاً، اشعۃ اللمعات فارسی ج ۴ ص ۴۲۴

[3] ایضاً، مدارج النبوۃ فارسی، ج ۲، ص ۴۴۷

اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں؛

"انبیاء کرام حیاتِ حقیقی دُنیاوی سے زندہ ہیں اور اولیائے کرام حیاتِ اُخروی معنوی سے۔" [1]

جذب القلوب میں فرماتے ہیں؛

"بعض مشائخ نے کہا کہ میں نے چار اولیاء کرام کو پایا، وہ قبروں میں اسی طرح تصرف کرتے ہیں، جس طرح ظاہری حیات میں کرتے تھے، یا اس سے زیادہ۔" [2]

سماعِ موتیٰ

جذب القلوب میں فرماتے ہیں؛

"تمام اہل سُنّت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام اموات کے لئے جاننے اور سُننے والے ادراکات ثابت ہیں۔" [3]

زیارتِ قبور

"تمام مومنوں کی قبروں اور اُن کی رُوحوں کے درمیان ایک دائمی نسبت ہے جس کی بناء پر وہ زیارت کرنے والوں کو پہچانتے ہیں اور انہیں سلام کہتے ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ زیارت تمام اوقات میں مُستحب ہے" [4]

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق، اشعۃ اللمعات ج ۳ ، ص ۴۰۲

[2] ایضاً، جذب القلوب فارسی (طبع نولکشور لکھنو) ص ۲۱۳

[3] ایضاً، ص ۲ - ۲۰۱

[4] ایضاً، ص ۲۰۶

زیارتِ روضۂ انور

جذب القلوب میں فرماتے ہیں،

"حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت، افضل سُنتوں اور مؤکد مستحبات میں سے ہے۔ اس پر علمائے دین کا قولی اور فعلی اجماع ہے۔" [1]

توسّل اور استعانت

جذب القلوب میں فرماتے ہیں،

"حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دُعا مانگتے ہوئے کہا: تیرے نبی کے طفیل اور ان انبیاء کرام کے طفیل جو مجھ سے پہلے ہوئے، اس حدیث سے وصال سے پہلے اور اُس کے بعد دونوں حالتوں میں توسّل ثابت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات مبارکہ میں اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد جب دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے وصال کے بعد توسّل جائز ہے، تو سید الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے بطریقِ اولیٰ جائز ہوگا، بلکہ اس حدیث کی بناء پر بعد از وصال اولیاء کرام سے توسّل کا قیاس کریں تو بعید نہیں ہے، ہاں اگر حضور سید الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت پر دلیل قائم ہو جائے تو قیاس درست نہ ہوگا، مگر دلیل کہاں؟" [2]

---

[1] عبد الحق محدث دہلوی، شیخ محقق: جذب القلوب (فارسی) ص ۲۱۰

[2] ایضاً، ص ۲۲۱

اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

"امام غزالی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ زندگی میں جس ہستی سے مدد طلب کی جاتی ہے، ان کے وصال کے بعد بھی ان سے مدد طلب کی جائے گی" [۱]

اشعۃ اللمعات فارسی جلد سوم میں تفصیلی گفتگو کے بعد فرماتے ہیں:

"منکرین کی خواہش کے برعکس اس جگہ کلام طویل ہو گیا، کیونکہ ہمارے زمانے کے قریب ایک فرقہ پیدا ہو گیا ہے، جو اولیاء اللہ سے استمداد کا منکر ہے اور ان کی طرف توجہ کرنے والوں کو مشرک اور بت پرست قرار قرار دیتا ہے اور جو منہ میں آتا ہے کہہ دیتا ہے۔" [۲]

شفاعت

ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر فاسقوں اور گناہ گاروں نے دنیا میں اہل طاعت و تقویٰ کی کوئی امداد اور خدمت کی ہوگی، تو آخرت میں اس کا نتیجہ پائیں گے اور ان کی شفاعت اور امداد سے جنت میں جائیں گے" [۳]

امام ابن ماجہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے: انبیاء، پھر علماء، پھر شہداء، اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

"ان تین گروہوں کی شفاعت کی تخصیص ان کی فضیلت و کرامت کی زیادتی کی بنا پر ہے، ورنہ تمام اہل خیر مسلمانوں کے لئے شفاعت ثابت ہے۔

---

[۱] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: اشعۃ اللمعات فارسی، ج ۱، ص ۱۵،

[۲] ایضاً: ج ۲، ص ۴۰۲

[۳] ایضاً: ج ۴، ص ۴۰۵

اس سلسلے میں مشہور حدیثیں وارد ہیں، خواہ گناہوں کی بخشش کے لئے ہو یا درجات کی بلندی کے لئے" اور شفاعت کا انکار بدعت اور گمراہی ہے جیسے کہ خوارج اور بعض معتزلہ کا مذہب ہے۔ [1]

محفل میلاد

مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں:

ابولہب نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پر خوشی اور مسرت کا اظہار کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کی بدولت اس کے عذاب میں تخفیف فرمادی اور سوموار کے دن اس سے عذاب اٹھالیا، جیسے کہ احادیث میں آیا ہے۔ اس جگہ میلاد منانے والوں کے لئے دلیل ہے جو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی رات خوشی مناتے ہیں اور مال خرچ کرتے ہیں۔ ابولہب جو کافر تھا اور اس کی مذمت قرآن پاک میں نازل ہوئی اسے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باکرامت پر خوشی منانے اور اپنی کنیز کا دودھ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے صرف کرنے پر جزا دی گئی۔ مسلمان جو محبت اور سرور سے مالامال ہے اور اس سلسلے میں مال خرچ کرتا ہے، اس کا کیا حال ہوگا؟ لیکن یہ ضروری ہے کہ عوام کی پیدا کردہ بدعتوں مثلاً گانے، حرام آلات کے استعمال اور منکرات سے خالی ہو، تاکہ طریقۂ اتباع محرومیت کا سبب نہ ہو۔" [2]

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق، اشعۃ اللمعات، ج ۴، ص ۴۰۸

[2] ایضاً، مدارج النبوۃ فارسی، ج ۲، ص ۱۹

ایصالِ ثواب

تکمیل الایمان میں فرماتے ہیں:

"مُردوں کے لیے زندوں کی دُعاؤں اور بہ نیتِ ثواب صدقہ دینے میں اہلِ قبور کے لئے عظیم نفع ہے، اس سلسلے میں بہت سی حدیثیں اور آثار وارد ہیں، نماز جنازہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔" [1]

اس کے علاوہ اشعۃ اللمعات، ج ۱، ص ۹۷، مُلاحظہ ہو:

عُرس

ماثبت بالسُّنّۃ میں فرماتے ہیں:

"مغرب کے بعض متاخرین مشائخ نے فرمایا کہ جس دن اولیا کرام بارگاہِ عزت اور مقاماتِ قُدس میں پہنچتے ہیں، اس دن باقی دنوں کی نسبت زیادہ خیر و برکت اور نورانیت کی اُمید کی جاتی ہے اور یہ ان اُمور میں سے ہے جنہیں علمائے متاخرین نے مستحسن قرار دیا ہے۔" [2]

مزارات پر گنبد اور عمارت بنانا

شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"آخرِ زمانہ میں چونکہ عوام کی نظر ظاہر تک محدود ہے، اس لئے مشائخ اور اولیاء کے مزارات پر عمارت بنانے میں مصلحت کو دیکھتے ہوئے

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: تکمیل الایمان فارسی (طبع لکھنؤ) ص ۷۶-۷۷

[2] ایضاً، ماثبت بالسُّنّۃ (عربی، اردو، طبع لاہور) ص ۲۲۴

کچھ چیزوں کا اضافہ کیا تاکہ وہاں اسلام اور اولیائے کرام کی ہیبت و شوکت ظاہر ہو، خصوصاً ہندوستان میں جہاں دشمنانِ دین ہنود اور دوسرے کافر بہت سے ہیں، ان مقامات کی شان و شوکت سے وہ لوگ مرعوب اور مطیع ہوں گے۔ بہت سے اعمال، افعال اور طریقے ایسے ہیں، جو سلف صالحین کے زمانے میں ناپسند کیے جاتے تھے اور بعد کے زمانوں میں پسندیدہ قرار دیئے گئے۔" [۱]

قادریت

حضرت شیخ محقق قدس سرہ العزیز کو اگرچہ دوسرے سلاسل میں بھی بیعت و خلافت حاصل تھی، لیکن ان پر نسبتِ قادریت کا اس قدر غلبہ تھا کہ وہ حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی نسبت ہی کو اپنے لئے طرۂ امتیاز قرار دیتے تھے۔ فتوح الغیب کی فارسی میں شرح لکھی تو احتراماً اس کی ابتدا میں اپنا نام نہیں لکھا، اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"اس حقیر کے نام کے ذکر کی کیا حیثیت اور مجال ہے؟ کہ اس جگہ ذکر کیا جا سکے۔" [۲]

اخبار الاخیار میں متعدد ہندوستان کے مشائخ کرام کا تذکرہ ہے، لیکن شیخ محقق قدس سرہ کا حسنِ عقیدت دیکھئے کہ انہوں نے سب سے پہلے سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ کیا ہے۔

---

[۱] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق، شرح سفر السعادۃ فارسی (مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر) ص ۱۲۴

[۲] ایضاً، شرح فتوح الغیب فارسی (طبع لکھنؤ) ص ۴۲۴

مسلک

حضرت شیخ محقق مسلکِ اہل سُنت و جماعت کے امام ہیں، اُن کے عقائد کا مختصر جائزہ گزشتہ صفحات میں پیش کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ کے عقائد اور معمولات وہی ہیں، جو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ۔ مسلک امام ربانی، طبع لاہور، از مولانا محمد سعید احمد نقشبندی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، یہی عقائد و معمولات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ملتے ہیں۔ القول الجلی کی بازیافت از حکیم سید محمود احمد برکاتی میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ مقالہ رضا اکیڈمی، لاہور نے طبع کیا۔

علماء دیوبند اگرچہ شیخ محقق کا نام احترام سے لیتے ہیں تاہم وہ اپنے مکتب فکر کا تعلق، ان سے قائم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

مولوی انور شاہ کشمیری کے صاحبزادے مولوی انظر شاہ کشمیری اُستاذ تفسیر، دارالعلوم دیوبند کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو، جس میں وہ خاموشی کی زبان میں بہت کچھ کہہ گئے ہیں:

"ایک عرصہ تک میرا خیال یہ رہا کہ دیوبند کو اپنا تعلق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے کیوں نہ قائم کرنا چاہیئے، غالباً ہندوستان میں اپنی مخصوص نوعیت کے اعتبار سے حدیث کے سلسلہ میں ان کی خدمات کچھ کم وقیع نہیں، شروح حدیث میں شاہ صاحب مرحوم کے قلم سے جو کچھ جواہر پارے تیار ہوئے ہیں، اُنہیں تو جانے دیجئے، اُن کے صاحبزادہ شیخ نورالحق کی شرح بخاری بھی ایک زمانہ میں معروف و متداول رہی۔ اس خانوادہ کی خدمات علماء ولی اللّٰہی کے کنبہ کی طرح

اگرچہ جلیل و وقیع نہیں[1]، تاہم حدیث و قرآن سے ہند کو واقف کرنے میں شیخ عبدالحق مرحوم کا بھی بہرحال حصہ ہے۔

پھر یہ رائے بھی بدل گئی، اوّل تو اس وجہ سے کہ شیخ مرحوم تک ہماری سند ہی نہیں پہنچتی۔ نیز حضرت شیخ عبدالحق کا فکر کلیتہً دیوبندیت سے جوڑ بھی نہیں کھاتا۔ غالباً میری بات بہتوں کو چونکا دینے والی ہو، مگر اس موقع پر میں ایک جلیل اور صاحب نظر عالم کی رائے میں اپنے لئے پناہ ڈھونڈتا ہوں۔ سُنا ہے کہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری مرحوم فرماتے تھے کہ "شامی اور شیخ عبدالحق پر بعض مسائل میں بدعت و سنت کا فرق واضح نہیں ہو سکا" بس اسی اجمال میں ہزارہا تفصیلات ہیں، جنہیں شیخ کی تالیفات کا مطالعہ کرنے والے خوب سمجھیں گے۔" [2]

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم شریف کی وسعت کی نفی کرنے کے لئے حضرت شیخ محقق قدس سرہٗ کا نام ناجائز طور پر استعمال کیا گیا۔

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی لکھتے ہیں:

"اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھکو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔" [3]

حالانکہ شیخ محقق نے تصریح کی ہے کہ

"ایں سخن اصلے ندارد و روایت بداں صحیح نشدہ" [4]

---

[1] چاند کے چہرے پر گرد و غبار ڈالنے والی بات ہے۔ (شرف قادری)

[2] انور شاہ کشمیری، مولوی: فٹ نوٹ ماہنامہ البلاغ (شمارہ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ) ص ۴۹

[3] خلیل احمد انبیٹھوی، مولوی: براہین قاطعہ (کتب خانہ امدادیہ دیوبند) ص ۵۵

[4] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: مدارج النبوۃ فارسی (سکھر) ج ۱، ص ۷

(ترجمہ) "اُس بات کی کوئی بنیاد نہیں ہے اور اس کی روایت بھی صحیح نہیں ہے۔"

علاوہ ازیں حضرت شیخ نے یہ بات بطورِ حکایت نقل کی ہے، روایت ہرگز نہیں کی۔ حکایت و روایت میں زمین و آسمان کا فرق ہے، جیسے کہ اہلِ علم پر مخفی نہیں۔

بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ بریلی، بدایوں، خیرآباد اور رامپور کے علماء یعنی علماء اہلِ سُنّت ہی حضرت شیخ محقق کے جانشین اور اُن کے مسلک کے امین ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ ایک جگہ چند اکابر ملتِ اسلامیہ کا ذکر کرنے کے بعد ان الفاظ میں شیخ محقق کا ذکر کرتے ہیں:

"شیخ شیوخ علماء الہند، محقق فقیہ، عارفِ نبیہ مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم کبرائے ملت وعظمائے اُمت قَدَّسَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی بِاَسْرَارِھِمْ وَاَفَاضَ عَلَیْنَا مِنْ بَرَکَاتِھِمْ وَاَنْوَارِھِمْ"[1]

اللہ تعالیٰ شیخ الاسلام، امامِ اہلِ سُنّت، حضرت شیخ محقق، شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کی تربتِ انور پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے، اُن کی اولاد امجاد اور تمام اہلِ سُنّت وجماعت کو اُن کے علمی ورثے کی حفاظت، اور اشاعت کی توفیق عطا فرمائے اور اُن کی تصانیف مبارکہ کے ذریعے احناف کے باہمی اختلاف کا خاتمہ فرمائے۔ آمین بحرمت سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم۔

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام، مجموعہ رسائل حصہ دوم (مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی) ص ۱۰۹

تحصیل التعرف

شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے دور کی نابغۂ روزگار شخصیت تھے، انہوں نے صرف علوم دینیہ پڑھے ہی نہیں تھے، بلکہ باکمال مشائخ کی خدمت میں رہ کر ان پر عمل پیرا ہونے کی تربیت بھی حاصل کی تھی۔ وہ شریعت و طریقت کے جامع، دریائے علم و معرفت کے شناور، اور اخلاص و تقویٰ کے پیکر تھے، اُن کی ہر تحریر منتخب اور دینِ متین کی صحیح ترجمان ہے۔ درج ذیل سطور میں ان کی مایہ ناز کتاب تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

حضرت شیخ محقق قدس سرہ نے اس کتاب کو دو حصوں پر تقسیم کیا ہے:

پہلی قسم

اِس قسم میں تصوف کی تعریف، اس کی اہمیت، اور اس کا اشتقاق بیان کرنے کے بعد اس غلط خیال کی تردید کی ہے کہ صوفیہ کا وجود اسلام کے دورِ اوّل میں نہیں تھا بلکہ یہ فرقہ بعد کے زمانے کی پیداوار ہے، اِس سلسلہ میں انہوں نے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ:

> "ہمارے طریقے کی بنیاد کتاب و سنت پر ہے اور ہر وہ طریق، جو کتاب و سُنت کے خلاف ہو، باطل اور مردود ہے۔"

اُن کا یہ فرمان بھی نقل کیا ہے:

> "جس شخص نے حدیث نہیں سُنی اور فقہاء کے پاس نہیں بیٹھا اور باادب حضرات سے ادب نہیں سیکھا، وہ اپنے پیروکاروں کو بگاڑ دے گا۔"

اس کے بعد حضرت شیخ محقق نے شارح بخاری سیدی احمد زروق رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب قواعد الطریقۃ فی الجمع بین الشریعۃ والحقیقۃ سے اٹھائیس قواعد نقل کرکے ان کی شرح کی ہے۔ یہ کتاب دراصل ایک عارف باللہ تعالیٰ کی علماء ظاہر اور صوفیہ کے درمیان مفاہمت کی بہترین کوشش ہے اور دونوں فریقوں کے درمیان میانہ روی کا راستہ تجویز کیا ہے۔

صوفیہ کرام کے ماننے والوں کی تعداد اگرچہ ہر دور میں بڑی کثرت کے ساتھ پائی گئی ہے، تاہم ان کے ناقدین اور ان پر اعتراض کرنے والے بھی ہر دور میں پائے گئے۔ دور قدیم میں صوفیہ پر کڑی تنقید کرنے والوں کے سرخیل مشہور نقاد اور محدث علامہ ابن جوزی ہوئے ہیں۔ حضرت شیخ زروق قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ان حضرات کی تصانیف سے بھی فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے، لیکن اس کے لئے تین شرطیں ہیں:

۱- اعتراض کرنے والوں کی نیک نیتی پر شبہہ نہ کیا جائے۔
۲- جن حضرات پر اعتراض کیا گیا ہے، ان کا عذر تسلیم کیا جائے یا تاویل کی جائے۔
۳- پڑھنے والا اپنی سوچ اپنی حد تک محدود رکھے۔

اگر ان شرائط کو ملحوظ رکھا جائے، تو انسان غلطی کے مقامات سے محفوظ رہ سکتا ہے اور علیٰ وجہ البصیرۃ اپنے لئے راستہ متعین کر سکتا ہے۔

حضرت شیخ نے منکرین کے انکار کی وجوہ بھی بیان کی ہیں اور ان کتابوں کی نشان دہی بھی کی ہے، جن کے مطالعہ سے مخلص علماء نے منع کیا ہے، اس کے باوجود وہ تصوف کی اہمیت کا انکار نہیں کرتے، بلکہ تصوف کو فقہ سے اہم قرار دیتے ہیں، اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تصوف بغیر فقہ کے صحیح نہیں ہے تصوف کا حاصل یہ ہے کہ انسان اپنا تعلق خالق اور مخلوق سے درست رکھے

اور دونوں کے حقوق ادا کرے، جسے ضروری احکام شرعیہ فقہیہ کا علم ہی نہیں ہے، وہ شیطان کا کھلونا تو بن سکتا ہے، اس راستے کا راہی نہیں ہو سکتا۔

حضرت سیدی شیخ زروق رحمہ اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کے اس خیال کا بھی رد کیا ہے کہ صوفی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، یعنی وہ غیر مقلد ہوتا ہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ اکابر صوفیہ کرام کسی نہ کسی امام مجتہد کے پیروکار تھے، لیکن وہ ایسے طریقے کو ترجیح دیتے تھے، جس میں دل کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضوری میسر ہو۔

حضرت شیخ نے سماع کے بارے میں بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے — حضرت شیخ محقق قدس سرہٗ فرماتے ہیں؛

"اختلاف کا خلاصہ یہ ہے کہ اس جگہ تین قول ہیں،

۱۔ فقہاء کے مذہب پر راجح قول یہ ہے کہ حرام ہے۔

۲۔ محدثین کے نزدیک مباح ہے۔

۳۔ صوفیہ کے مسلک کے مطابق تفصیل ہے جیسے کہ مشہور مقولہ ہے کہ سماع اس کے اہل کے لئے مباح ہے۔

حضرت شیخ زروق قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ بحالت ضرورت سماع جائز ہے، مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد قاعدہ ۱۸ میں فرماتے ہیں:

"یہ سب اُس وقت ہے، جب آلات کے بغیر ہو، ورنہ عنبری اور ابراہیم بن سعد کے علاوہ سب اس کی حرمت پر متفق ہیں۔"

سماع ضرورت کے وقت، شرائط کی رعایت کے ساتھ جائز ہے، تاہم اس سے خرابیاں پیدا ہونے کا خطرہ ہے، جیسے وہ محفل ذکر مفاسد سے خالی نہیں، جس میں مرد اور عورتیں، فاسق اور اہل غفلت موجود ہوں، اس لئے حضرت شیخ زروق رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں اہل علم کے دو موقف ہیں:

۱- جو حضرات برائی کے راستوں کے بند کرنے کے قائل ہیں، وہ سماع سے بالکل منع کرتے ہیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ سماع کسی ممنوع اور مکروہ تک پہنچا دے۔
۲- جو حضرات برائی کے راستوں کو بند کرنے کی طرف توجہ نہیں دیتے، وہ اسی صورت سے منع کرتے ہیں، جہاں باطل اور ناجائز پایا جائے۔

پھر فرماتے ہیں کہ پہلا قول زیادہ محتاط، محکم اور زیادہ سلامتی والا ہے۔ (قاعدہ ۲۱) قاعدہ ۲۲ میں وہ ضرورتیں بیان کی ہیں، جو سماع کی طرف داعی ہیں۔

قاعدہ ۲۳ میں سماع کے قائلین کی بیان کردہ تین شرائط بیان کی ہیں:
۱- وقت موزوں ہو، جگہ مناسب ہو اور ساتھی ہم خیال ہوں۔
۲- فراغت ہو یعنی شرعی اور عادی اعتبار سے کوئی زیادہ اہم امر درپیش نہ ہو۔
۳- سینہ نفسانی خواہشات سے پاک ہو۔

ذکر اور سماع کی محافل میں بعض اوقات حاضرین میں سے کسی پر ایک خاص حالت طاری ہو جاتی ہے، جس کی بنا پر وہ حرکت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، اس کے بارے میں شیخ فرماتے ہیں:

"صرف اس وقت حرکت کرے، جب حال کا غلبہ ہو۔ (قاعدہ ۲۳)
اگر اس شخص پر حال کا غلبہ نہ ہو اور اس کے باوجود وہ حرکت کرے تو دیکھنے والا تین حال سے خالی نہیں ہوگا، اس سے کم درجہ ہے تو خاموش رہے، اس سے بلند مرتبہ ہو تو اسے منع کرے اور اگر اس کا ہم مرتبہ ہو تو اسے تنبیہ کرے۔

قاعدہ ۲۴ میں حضرت شیخ زروق رحمہ اللہ تعالیٰ نے وجد کے احکام بیان کئے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصوف کی مشہور اور بنیادی کتاب التعرف کے حوالے سے کئی تعریفیں نقل کی ہیں۔ حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمہ اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں:

"وجد شوق کا وہ شعلہ ہے جو انسان کے سر پر ظاہر ہوتا ہے، تو اس حالت کے وارد ہونے پر اعضاء میں خوشی یا غم کی وجہ سے اضطراب ظاہر ہو جاتا ہے۔"

حضرت شیخ محقق قدس سرہ فرماتے ہیں:

"مشائخ نے فرمایا کہ وجد جلد زائل ہو جاتا ہے، محبت کی گرمی برقرار رہتی ہے اور زائل نہیں ہوتی۔"

بعض مشائخ نے فرمایا، وجد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقام مشاہدہ کی طرف ترقی کی بشارتوں کا نام ہے۔ (شرح قاعدہ ۲۴)

شیخ زروق رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر حالتِ وجد میں انسان کا اختیار اور ضبط ہاتھ سے جاتا رہے اور یہ حالت تکلف کے بغیر پائی جائے، تو اس شخص کا حکم وہی ہے جو مجنون کا ہے۔ اس حالت میں اگر فرض ادا کرنے سے رہ گیا تو اس کی قضا لازم ہے، کیونکہ یہ حالت اگرچہ غیر اختیاری ہے، لیکن اس کا سبب (سماع، ذکر وغیرہ) اُس نے اپنے اختیار سے اپنایا ہے۔ اس حالت میں اگر اس سے کوئی غیر مشروع فعل سرزد ہو جائے، تو وہ لائق اتباع نہیں۔ اس سلسلے میں چند بزرگوں کے واقعات پیش کیے ہیں، مثلاً حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی گردن جلاد کے سامنے پیش کر دی۔ حضرت ابوحمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ حج کے لیے جاتے ہوئے کنوئیں میں گر گئے۔ انہوں نے امداد کے لیے کسی مخلوق کو نہیں پکارا۔ شیخ شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خاص حالت میں اپنی داڑھی صاف کر دی، مال دریا میں پھینک دیا۔

حضرت شیخ زروق رحمہ اللہ تعالیٰ نے قاعدہ ۲۵ میں وجد کی تین قسمیں اور اُن کی علامات بیان کی ہیں:

۱۔ وجد کے دوران ایسا مطلب محسوس ہو جو علم، عمل یا حال کا فائدہ دے اور استراحت کی حاجت محسوس ہو تو یہ وجد حقیقی اور معنوی ہے۔

۲۔ صاحب وجد کی توجہ، خوش آوازی اور اشعار کی موزونیت کی طرف ہو، اس کے ساتھ نفس میں گرمی اور اضطراب محسوس کرے، تو یہ وجد طبعی ہے۔

۳۔ صرف حرکت اس کے پیش نظر ہو اور اس کے بعد بے چینی پیدا ہو اور جسم میں سخت گرمی محسوس ہو تو یہ وجد شیطانی ہے۔

قاعدہ ۲۶ میں فرماتے ہیں کہ اموال اور عزتوں کی طرح عقلوں کی حفاظت بھی واجب ہے، لہٰذا جس شخص کو یہ معلوم ہو کہ میری عقل سماع سے مغلوب ہو جائے گی، اس کے لئے سماع بالاتفاق ممنوع ہے۔ کپڑوں کا پھاڑنا بھی جائز نہیں کہ یہ مال کو ضائع کرنا ہے۔ (ظاہر ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے، جب قصداً کپڑے پھاڑے

قاعدہ ۲۷ میں فرماتے ہیں کہ عاشقانہ اور فصیح اشعار کا پڑھنا، اشعار کا بلند آواز سے پڑھنا، منظوم کلام سن کر طبیعت میں میلان کا پیدا ہونا، مشاہدے کے حصول سے بعید ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا جلال، نفس کے قائم ہونے سے مانع ہے، اشعار نفس کی پسندیدہ اور قابل ستائش چیزوں میں شامل ہیں۔ جس شخص کے دل پر حق کا نور جلوہ گر ہو، اس میں غیر کا حصہ باقی نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر صحابہ کرام اور محققین صوفیہ نے شعر و شاعری میں زیادہ دلچسپی نہیں لی۔

وجد کا تذکرہ آ گیا ہے، تو بعض اکابر محققین کے ارشادات بھی ملاحظہ فرمائیں:

یعض سعادت مندوں کو ذکر اور سماع کی مجلس میں حالتِ وجد و جذب طاری ہو جاتی ہے۔ لغت میں وجد کا معنی ہے پا لینا، صوفیہ کرام کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہونے والے انوار و تجلیات اور کیفیاتِ روحانیہ کا پا لینا مراد ہے۔ جذب کا لغوی معنی کھینچنا ہے۔ صوفیہ کرام کی اصطلاح میں جذب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

کی محبت کا اس قدر غلبہ ہو جائے کہ توجہ تمام ماسوی اللہ تعالیٰ سے ہٹ جائے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"جذب یہ ہے کہ آدمی کو اپنے خیال کا اس قدر مغلوب بنالیں کہ نفسانی خواہشات تو کجا وہ خود اپنے آپ سے بے خبر ہو جائے جیسے کہ ایک معمولی نوکر، بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو تو بادشاہ کی عظمت و شوکت کو دیکھ کر اپنے آپ اور تمام لذتوں سے غافل ہو جائے اس صورت میں خود بخود قضائے الٰہی پر رضا حاصل ہو جاتی ہے" (ترجمہ)

(تفسیر عزیزی فارسی (طبع دہلی)، ج ۱ ص ۵۶۸)

وجد و جذب کی کیفیت تین حال سے خالی نہیں:

۱- کسی شخص پر اللہ تعالیٰ کی محبت کا غلبہ حقیقۃً طاری ہو جائے، اس بناء پر اس سے مختلف حرکات صادر ہوں، مثلاً اُٹھ کر کھڑا ہو جائے یا گر کر تڑپنے لگے، تو وہ شخص بلاشبہ مبارک اور مسعود ہے۔

۲- ایک شخص پر وہ حقیقی کیفیت تو طاری نہیں ہوتی، لیکن وہ اہل اللہ اصحاب وجد کی مشابہت کے ارادے سے وہی انداز اختیار کرتا ہے، اسے تواجُد کہتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے۔

۳- لوگوں کے سامنے اپنے قصد اور اختیار سے اصحابِ وجد جیسی حرکتیں اس نیت سے کرتا ہے کہ دیکھنے والے اُسے اولیاء اللہ میں سے جانیں اور اُس کے عقیدت مند بنیں، تو یہ ریاکاری حرام اور شرکِ خفی ہے۔

علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"تواجُد یہ ہے ایک شخص کو حقیقۃً وجد حاصل نہ ہو لیکن وہ تکلف سے وجد کو اختیار کرے، اس میں شک نہیں کہ تواجد میں حقیقی وجد

والوں سے مشابہت اختیار کرنا ہے اور یہ نہ صرف جائز ہے، بلکہ شرعاً مطلوب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (الحدیث) "جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی، وہ ان میں سے ہے۔" یہ حدیث امام طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔

کسی قوم سے مشابہت اختیار کرنے والا ان میں سے اس لئے ہے کہ اس کا اس قوم سے مشابہت اختیار کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ ان سے محبت رکھتا ہے اور ان کے احوال و افعال سے راضی ہے۔"

(ترجمہ) (الحدیقۃ الندیۃ ج ۲، ص ۵۲۵)

یہی عبارت فتاویٰ رضویہ، جلد دہم ۲ نصف اول ص ۴۱ میں نقل کی گئی ہے۔

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اور اگر خلوت تنہائی محض میں جہاں کوئی دوسرا نہ ہو، بہ نیت محمودہ مثل تشبُّہ بہ عشاق و اہلین یا جلب حالات صالحین ہو تو ائمہ شان میں مختلف فیہ، بعض ناپسند فرماتے ہیں کہ صدق و حقیقت سے بعید ہے اور ارجح یہ ہے کہ ان نیتوں کے ساتھ جائز، بلکہ حسن ہے کہ
مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔
اِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مِنْهُمْ فَتَشَبَّهُوْا اِنَّ التَّشَبُّهَ بِالْكِرَامِ فَلَاحٌ
اور سچی نیت سے نیکوں کی حالت بناتے بناتے خدا چاہے تو واقعیت بھی مل جاتی ہے۔"

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتے ہیں :

"باقی رہا تواجُد جو صحیح طریقے (صحیح نیت) سے ہو تو اس کی طرف شیخ قشیری (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے اپنے رسالہ میں اشارہ کیا ہے (رسالہ قشیریہ، عربی، ص ۳۷) انہوں نے فرمایا کہ ایک جماعت کہتی ہے کہ جو شخص وجد کا اظہار کرے، اُس کے تواجُد کو تسلیم نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہ تکلف پر مشتمل ہے اور تحقیق سے دُور ہے، جبکہ ایک جماعت کہتی ہے کہ خالص فقراء کے لئے جائز ہے، جو ان کیفیات کے حصول کے منتظر ہوتے ہیں، ان کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ رَوو، اگر رونا نہ آئے تو رونے کی شکل بناؤ۔"

وجد کے بارے میں گفتگو چل نکلی ہے، تو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کی گفتگو کا وہ حصہ بھی ملاحظہ فرمالیں جو انہوں نے قاعدہ ۲۸ کی شرح میں کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احیاء العلوم میں کئی ایسی حکایات نقل کی ہیں کہ بعض اہلِ دل اولیاء کرام پر قرآن پاک سننے سے وجد طاری ہو گیا۔ ان حکایات کے نقل کرنے کے بعد انہوں نے خود ایک سوال اٹھایا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ صوفیہ قوالوں سے منظوم کلام سننے کے لئے جمع ہوتے ہیں، قاریوں سے کلام پاک سننے کے لئے اکٹھے نہیں ہوتے؟ ان کا اجتماع اور تواجُد قاریوں کے حلقوں میں ہونا چاہیے نہ کہ قوالوں کے مجمع میں؟

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سوال کا جواب یہ دیا کہ قرآن پاک کی نسبت، قوالی وجد کو زیادہ ابھارتی ہے۔ اس دعوے کو انہوں نے کئی وجوہ سے بیان کیا، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن پاک کی تمام آیات سننے والے کے حال کے مناسب نہیں ہوتیں، ہر سننے والا نہ تو ان کے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور نہ ہی انہیں

اپنے حال پر چسپاں کر سکتا ہے، جس شخص پر غم یا شوق یا ندامت کا غلبہ ہو، اس کے حال کے مطابق وہ آیات کیسی ہوں گی؛ جن میں میراث، طلاق اور حدود وغیرہ کا ذکر ہے ــــ تفصیل (تحصیل التعرف) میں ملاحظہ ہو۔

اس سوال وجواب کو نقل کرنے کے بعد حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے عارف باللہ امام احمد بن ابراہیم واسطی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا کلام اُن کے رسالہ فقرِ محمدی سے نقل کیا ہے، پورا اقتباس تو اصل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں، اس جگہ اس کا کچھ حصہ پیش کیا جاتا ہے، جو گوشِ ہوش سے سننے کے قابل ہے، فرماتے ہیں:

"تعجب ہے اس شخص پر جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کے دل کو محبوب کا کلام سننے سے وجد نہیں ہوتا۔ قصائد اور تالیوں کی آواز سُن کر اس کا دل وجد میں آجاتا ہے، جبکہ اللہ عزّوجل کے محبین کے لیے قرآن پاک کا سُننا، اُن کے سینوں کی شفا اور اسرار (لطائف) کی راحت ہے۔ متکلم جل شانہ، اپنے کلام میں جلوہ گر ہوتا ہے اور ارباب محبت اس کے کلام، امر، نہی، وعدے، وعید، قصص، خبروں، نصیحتوں اور اطلاعات میں اس کا مشاہدہ کرتے ہیں، تو اُن کے دل خوفِ الٰہی کی آماجگاہ بن جاتے ہیں . . . متکلم کی عظمت ان پر چھا جاتی ہے اور اس کی رحمت، الطاف، جلال اور انعام کے مشاہدے کی بنا پر ان کو محبت کے ذریعے کھینچ لیتی ہے۔

تو اُس شخص کی بات نہ سُن، جو کہتا ہے کہ قرآن پاک انسانی طبیعتوں کے مناسب نہیں ہے، اس کے سننے سے وجد نہیں ہوتا اور شعر انسانی طبائع کے مناسب ہے، اس لیے کہ شعر سے دل میں رقت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ یہ کلام فاسد ہے اور اس کی کچھ حقیقت نہیں ہے، اس لئے کہ شعر

صرف اپنے اوزان کی بدولت طبیعتوں کو حرکت نہیں دیتا، خصوصاً جب اچھی آواز والا، رشت، رہاوی وغیرہ (راگوں) سے گائے، اس کے ساتھ تالی بجانا بھی شامل ہو اور وہاں رقص کرنے والے بھی ہوں، ایسی صورتِ حال بچّوں اور چارپایوں کو طبعی اور جبلّی تقاضے کے تحت تھرکنے پر مجبور کر دیتی ہے، نہ کہ ایمان اور یقین کے تقاضے کی بنا پر۔

رہے اہلِ یقین، صحابہ کرام اور ان کے بعد آنے والے اور احسان و اخلاص میں ان کی پیروی کرنے والے تو قرآن پاک ان کے دلوں میں چھپے ہوئے یقین کو حرکت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے! اشعار سننا چھوڑ دو، آیات کا سننا لازم پکڑو، اگر تمہیں قرآن پاک میں دلچسپی نہ ہو تو اپنے آپ کو متکلم جل شانہٗ کی معرفت سے کم نصیب ہونے کی تہمت لگاؤ، کیونکہ جو انسان اللہ تعالیٰ کی معرفت زیادہ رکھتا ہے، وہ اُس کا کلام سُنتے وقت زیادہ خشوع کا حامل ہوتا ہے۔" (شیخ واسطی کا کلام ختم ہوا)

اس میں شک نہیں کہ عملاً ہماری وہی حالت ہے جو امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے، تاہم شیخ امام واسطی قدس سرہٗ کا کلام ہمیں گہرے غور و فکر کی دعوت دیتا ہے کہ آخر ہم محبوب حقیقی جل جلالہٗ کے کلام کے معانی تک پہنچنے اور اُس کے مطالب میں غور و فکر کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان والا شان ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (۴/ ۸۲)

"یہ لوگ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے؟ کیا دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟"

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن پاک اور حدیث پاک پڑھنے، ان کے مطالب و معانی سمجھنے ان میں تفکر و تدبر اور اُن کے احکام پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین!

دوسری قسم

(فقہ اور فقہاء کی اہمیت اور ائمہ مجتہدین کے احوال و آثار)

حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم میں فقہ اور ائمہ مجتہدین کی طرف رجوع کی ضرورت بیان کی ہے۔ اس کے بعد ان کا ارادہ یہ تھا کہ چاروں اماموں کے احوال و آثار بیان کریں گے، لیکن جب امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے احوال و مناقب کا تذکرہ شروع کیا تو یہ سلسلہ اتنا دراز ہو گیا کہ باقی ائمہ کو چند سطروں میں خراجِ عقیدت پیش کر کے اپنا قلم روک لیا۔

تاہم شیخ محقق قدس سرہ جہاں فقہی مذہب کے اعتبار سے حنفی ہیں، وہاں وہ طریقت کے لحاظ سے قادری بھی ہیں اور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل و جان سے شیدائی ہیں۔ حضرت سیدنا غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ حنبلی ہیں، اس لیے حضرت شیخ نے مختصر طور پر حضرت محبوبِ سبحانی قدس سرہ کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے امام سیدنا حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی کسی قدر تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔

حضرت شیخ محقق قدس سرہ وصل ۱۸ میں فرماتے ہیں:

"جب میں مکہ معظمہ میں تھا، اس وقت میں نے امام احمد قدس سرہ کے مذہب کی ایک کتاب خریدی، اس کے حاشیہ پر مذہبِ حنبلی کے ایک عالم علامہ زرکشی کی شرح کتاب الحرقی والخرقی تھی، یہ عظیم اور مبسوط کتاب تین ضخیم جلدوں میں تھی، اس کے خریدنے کا مقصد یہ تھا کہ جہاں تک ممکن ہوا ان کے مذہب کی پیروی کروں گا، اس امید پر کہ میرا عمل میرے شیخ، سیدنا غوثِ اعظم، قطبِ اکرم و افخم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل کے موافق ہوگا،

وجہ یہ تھی کہ میں نے اکثر و بیشتر مسائل میں امام احمد کے اقوال امام ابوحنیفہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے اقوال کے موافق پائے تھے، اگرچہ ایسی روایت میں ہوں، جو اصل مذہب کے مخالف ہی ہو، اس بنا پر میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ میں اپنے شیخ کی مخالفت کر کے حرج میں واقع نہیں ہوا۔"

اسی وصل میں "نکتہ لطیفہ" کا عنوان قائم کر کے فرماتے ہیں:

"کہا جاتا ہے کہ صاحبِ کشاف (جار اللہ زمخشری) فقہ میں حنفی اور عقائد میں معتزلی تھے، اسی لئے انہیں حنفزلی کہا جاتا ہے ہم بھی اس لائق ہیں کہ ہمیں حنفتبلی کہا جائے، کیونکہ ہم بھی مذہبِ حنفی اور حنبلی کے جامع ہیں۔"

حضرت شیخ محقق قدس سرہٗ وصل ۲۷ میں فرماتے ہیں کہ عوام الناس اور متعصب شافعیوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب میں اتباعِ حدیث پر بہت زور دیا گیا ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب رائے اور اجتہاد پر مبنی اور حدیث کے مخالف ہے۔ یہ بات صریح جہالت اور محض غلط ہے، کیونکہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا مجتہد ہونا، ملتِ اسلامیہ کے نزدیک مسلّم و مقبول ہے۔ بلکہ وہ دوسرے مجتہدین سے مقدم بھی ہیں۔

حضرت شیخ محقق قدس سرہٗ نے اس وہم کی دو نمایاں وجہیں بیان کی ہیں:

۱۔ صاحبِ مصابیح اور صاحبِ مشکوٰۃ مذہب شافعی سے تعلق رکھتے تھے، انہوں نے اپنے مذہب کے دلائل تلاش اور جستجو سے جمع کر کے اپنی کتابوں میں درج کئے اور جن احادیث سے احناف استدلال کرتے ہیں، ان کے راویوں پر جرح قدح کی ہے۔

۲۔ مذہبِ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ نے بھی کسی حد تک لوگوں کو اس وہم میں مبتلا کیا ہے، کیونکہ صاحبِ ہدایہ نے اکثر مقامات پر عقلی دلائل اور قیاسوں کو بنیاد بنایا

ہے اور ایسی حدیثیں لاتے ہیں، جن میں کسی قسم کا ضعف پایا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے جزاءِ خیر عطا فرمائے۔ جلیل القدر شیخ کمال الدین ابن ہمام کو، کہ انہوں نے مذہبِ حنفی کی تحقیق کی اور اسے قابلِ استدلال حدیثوں سے ثابت کیا۔ نیز متن کی حدیثوں کو بھی ثابت کیا۔

حضرت شیخ محقق قدس سرہٗ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

"جب یہ مسکین مکہ معظمہ میں تھا اور مشکوٰۃ شریف پڑھا کرتا تھا، تو مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ مذہبِ شافعی اختیار کر لوں، کیونکہ میں نے دیکھا کہ جو احادیث اُن کے مذہب کے مطابق ہیں، صحیح ہیں اور مذہبِ حنفی کے موافق حدیثوں پر طعن کیا گیا ہے۔

میں نے اپنا یہ خیال سیدی شیخ عبدالوہاب متقی (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے سامنے پیش کیا، تو انہوں نے فرمایا، یہ بات آپ کے خیال میں کیسے پیدا ہو گئی؟ غالباً مشکوٰۃ شریف پڑھنے سے آپ کو یہ بات سوجھی ہے۔ انہوں نے اپنے مذہب کی بنیاد پر وہ حدیثیں تلاش کیں جو اُن کے مذہب کے موافق تھیں اور وہی حدیثیں اپنی کتابوں میں لکھ دیں، حالانکہ اُن کی بیان کردہ حدیثوں سے اعلیٰ درجے کی حدیثیں موجود ہیں، جو اُن کے معارض ہیں، یا اُن سے راجح ہیں یا اُن کی ناسخ ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے جیسے کہ ہمارے مذہب کی لکھی ہوئی کتابوں سے ظاہر ہے۔"

آگے بڑھنے سے پہلے حضرت شیخ محقق ہی سے اس واقعہ کا تتمہ بھی ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں،

"جب شیخ عبدالوہاب متقی (رحمہ اللہ تعالیٰ) مجھے وطن (ہندوستان) کے لیے رخصت کرنے لگے، تو میں نے اُن سے درخواست کی کہ مجھے کچھ عرصہ

اپنی خدمت میں رہنے دیں تاکہ دونوں مذہبوں (حنفی اور شافعی) کی تحقیق کرلوں اور اس سلسلے میں واضح نتیجہ سامنے آجائے۔ انہوں نے فرمایا: انشاء اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ وہیں حل ہوجائے گا۔ چنانچہ حضرت شیخ کی برکت سے مشکوٰۃ شریف کی شرح اور ایک دوسری کتاب "فتح المنان فی تائید مذہب النعمان" میں یہ مسئلہ حل ہوگیا۔"

بحر العلوم حضرت علامہ عبد العزیز پرہاروی (صاحب نبراس) نے بھی تقریباً یہی کچھ بیان کیا ہے، فرماتے ہیں:

"کچھ حضرات شافعیہ نے گمان کیا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ قیاس کو اختیار کرلیتے ہیں اور حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں، یہاں تک کہ حنفیہ "اصحاب رائے" اور شافعیہ "اصحاب حدیث" کے لقب سے مشہور ہوگئے۔

سوال: یہ وہم جو لوگوں میں مشہور ہوگیا ہے، اس کا سبب کیا ہے؟

جواب: اس کے دو سبب ہیں:

(۱) اس مذہب (حنفی) والوں نے اپنے مذہب کی احادیث کو جمع نہیں کیا، کیونکہ ان کے امام صرف حفاظ سے حدیث لینے کے قائل تھے، وہ روایت بالمعنی سے گریز کرتے تھے، اس لئے ان کی صرف مختصر مسند ہی مشہور ہوئی ہے، برخلاف باقی تین مذاہب کے، انہوں نے اپنے مذہب کے موافق احادیث کئی کئی جلدوں میں جمع کی ہیں، چنانچہ ان کی مؤلفات مشہور ہوگئیں، جو شخص احادیث کی تلاش کرے گا، اسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کو ثابت کرنے والی زیادہ صحیح اور زیادہ قوی حدیثیں مل جائیں گی۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے جمع کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا!

(۲) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات موافقِ قیاس حدیث کو مخالف قیاس حدیث پر ترجیح دیتے تھے۔ اس سلسلے میں وہ حدیث کو ترجیح دینے کے لئے عقلی دلیل بیان کر دیتے تھے، لیکن ان کے ہم مذہب کے سستی کا شکار علماء، حدیث کی تلاش کی بجائے صرف عقلی دلیل کے بیان کرنے پر اکتفاء کرتے تھے۔

مختصر یہ کہ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ حدیث کی معرفت اور سُنّت سے استدلال کے بلند ترین مقام پر فائز تھے، لیکن ان کے مذہب کے بعض علماء نے احادیث کی تلاش اور ان کی تخریج میں کوتاہی کی اور عقلی دلائل پر اکتفا کیا، جس سے لوگوں کو یہ گمان ہو گیا کہ اس مذہب کی بناء رائے پر ہے۔

اس وہم کو تقویت اس بات سے ملی کہ بعض متاخرین احناف نے محدثین کے خلاف تعصب کا مظاہرہ کیا، ان کی شان کو کم جانا اور ان کی مخالفت میں غلو کیا، یہاں تک کہ انہوں نے کہا کہ التحیات میں انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنا مکروہ ہے' ایامِ بیض (قمری مہینے کی تیرہ، چودہ، پندرہ تاریخ) کے روزے اور جمعہ کے دن سُورۂ کہف پڑھنا مکروہ ہے' حالانکہ یہ امور حدیث صحیح سے ثابت ہیں۔"

علامہ پرہاروی رحمہ اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں:

"خلاصہ یہ کہ یہ کہنا کہ امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) قیاس کو اختیار کرتے ہیں، اور حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں وہم ہے' بلکہ وہ تمام ائمہ سے زیادہ حدیث کی پیروی کرنے والے ہیں، جسے شک ہو وہ فقہ حنفی کی کتاب "شرحِ مواہب الرحمٰن" دیکھ لے، اس کے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک،

صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے دلائل پیش کرنے کا التزام کیا ہے، اسی طرح محقق ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح ہدایہ (فتح القدیر) دیکھ لیجیے۔ انہوں نے ان اعتراضات کا جواب دیا، جو "ہدایہ" پر وارد کیے جاتے ہیں، اور کہا جاتا ہے کہ ان کی پیش کردہ احادیث کمزور ہیں اور انہوں نے عقلی دلائل پر اکتفا کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کثیر احادیث کا سماع کیا ہے، ان کے چار ہزار اساتذہ میں سے تین سو تابعین تھے"

(ترجمہ) (کوثر النبی (عربی)، مکتبہ قاسمیہ، ملتان، ج ۱، ص ۵۴-۵۳)

علامہ پرہاروی قدس سرہٗ بعض علماء احناف کی ستم ظریفی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عجیب بات یہ ہے کہ امام محقق، ابن ہمام حنفی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے مذہب حنفی پر کیے جانے والے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ ان احادیث کو ثابت کیا ہے، جو اس مذہب کی دلیل ہیں اور دوسرے حضرات نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے، ان کا جواب دیا ہے۔ بعض حنفی علماء نے ان پر اعتراض کیا ہے کہ وہ اصحاب ظواہر میں سے ہیں۔ حدیث سے متعلق ان کے علم کو موردِ طعن بنا دیا۔ یہ اچھی جزا ہے۔" (کوثر النبی، ص ۵۴)

ہمارے علماء احناف کے لئے یہ لمحۂ فکریہ ہے کہ مشکوٰۃ شریف پڑھ کر شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسی شخصیت یہ سوچنے لگے کہ مجھے مذہب شافعی اختیار کر لینا چاہیے، تو آج کے طلبہ کا کیا حال ہو سکتا ہے؟ یہ تسلیم کہ حضرت علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اور حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اشعۃ اللمعات اور لمعات میں مذہبِ حنفی کے دلائل بیان کئے ہیں،

اور دیگر ائمہ کے دلائل کے شافی جوابات دیئے ہیں ـــــ تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ درجہ حدیث سے پہلے نصاب میں ایسی کتاب شامل کی جائے جو قرآن و حدیث سے مذہب حنفی کے دلائل سے طلبہ کو روشناس کرائے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے ـــــ محدثِ دکن حضرت علامہ ابو الحسنات سید عبد اللہ شاہ نقشبندی قادری کو کہ انہوں نے زجاجۃ المصابیح کے نام سے پانچ جلدوں میں کتاب لکھی ہے جو اس ضرورت کو پورا کرتی ہے، نہ معلوم کیا وجہ ہے کہ ابھی تک اس اہم کتاب کو داخلِ نصاب نہیں کیا گیا

حضرت شیخ محقق قدس سرہٗ نے متعدد مثالیں دے کر واضح کیا ہے کہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب اگر حدیث سے ثابت ہے، تو امامِ ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب اس سے قوی حدیث سے ثابت ہے۔

حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک نکتہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ احناف جن حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں، حضراتِ شافعیہ نے ان کے راویوں پر اعتراض کیا ہے تو ان کا یہ اعتراض ہمیں نقصان نہیں دیتا، کیونکہ یہ اعتراض ان راویوں پر ہے جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے بعد ہیں۔ بعد کے راویوں کے ضعیف ہونے سے یہ کیونکر لازم آگیا کہ جب وہ حدیث امامِ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کو پہنچی تھی، تو اس وقت بھی وہ ضعیف تھی۔

یہ نکتہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"یہ واضح نکتہ ہے جو راقم کے ذہن میں واقع ہوا ہے، میری نظر سے نہیں گزرا کہ کسی نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔"

حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ باکمال مشائخ کے تربیت یافتہ تھے ـــــ اوّل تو اس قسم کی باتیں کہنا ان کا معمول نہیں ہے۔ اس جگہ یہ بات نوکِ قلم پر آہی گئی، جس میں خود پسندی یا احساسِ برتری کا شائبہ بھی ہو سکتا تھا، تو فوراً اس کا ازالہ کر دیا، فرماتے ہیں:

"ظاہر ہے کہ علماء احناف نے اس کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ یہ بہت ہی واضح ہے۔"

یہ شان ہے ان علماء کی جو قرآن پاک کے مطابق رَاسِخُونَ فِی العِلم ہیں

وصل ۶ میں حضرت شیخ محقق قدس سرہٗ نے خطیب بغدادی کا ذکر کر کے اس پر کڑی تنقید کی ہے اور اس کے اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں اگر ایک طرف امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے مناقب کا انبار لگا دیا ہے تو دوسری طرف طعن و تشنیع اور تنقیص میں بھی کوئی کمی نہیں چھوڑی، اس لئے حضرت شیخ محقق قدس سرہٗ ایسی شخصیت کو ان کا محاسبہ کرنے کا حق پہنچتا ہے۔

حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال و آثار کا زیادہ تر حصہ جامع المسانید سے لیا ہے۔ اُن کے پاس جامع المسانید کا جو حصہ تھا، وہ ابتدا سے ناقص تھا۔ حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے وصل ۷ میں فرماتے ہیں:

"ہمارے پاس مُسند کا جو نسخہ ہے، اس کے چند ابتدائی اوراق غائب ہیں، اس لئے مؤلف کا نام و نسب، حال، اور ولادت و وفات کی تاریخ معلوم نہیں ہو سکی، جسے یہ معلومات مل جائیں، وہ اس رسالے میں لکھ دے، اللہ تعالیٰ اُسے ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے"

الحمدللہ! راقم نے اس جگہ حاشیہ میں مؤلف جامع المسانید، امام علامہ ابو المؤید محمد بن محمود خوارزمی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مختصر تعارف لکھ کر حضرت شیخ کی دُعا حاصل کر لی ہے۔

وصل ۱۱ کا عنوان ہے مجتہدین کی اقتداء اور اتباع لازم ہے اس سلسلے میں بتایا ہے کہ متقدمین کے ہاں معین امام کی اتباع کا التزام نہیں تھا، لیکن متاخرین

نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ کسی معین مذہب ہی کی پیروی کی جائے۔

وصل ۱۳ اور خاتمہ میں اجتہاد کی تعریف اور اس کی شرطیں بیان کی ہیں اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی کے لیے مقامِ اجتہاد کا حاصل کرنا ممکن ہی نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں کسی عالم کو مقامِ اجتہاد حاصل نہیں ہے۔

عام طور پر مصنفین اپنی تصانیف کو فصلوں پر تقسیم کرتے ہیں حضرت شیخ محقق قدس سرہٗ نے بجائے فصل کے وصل کا عنوان قائم کیا ہے۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ چونکہ فصل کا معنی جدا کرنا اور وصل کا معنی ملانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کا کام جدا کرنا نہیں، بلکہ بندوں کو اللہ تعالیٰ سے ملانا، یعنی مقامِ بندگی پر فائز کرنا ہے

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

تقریبِ ترجمہ

ماڈل ٹاؤن، لاہور میں جناب یمین الدین حقی رہتے ہیں جو سیٹلمنٹ کمشنر رہ چکے ہیں۔ ان کا سلسلۂ نسب دس واسطوں سے حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز سے جا ملتا ہے، اسی لئے وہ اپنے نام کے ساتھ حقی لکھتے ہیں، ان کا سلسلۂ نسب حسب ذیل ہے:

۱۔ حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدثِ دہلوی

۲۔ حضرت شیخ نورالحق محدثِ دہلوی

۳۔ حضرت شیخ نوراللہ محدث دہلوی

۴۔ حضرت مولانا شیخ محب اللہ دہلوی

۵- حضرت شیخ نور الحق ثانی دہلوی

۶- حضرت مولانا مفتی محب الحق دہلوی

۷- حضرت مولانا مفتی نظام الدین دہلوی

۸- حضرت مولانا مفتی اکرام الدین دہلوی، مغلیہ دور میں تیس سال سے زیادہ عرصہ تک صدر امین صوبہ دہلی رہے۔ ۱۸۴۷ء میں انتقال ہوا۔

۹- مولانا حافظ احسان الحق

۱۰- خان بہادر مولوی انوار الحق ـــــ ۱۹۰۲ء میں انتقال ہوا۔

۱۱- مولوی محمد مصباح الدین، مجسٹریٹ دہلی ـــــ ۱۹۴۷ء میں انتقال ہوا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

۱۲- جناب یمین الدین حقی مدظلہ

پیش نظر کتاب: تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف حضرت شیخ المحدثین، عارف باللہ، برکۃ المصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم) فی الہند شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کی عربی زبان میں بابرکت تصنیف ہے۔ اس کا قلمی نسخہ جناب یمین الدین حقی مدظلہ کو مولانا علامہ مفتی محمد بشیر رحمہ اللہ تعالیٰ (گوجرانوالہ) سے ملا، انہوں نے سعادتِ لوح وقلم، ماہر رضویات، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی کو کہا کہ اس کا اردو میں ترجمہ کروادیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک دو دفعہ مجھے تحریر کیا کہ کیا ہی اچھا ہو اگر آپ اس کا ترجمہ کردیں۔ پھر لاہور تشریف لائے، تو اسی بلیغ انداز میں زبانی طور پر فرمائش کی۔ ایک طرف حضرت شیخ محقق قدس سرہ کے ساتھ عقیدت اور یہ خیال کہ یہ کتاب ابھی تک چھپی نہیں۔ دوسری طرف ڈاکٹر صاحب ایسی محسن اہل سنت شخصیت کا محبت وشفقت سے لبریز فرمان تھا، جس نے معذرت کی گنجائش نہ رہنے دی

اللہ تعالیٰ کا نام لے کر، ۲۷ر اگست ۱۹۹۵ء کو ترجمہ شروع کر دیا جو ۱۷ر جنوری ۱۹۹۶ء کو مکمل ہو گیا ــــ فالحمد للہ تعالیٰ علیٰ ذٰلک ــــ یاد رہے کہ جناب حقی صاحب، ڈاکٹر صاحب کے قریبی عزیز ہیں۔

ابھی ترجمہ کر ہی رہا تھا کہ ادب عربی کے بین الاقوامی سکالر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر چیئرمین شعبۂ عربی، پنجاب یونیورسٹی نے بتایا کہ ڈاکٹر محمد افضل ربانی، ڈائریکٹر امورِ مذہبیہ، محکمۂ اوقاف پنجاب کے برادرِ عزیز حافظ محمد اصغر اسعد اسسٹنٹ پروفیسر سول لائن کالج، لاہور، اس کتاب پر تحقیقی مقالہ پی۔ ایچ۔ ڈی کے لئے لکھ رہے ہیں، یہ اطلاع کسی خوشخبری سے کم نہ تھی۔

ترجمہ کے دوران حضرت مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی مدظلہ، ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، مولانا علامہ محمد منشا تابش قصوری اُستاذ شعبۂ فارسی، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، فاضل عزیز ممتاز احمد سدیدی سلمہ اللہ تعالیٰ جامعہ ازہر شریف، قاہرہ، مصر سے مشورہ کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ جل مجدہ الاعظم کی بارگاہ میں دُعا ہے کہ اس سلسلے میں تعاون کرنے والے تمام اصحابِ فضیلت کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

۱۶ر محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
۳ر جون ۱۹۹۶ء

محمد عبد الحکیم شرف قادری

ردوسے

حرفِ آغاز
(اشعۃ اللمعات اردو جلد پنجم)

نحمدہٗ ونصلّی ونسلّم علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین

اللہ تعالیٰ کا بے پایاں احسان اور کرم ہے کہ اُس نے اپنے فضل وکرم سے امام اہل سُنّت، شیخ الاسلام، شیخ محقق، شاہ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مشکوٰۃ شریف کی شہرہ آفاق فارسی شرح اشعۃ اللمعات کے اُردو ترجمے کی پانچویں جلد مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ ربِ کریم جلّ شانہٗ کے اس احسانِ عظیم کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ دُعا ہے کہ محض اپنے لطفِ جمیل سے ترجمہ کی باقی دو جلدیں بھی مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ چوتھی جلد ماہِ ربیع الاوّل ، اکتوبر ۱۴۱۰ھ/۱۹۸۹ء میں چھپ کر قارئینِ کرام کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تھی۔ بحمدہٖ تعالیٰ اب پانچویں جلد پیش کی جارہی ہے۔ قارئینِ کرام سے درخواست ہے کہ اس کارِ عظیم اور گراں کی تکمیل کے لئے دُعا فرمائیں۔

اشعۃ اللمعات کے ترجمہ کا آغاز اہلِ سُنّت وجماعت کے مایہ ناز عالم، فاضلِ جلیل حضرت علامہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ سابق خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ نے کیا تھا۔ ۱۴ ربیع الآخر، ۱۷ دسمبر ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۶ء کو اُن کا وصال ہوگیا، تو اہلِ سُنّت وجماعت کے نامور ناشر، جناب سید اعجاز احمد صاحب مالک فرید بک سٹال، اُردو بازار، لاہور نے برادرِ دینی وایمانی مولانا الحاج محمد منشا تابش قصوری، مدرّس جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، وخطیب جامع مسجد ظفریہ مریدکے کے مشورے سے یہ اہم ذمّہ داری راقم کے ناتواں کندھوں پر ڈال دی۔ یقیناً یہ

میری خوش قسمتی تھی کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے حبیب، سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ کی خدمت کا موقع دیا گیا، ورنہ یہ سعادت بزورِ بازو تو حاصل نہیں کی جا سکتی۔

خوشا مسجد و مدرسہ خانقاہے
کہ در وے بود قیل و قالِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

یہ ایک لافانی حقیقت ہے کہ انسانیت کی کامیابی و کامرانی کا راز اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری اور سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی میں مضمر ہے ؎

بحق دل بند و راہِ مصطفیٰ رو

احادیث مبارکہ کی شرح اور ترجمہ لکھنے اور شائع کرنے کا مقصد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حبیبِ مکرم، رسولِ محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائی جائیں تاکہ مسلمان ان تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر دنیا و آخرت میں سرخروئی اور سرفرازی حاصل کریں۔

حضرت شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اولاد امجاد میں سے جناب ضیاء الحق سوز حقی، مقیم دہلی کی فرمائش پر راقم نے حال ہی میں ایک مقالہ سپردِ قلم کیا ہے، جس میں شیخ محقق قدس سرہٗ کی حیاتِ مبارکہ، عقائد اور احوال و آثار کا مختصر جائزہ پیش کیا ہے۔ یہ مقالہ پانچویں جلد کی ابتدا میں شامل کیا جا رہا ہے، امید ہے کہ قارئین اسے پسند کریں گے۔

متعدد کتابوں کے مصنف اور مترجم مولانا علامہ مفتی محمد خاں قادری صاحب فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور اور خطیب جامع مسجد رحمانیہ، شادمان، لاہور اس کارِ خیر میں راقم کے ساتھ تعاون کرنے پر تیار ہو گئے ہیں اور یہ ایک نیک فال ہے

اُمید ہے کہ ان کے تعاون سے یہ کام جلد پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ انہیں دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے اور دین متین کی بیش از بیش خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔

پیش نظر جلد کی تصحیح فاضل نوجوان مولانا حافظ محمد شاہد اقبال، خطیب جامع مسجد حضرت ابوبکر صدیق، بازار حکیماں، اندرون بھاٹی دروازہ، لاہور نے کی ہے، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

فرید بک سٹال، لاہور کے مالکان، اشعۃ اللمعات اور دیگر کتب حدیث کے تراجم اور دیگر اسلامی اور اعتقادی لٹریچر شائع کرنے پر تمام اہل اسلام کے شکریے اور مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا اور آخرت میں رحمتوں اور برکتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین ؛

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قادری

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

زُبدۃ الاولیاء، قدوۃ الاصفیاء، مُقتدائے اہلِ سُنّت، ناشرِ علم حدیث در ہند شیخ محقق شاہ محمد عبدالحق محدث دہلوی ابن سیف الدین (قدس سرہما) در دہلی (۹۵۸ھ / ۱۵۵۱ء) متولد شد۔ اجداد وے در زمان سلطان محمد علاء الدین خلجی از بخارا رختِ سفر بستہ وارد دہلی شدند و بر مناصب رفیعہ فائز ماندند، قدرت کاملہ وے را از بدو فطرت، عقلِ سلیم و فہمِ مستقیم و حافظہ قویہ ارزانی داشت۔ والد ماجد بتربیتِ ظاہری و باطنی وے عنانِ ہمت بر تافت تا حضرت شیخ در دو ماہ قرآن مجید ختم کردہ بتحصیلِ علومِ دینیہ مشغول شد و در ہفدہ سالگی از علومِ مروجہ فراغ یافت در اثناء درس چوں نتائج فکر خود بحضرت اساتذہ عرض نمودے می گفتند:

"ما از تو مستفید یم و ما را بر تو منتے نیست" (خاتمہ اخبار الاخیار، ص ۳۱۸)

بعد از تحصیلِ علوم در مدتِ یک سال و چیزے قرآن مجید حفظ کرد، و چوں بزیارتِ حرمین طیبین مشرف شد از اجلۂ علماء و اعاظمِ اولیاء خصوصاً حضرت شیخ عبدالوہاب متقی علیہ الرحمۃ تکمیلِ علمِ حدیث کرد و در جوارِ سید الانبیاء محبوبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مقیم شدہ نوازش ہائے بے کراں یافت، چنانچہ می فرماید:

"آنچہ من فقیر حقیر از اکرام و انعام حضرت بشیر نذیر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشارت یافتہ ام اشارت نتوانم کرد" (ایضاً، ص ۳۲۰)

درسلسلۂ قادریہ بردست حضرت شیخ موسیٰ پاک شہید ملتانی ۱۰۰۱ھ قدس سرہ بیعت کردہ فیض بے بہا اندوخت، حضرت شیخ از زمانِ طفولیت بعبادت وریاضت شوقِ کامل داشت وبہ از دیاد عمر اشتغال بصلوٰۃ واوراد و شب خیزی ومناجات افزوں گشت تا یکے از اولیاء کاملین معدود شد، ودر ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء در دہلی وصال فرمود۔

از حضرتِ شیخ تصانیفِ کثیرہ نافعہ، مقبول ہر دیار، یادگار است و ایں صدقۂ جاریہ از وے تاقیامت مفید و فائض خواہد ماند، چند تصانیفِ مبارکہ ایں است :

(۱) اشعۃ اللمعات شرح فارسی مشکوٰۃ شریف در چہار جلد (۲) لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح (عربی) (۳) شرح سفر السعادۃ (فارسی) (۴) اخبار الاخیار فارسی (۵) جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب، فارسی (تاریخ مدینہ) (۶) زبدۃ الآثار، (۷) شرح فتوح الغیب، فارسی (۸) تکمیل الایمان، فارسی (۹) ماثبت بالسنۃ (عربی) (۱۰) مدارج النبوۃ، فارسی در دو جلد، دربیان سیرتِ مبارکہ حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، درکمالِ تحقیق بے نظیر افتادہ ودر کتب فارسی امتیازے تام می دارد کہ تشلش نرشنیدہ شد

جناب محمود احمد قادری و محفوظ احمد قادری، نور محمد، حافظ قاری سعید احمد خوش بخت و لائقِ تہنیت ہستند کہ بطبع ایں کتاب مبارک کمرہمت بستند و برکات دارین فراہم آوردند فجزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء فی الدنیا والعقبےٰ، آقائی محفوظ احمد قادری کہ محرک و باعثِ ایں کارِ خیر است محفوظ از جملہ اسقام و آلام باد لفضلہ تعالیٰ ومنّہٖ۔ [1]

محمد عبد الحکیم شرف قادری

خادم طلبہ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، پاکستان

---

[1] ابتدائیہ، مدارج النبوۃ فارسی، طبع مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر

نامور صحافی میاں عبدالرشید شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ

کالم نگار "نورِ بصیرت" روزنامہ "نوائے وقت"

معروف صحافی، بے باک قلم کار، دانشور، مفکر اور صوفی منش مجاہد میاں عبدالرشید شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ یکم جنوری ۱۹۱۵ء کو گوجرانوالہ کے ایک گاؤں کیلا سکے میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد ماجد میاں امام الدین پرائمری سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے اور طب میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔ میاں عبدالرشید نے مڈل اور میٹرک کے امتحان گورنمنٹ ہائی سکول گوجرانوالہ سے فسٹ ڈویژن میں پاس کئے۔ انٹرمیڈیٹ کا امتحان گورنمنٹ کالج، گوجرانوالہ سے اور بی اے دیال سنگھ کالج، لاہور سے ۱۹۳۵ء میں فسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ دورانِ تعلیم فارسی اور عربی بھی پڑھی۔ آپ کا پسندیدہ مضمون ریاضی تھا اسی لئے ایم۔ اے ریاضی میں داخلہ لیا، لیکن بوجوہ اس سلسلے کو مکمل نہ کرسکے اور پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی میں بطورِ رپورٹر ملازمت کر لی۔

میاں صاحب نوجوانی کے دور میں نماز روزے کے چنداں پابند نہیں تھے۔ دین و مذہب سے بھی کچھ زیادہ لگاؤ نہ تھا۔ کئی سال بعد، ان دنوں کو وہ زمانۂ جاہلیت کہا کرتے تھے، اس بارے میں جب آپ کی والدہ سے شکایت کی جاتی تو وہ کہتیں، "میں نے سالہا سال تہجد میں ان کے لئے دُعا کی ہے، اس لئے مجھے یقین کامل ہے کہ عبدالرشید صاحب نہ صرف اسلام کی طرف مائل ہوں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے دین کی بڑھ چڑھ کر خدمت کریں گے۔" اور اس شب زندہ دار ماں کی کرامت تھی کہ انہوں نے اپنی زندگی میں ہی یہ تبدیلی دیکھ لی جس کے لئے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتیں۔

اس تبدیلی کی ایک وجہ خود میاں صاحب نے اپنے کالم نورِ بصیرت میں گورنر روحانی پنجاب کے عنوان سے لکھی۔ میاں صاحب فرماتے ہیں:

یہ ۱۹۴۵ء کا واقعہ ہے، قلعہ گوجر سنگھ کی اس سڑک پر جو پولیس لائنز کے ساتھ ساتھ چلتی ہے، ایک صاحب کا چھوٹا سا مطب تھا۔ دوستوں نے بتایا کہ وہ کہتے ہیں اگر کسی نے جناب رسولِ پاک (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی خدمت میں درخواست گزارنی ہو تو وہ "بتوسط گورنر روحانی پنجاب" لکھ کر انہیں دے۔ یہ پاکستان بننے سے پہلے کی بات ہے۔ ان دنوں پنجاب متحد تھا۔ ایک روز سہ پہر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں کچھ دیہاتی مرد عورتیں ان سے حضور اکرم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی خدمت میں درخواستیں لکھوا رہے تھے۔ کوئی لکھواتا مجھے اتنے روپے چاہئیں؛ کوئی مکان طلب کرتا، کوئی کہتا کہ میرا بیٹا واپس آجائے۔

میری طبیعت نے جوش مارا کہ اتنی بڑی سرکار کی خدمت میں اس قسم کی معمولی باتوں کے لئے درخواست دینا آنجناب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے منصبِ بلند کے شایانِ شان نہیں۔ میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا، میں بھی درخواست لکھوں گا۔ انہوں نے کاغذ دیا، اس پر حضور اکرم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے مخصوص القابات لکھوائے۔ دوسری سطر میں الفاظ "بتوسط گورنر روحانی پنجاب" لکھوائے۔ اس کے بعد وہ دوسرے سائلان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ میں نے درخواست لکھ کر ایک طرف رکھ دی، وہ لوگ چلے گئے۔ تو میں نے اپنی درخواست پیش کی، وہ بزرگ اسے پڑھ کر بہت متاثر ہوئے۔ مجھ سے بار بار کہنے "میاں سوچ لیا میاں! سوچ لیا"، میں نے عرض کیا، ہاں! خوب سوچ سمجھ کر درخواست لکھی ہے،

پھر پوچھا: کیا درخواست منظور ہو جائے گی؟ وہ بولے بھلا ایسی درخواستیں بھی منظور نہیں ہوتیں؟ بھلا ایسی درخواستیں بھی منظور نہیں ہوتیں؟

(درخواست یہ تھی کہ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) مجھے اپنے عشق سے نوازیں)

شام ہونے کے قریب تھی، وہ کہنے لگے، چلو داتا صاحب چلتے ہیں، وہاں دُعا مانگیں گے۔ میں نے انکار کر دیا اور کہا، وہاں لوگ "شرک" کرتے ہیں۔ میری طبیعت منغض ہوتی ہے۔ وجہ یہ تھی کہ میں نے سات برس کی عمر سے سترہ برس کی عمر تک کا زمانہ اہل حدیثوں کے زیرِ اثر گزارا تھا۔ انہوں نے اصرار کیا، میں انکار پر قائم رہا۔ آخر اس بات پر فیصلہ ہو گیا کہ حضرت کے مزارِ مبارک کے جنوب کی جانب سے جو سڑک گزرتی ہے، میں اس پر کھڑے ہو کر دُعا مانگ لوں، اندر نہ جاؤں۔

چند دنوں بعد پھر ملاقات ہوئی، تو انہوں نے فرمایا، میاں تمہاری وہ دُعا منظور ہو گئی ہے۔ میں نے دل میں کہا، کوئی اثر ظاہر ہوگا، تو مانوں گا۔ مطالعہ کی عادت تھی، جو سامنے آتا پڑھ جاتا، درخواست گزارنے کے بعد مطالعہ کی سمت اسلامی علوم کی جانب متعین ہو گئی۔ افکار میں نکھار پیدا ہوا، ذہن میں روشنی پیدا ہوئی۔ ابتدائی ایام کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

غم کہاں اب کہ تیری اُلفت کا	میرے دل میں چراغ روشن ہے
عشق کی روشنی کو کیا لکھوں؟	دل تو دل ہے دماغ روشن ہے[1]

۹ر اکتوبر ۱۹۶۲ء کا کالم ملاحظہ ہو:

حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت داتا گنج بخش (رحمہ اللہ تعالیٰ) ان قافلہ سالارانِ عشق میں سے ہیں،

[1] عبدالرشید، میاں: روزنامہ نوائے وقت، کالم نورِ بصیرت، ۲۱ر اگست ۱۹۹۱ء

جنہوں نے اس سرزمین میں اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا بیج بویا اور محبت کے ذریعہ سے یہاں اسلام روشناس کرایا۔ یہ بھی فاتحین تھے، لوگوں کو نگاہ سے زخمی کرتے اور اعلیٰ اخلاق سے جوڑ لیتے۔ ان کے قلوب عشقِ الٰہی سے زندہ تھے، اس لئے موت ان کا کچھ نہ بگاڑ سکی، آج بھی ان کا فیض عام ہے۔ خواص و عوام دونوں یہاں سے فیض پاتے ہیں۔ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یہاں چلّہ کاٹا، بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یہاں سے فیض پایا۔ حضرت بُو علی قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ یہاں معتکف رہے۔ میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ یہاں باقاعدہ حاضری دیتے رہے۔

بزرگوں کی توجہ سے قلوب میں اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسُولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، طبیعت نیکی کی طرف راغب ہوتی ہے۔ اس کی مثال یُوں سمجھیے جیسے جمنیزیم میں رسّہ پکڑ کر اوپر چڑھنے والے کو نیچے سے سہارا مل جائے۔ حضرت پیرِ پیران رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: "ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے فلاں کی طرف توجہ رکھو، ہم اسے توجہ دیتے ہیں۔ حکم ہوتا ہے فلاں سے توجہ ہٹالو، ہم ہٹا لیتے ہیں۔ یہ سارا نظامِ کائنات اللہ تعالیٰ کی توجہ سے ہی چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توجہ کے تحت ہی بزرگوں کی توجہ بھی کام کرتی ہے ؎

نہ بادہ ہے، نہ صراحی، نہ دَورِ پیمانہ
فقط نگاہ سے رنگیں ہے بزمِ جانانہ

لاہور کی فضا ان بزرگوں کی رُوحانیت کی خوشبو سے مہک رہی ہے جیسے موسمِ بہار میں باغ کی فضا میں خوشبو بسی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے لاہور لاہور ہے۔

اور جو یہاں آجاتا ہے، وہ یہیں کا ہو رہتا ہے۔ میرے ایک مرحوم دوست حج کر کے آئے، حضرت صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مزار پر حاضری کے لئے گئے، تو کہنے لگے: ان گلیوں سے تو مدینہ منورہ کی گلیوں کی خوشبو آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بندوں میں اللہ تعالیٰ ہی کی صفات کا پرتو ہے، البتہ اللہ تعالیٰ کی صفات، ان کی اپنی اور لامحدود ہیں۔ بندوں کی صفات اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اور محدود ہیں۔ اللہ تعالیٰ سخی ہیں، ان کے بندوں میں سخاوت کا وصف پایا جاتا ہے۔ داتا سخی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ قطب الدین ایبک کو لکھ داتا کہتے تھے۔ داتا گنج بخش کے معنی ایسا سخی ہے جو خزانے لٹا دیتا ہے۔ اس میں شرک کی کوئی بات نہیں۔ سورۃ البقرہ کے آخر میں جو دعا سکھائی اس میں اللہ تعالیٰ کے لئے الفاظ اَنْتَ مَوْلَانَا آئے ہیں، آج کل کے سارے علماء مولانا کہلاتے ہیں۔

کئی برس ہوئے ایک "مولانا" نے یہ ہوائی چھوڑی تھی کہ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ یہاں مدفون نہیں، بلکہ قلعہ لاہور کے اندر مدفون ہیں۔ بعد میں انہوں نے اپنی بات سے رجوع کر لیا تھا۔ آج کل پھر کسی نے اس قسم کا مضمون لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بیسیوں ایسے بندے ہیں جنہیں کشف القبور حاصل ہے، وہ جانتے ہیں، بلکہ دیکھتے ہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی آخری آرام گاہ یہی ہے۔ قلعہ کی زمین دوز قبر والے بزرگ اور ہیں، اگرچہ ان کا نام بھی سید علی ہے۔

میاں صاحب کا دل اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت کے جذبے سے سرشار ہوا تو پھر وقتاً فوقتاً بڑے دل نشیں انداز میں لوگوں کو بھی اس محبت و اطاعت کی تلقین کرتے رہتے تھے۔

ایک کالم میں لکھتے ہیں:

تصوف یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی شدید محبت میں گلا کر حضور اکرم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے اُسوۂ حسنہ کے سانچے میں ڈھال لیا جائے،

اس راہ کی دوسری چیز ذکر ہے جو عشق ہی کا لازم ہے، جس سے محبت ہو گی، خود بخود ہر وقت زبان پر اس کا ذکر رہے گا۔ تیسری چیز زبان کی سچائی اور چوتھی حلال کی کمائی ہے۔ [1]

دین متین کی طرف طبیعت مائل ہونے کے بعد پنجگانہ نماز کے پابند ہو گئے، نماز تہجد ادا کرنے لگے۔ قرآن پاک کی تلاوت اور مطالعہ کی لگن پیدا ہوئی، نفلی روزے رکھتے ۱۹۵۰ء میں پہلی دفعہ اعتکاف بیٹھے۔ پھر یہ سلسلہ جاری رہا۔ ۱۹۷۹ء میں رمضان المبارک کے دوران مسجدِ نبوی اور بیت اللہ شریف میں اعتکاف کی سعادت ملی، اولیاء کرام کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا شوق پیدا ہوا، اس سے پہلے وہ مزاروں پر جانے کو بہت بُرا سمجھتے تھے۔ ۱۹۶۶ء میں انہوں نے اپنی ڈائری میں لکھا کہ وہ مندرجہ ذیل بزرگوں سے رُوحانی فیض حاصل کر چکے ہیں:

۱- جلال الدین اکبر صاحب، سابق ہیڈ ماسٹر اسلامیہ مڈل سکول، ملتان روڈ لاہور

۲- مولوی محمد رمضان صاحب،

۳- حضرت میاں میر صاحب

۴- حضرت داتا گنج بخش صاحب (رحمہم اللہ تعالیٰ)

حضرت پیرانِ پیر سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیف الفتح الربانی سے بھی بہت فیض حاصل کیا اور اُنہی کے نام سے نورِ بصیرت کی پہلی جلد معنون کی، جو نومبر ۱۹۸۱ء میں مکتبہ ندائے ملت، لاہور نے شائع کی۔

میاں صاحب، علامہ اقبال رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریروں سے بھی بہت زیادہ متاثر تھے

---

[1] محمد محسن، میاں (فرزند میاں صاحب) روزنامہ نوائے وقت، ۱۷ ستمبر ۱۹۹۲ء

وہ کہتے تھے کہ علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے قرآن پاک ہی کے موتی اپنے اشعار میں پروئے ہیں۔ نورِ بصیرت کی دوسری جلد کا انتساب بھی علامہ کے نام کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کے کلام نے میرے اندر عشقِ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چنگاری روشن کی

من چہ گویم از تولّایش کہ چیست
خشک چوبے در فراقِ اُو گریست
[1]

اسی طرح میاں صاحب امام احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی بہت متاثر تھے، جن دنوں نوری مسجد، ریلوے اسٹیشن، لاہور میں یوم رضا کا اجلاس بڑے اہتمام عقیدت سے ہوا کرتا تھا، میاں صاحب صفر المظفر کے مہینے میں امام احمد رضا قدس سرہ کی دینی اور ملی خدمات پر دو دو تین تین دن کالم لکھ دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مجلس رضا، لاہور کے سیکرٹری جناب ظہور الدین کو فرمانے لگے کہ تمہارا آدھا کام تو میں کر دیتا ہوں امام احمد رضا بریلوی اور علامہ اقبال (قدس سرہما) کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت احمد رضا خاں بریلوی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے مسلمانوں کے سینوں کے اندر سے حضور اکرم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی محبت کے چراغ کو بجھنے سے بچایا اور علامہ اقبال (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے مغربی تعلیم یافتہ نوجوانوں کے دلوں میں حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی محبت کا چراغ روشن کیا اور اس طرح ان دونوں حضرات نے برِ عظیم کے مسلمانوں کے ایمان کو تباہ ہونے سے بچالیا۔ [2]

درج ذیل سطور میں میاں صاحب کے لکھے ہوئے چند کالم پیش کئے جاتے ہیں

---

[1] محمد محسن، میاں: روزنامہ نوائے وقت، ۱۷ ستمبر، ۱۹۹۲ء

[2] عبد الرشید، میاں: " " کالم نورِ بصیرت، ۲۳ اگست ۱۹۹۱ء

تاکہ قارئین کرام اندازہ کرسکیں کہ وہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے مشن کے کتنے مداح اور عقیدت مند تھے۔

حضرت احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ (۱)

(۲۶ر نومبر ۱۹۸۳ء (کالم نورِ بصیرت، نوائے وقت)

حضرت احمد رضا خاں بریلوی (رحمہ اللہ تعالیٰ) تقویٰ، علم اور فراست میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ عشق رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم آپ کا امتیازی وصف تھا۔ آپ اُن چند صاحبِ بصیرت حضرات میں سے تھے جنہوں نے گاندھی کی اُڑائی ہوئی آندھی کے دوران ہوش وحواس برقرار رکھے اور اس کے دام میں پھنسنے سے انکار کردیا، چونکہ پریس سارا ہندو کے ہاتھ میں تھا، اس لئے آپ کے خلاف الزام تراشی اور بدنامی کی زبردست مہم چلائی گئی۔ جب گاندھی کمال ہوشیاری سے خلافت کی خالصتاً اسلامی، بلکہ وحدتِ عالمِ اسلام (پین اسلامزم) پر مبنی تحریک کو اُلٹا یہاں کے مسلمانوں کے اندر متحدہ اور مخلوط ہندوستانی قومیت کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے استعمال کر رہا تھا اور بہت سے مسلم زعماء اس کے جھانسے میں آکر اِس مشرک اور بُت پرست کو اپنا لیڈر تسلیم کر کے اسے مسجدوں میں منبرِ رسُول پاک پر بٹھا کر اس سے تقریریں کرا رہے تھے اور مسجدوں کے اندر جمُعہ کے خطبات میں برملا اُس کی تعریف کر رہے تھے۔

حضرت احمد رضا خاں رحمہ اللہ تعالیٰ نے برملا کہا کہ انگریز عیسائی ہونے کے سبب اہلِ کتاب کافر ہے، اس لئے ایک ہندو کی قیادت میں اور ہندوؤں کے تعاون سے مسلم تحریک چلانے کا کوئی جواز نہیں، نہ حکومت کی گرانٹ سے چلنے والے اسلامی تعلیمی اداروں کو بند کرنے کا کوئی جواز ہے کیونکہ حکومت جو کچھ دیتی ہے، وہ ہمارے اپنے ٹیکسوں سے

حاصل شدہ آمدنی میں سے دیتی ہے۔ صورتِ حال یہ تھی کہ ہندو اپنے سکول، کالج اور یونیورسٹیاں تو بند نہیں کرتا تھا، مگر ترکِ موالات کے نام پر ہم سے ہمارے معدودے چند کالج اور ایک آدھ یونیورسٹی بند کرانے کے پیچھے پڑا ہوا تھا تاکہ نہ مسلم نوجوان تعلیم حاصل کریں، نہ اس کے مجنگل سے نکلنے کی کوشش کریں اور وہ انہیں اسی طرح اپنے مفاد کے لئے استعمال کرتا رہے۔

حضرت احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور اُن کے ساتھی اپنا ملک چھوڑ کے چلے جانے کے بھی مخالف تھے، وہ یہ کہتے تھے کہ یہ ملک ہمارے آبار نے اپنا خون بہا کر حاصل کیا تھا، ہم کیوں اسے چھوڑ کے جائیں۔

حضرت احمد رضا خاں بریلوی (قدس سرہ) (۲)

(۲۷ نومبر ۱۹۸۳ء (نورِ بصیرت، نوائے وقت)

اقبال اور قائد اعظم (رحمہا اللہ تعالیٰ) دونوں اس بات کو خوب سمجھتے تھے کہ ترکی کی شکست، خلیفۂ ترکی کی معزولی اور سلطنتِ عثمانیہ کی بندر بانٹ سے مسلمانوں میں جو دکھ اور غصہ پیدا ہوا تھا اور اُس کے نتیجہ میں خلافت کے نام پر جو تحریک اٹھی تھی، اسے ہندو رہنما گاندھی کس طرح اُلٹا مسلمانوں کے مفاد کے خلاف اور ہندوؤں کے حق میں استعمال کر رہا ہے۔

علامہ اقبال (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے لکھا ؎

نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا — خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے — مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشاہی

قائدِ اعظم نے انڈین نیشنل کانگریس کے سالانہ اجلاس منعقدہ ناگپور میں ترکِ موالات کی پالیسی کی جسے تحریکِ خلافت کا حصہ بنا دیا گیا تھا، علی الاعلان مخالفت کی،

مگر گبی نے قائد اعظم کی بات نہ سُنی اور وہ کچھ عرصہ کے لئے میدانِ سیاست سے ہٹ گئے۔

اس نازک موقع پر حضرت احمد رضا خاں رحمہ اللہ تعالیٰ اور اُن کے ساتھی میدان میں ڈٹ گئے اور انہوں نے قریہ قریہ پھر کر اور کانگرس کے حامیوں سے عام جلسوں میں مناظرے کر کے مسلم عوام کو ہندو کے ہاتھ میں کھیلنے کے خطرناک نتائج سے خبردار کیا۔ ویسے تھی بھی یہ عجیب منطق۔ خالصتاً اسلامی تحریک کی قیادت ایک مشرک اور بُت پرست کو سونپنا، عالمِ اسلام کی حمایت کرتے ہوئے ہندی نیشنلزم اپنانا، مغربی جمہوری طرزِ حکومت کی حمایت کرنا اور اپنے لوگوں کو مُلک سے باہر بھیج کر اپنے ووٹ کم کرنا اور ہندو غلبہ کے لئے راہ ہموار کرنا۔

حضرت بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک اور اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس دور میں جبکہ نام نہاد یورپی مستشرقین، انگریزی حکومت کے چھاتے تلے آتے۔ عیسائی، پادری، زبان دراز ہندو (اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے) بعض متشدد مسلمان بھی جنابِ رسُولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کے مرتکب ہو رہے تھے، وہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اور آن کی خاطر سینہ سپر ہو گئے۔

اقبال (علیہ الرحمہ) نے انگریزی تعلیم یافتہ مسلم نوجوانوں کے دلوں میں عشقِ رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جوت جگائی، تو حضرت بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسلم عوام کے دلوں میں یہ آگ روشن رکھی۔

حضرت احمد رضا خان بریلوی (قدس سرہٗ) (۱)

(۱۱ر صفر المظفر، ۲۲ر اگست ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۱ء، نورِ بصیرت، نوائے وقت)

حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے برِصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو سیاسی خودکشی سے بچانے اور ان کے ایمان کو اندرونی اور بیرونی حملوں سے محفوظ

رکھنے کے لئے گراں قدر اور قابلِ ستائش خدمات سر انجام دیں۔ پہلی عالمی جنگ میں کامیابی کے بعد برطانیہ فتح کے نشے میں چُور تھا اور وزیرِ اعظم لائڈ جارج، ترکی کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے پر تلا ہوا تھا۔ خلافتِ عثمانیہ کے سارے حصے ترکوں کی گرفت سے نہ صرف نکل چکے تھے، بلکہ ان کے خلاف استعمال ہو رہے تھے۔ ترکوں کے حق میں صرف ایک آواز اُٹھی اور وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی تھی۔ اگرچہ ہم خود برطانیہ کے غلام تھے، لیکن برطانیہ نے جو کچھ ترکوں کے ساتھ کیا، اس پر شمال سے لے کر جنوب اور مشرق سے لے کر مغرب تک اس برِ عظیم کا ہر مسلمان تڑپ اُٹھا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بادشاہی مسجد لاہور کے جلسۂ عام میں اپنی مشہور نظم خضرِ راہ پڑھی، جس کے حِصّہ دنیائے اسلام کا آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے ؎

کیا سُناتا ہے مجھے ترک و عرب کی داستاں
مُجھ سے کچھ پنہاں نہیں، اسلامیوں کا سوز و ساز
لے گئے تثلیث کے فرزند میراثِ خلیل
خشتِ بنیادِ کلیسا بن گئی خاکِ حجاز

جب وہ اس شعر پر پہنچے ؎

ہو گئی رسوا زمانے میں کلاہِ لالہ رنگ
جو سراپا ناز تھے، ہیں آج مجبورِ نیاز

تو انہوں نے اپنے سر پر پہنی ہوئی سُرخ ترکی ٹوپی اتار کر زمین پر پھینک دی۔ ہر آنکھ اشکبار تھی۔ بعض لوگ زار و قطار رو رہے تھے۔

تحریکِ خلافت اٹھی، اور بڑے زور و شور سے اٹھی، مگر اس کے کوتاہ اندیش لیڈروں نے اس پین اسلامک تحریک کو تنگ نظر ہندو نیشنلزم کی جھولی میں ڈال دیا، اور انگریزوں سے خلافت بحال کرانے کے لئے یہ نسخہ تجویز کیا کہ مسلمان اس ملک سے ہجرت

کر جائیں (اور ملک ہندوؤں کے لئے چھوڑ جائیں) اس نسخہ کا دُوسرا جُزو یہ تھا کہ مسلمان اپنی تعلیمی درس گاہیں بند کر دیں تاکہ ان کی آئندہ نسلیں ہمیشہ کے لئے ہندو کی غلام بنی رہیں۔

مسلمانوں کی یہ لیڈر شپ سیاسی لحاظ سے دیوالیہ ہونے کے ساتھ ساتھ مذہبی لحاظ سے بھی "پیدل" تھی۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے مشرک اور بُت پرست ہندو لیڈروں کو مسجدوں میں بُلایا اور منبرِ رسولِ پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بٹھا کر اُن سے تقریریں کرائیں۔ قائدِ اعظم نے اس طوفانِ بدتمیزی کے خلاف کھڑا ہونا چاہا مگر کسی نے اُن کی ایک نہ سُنی، وہ انگلستان چلے گئے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ چند اشعار کہہ کر چُپ ہو کے بیٹھ گئے ؎

نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا | خلافت کی کرنے لگا تُو گدائی
خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے | مُسلماں کو ہے ننگ وہ پادشاہی

اس موقعہ پر حضرت احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ اور اُن کے احباب، رفقاء اور عقیدت مند ہی تھے، جنہوں نے میدان میں آکر ہجرت اور ترکِ موالات جیسی نقصان دہ تحریکوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ انہوں نے کہا: ہمارے بزرگوں نے یہ ملک اپنا خون دے کر حاصل کیا تھا، ہم کیوں اسے چھوڑ جائیں۔

حضرت احمد رضا خاں بریلوی (قدس سرہٗ) (۲)

(۱۲ صفر المظفر، ۲۳ اگست ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۱ء، کالم نورِ بصیرت نوائے وقت)

حضرت احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس برِّعظیم کے مسلمانوں کو نہ صرف سیاسی خودکشی سے بچایا، بلکہ انہیں اپنا دین و ایمان اپنے ہی ہاتھوں تباہ کرنے سے بھی محفوظ رکھا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی

میں ہماری شکست کے بعد یورپی مستشرقین اور عیسائی پادریوں نے جنابِ رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کی زبردست مہم کا آغاز کر دیا۔ انہیں صحیح طور سے بتایا گیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو کمزور رکھنے کے لئے دو کام کریں، ایک ان کے دلوں سے جنابِ رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت وعظمت نکال دیں اور دوسرے ان کے اندر سے جہاد کا جذبہ اور شہادت کا شوق ختم کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے اس مقصد کے لئے یہ غیر شریفانہ مہم چلائی، بعد میں آریہ سماجی ہندو بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ اور نہایت دُکھ سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ بعض مسلمان بھی دانستہ یا غیر دانستہ اس شرمناک مہم میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے بھی مختلف حیلوں بہانوں سے مسلمانوں کے دلوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب واحترام کم کرنے کی کوشش کی۔ کبھی اسے "شرک" بتایا، کبھی "بدعت" اور کبھی اسے شخصیت پرستی کا نام دیا۔ میں نے بچپن میں اپنی آنکھوں سے مسلمان علماء کے درمیان ایسے مناظرے ہوتے دیکھے ہیں، جن میں ایک فریق آنجناب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کو کم کر کے دکھانے کی کوشش کرتا۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ عام مسلمان نہ صرف ان مناظروں کو برداشت کرتے، بلکہ ان میں سے بعض ایسے "علماء" سے ہمدردی بھی جتاتے تھے۔

آج ہم ایسے مناظروں کا تصور بھی نہیں کر سکتے، اب تو یہ حالت ہے کہ ان علماء کے ماننے والے بھی معذرت خواہانہ انداز میں کہتے ہیں کہ ہمارے بزرگ بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عقیدت مند تھے اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں نعتیہ اشعار لکھے ہیں۔ اگر حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس طوفان کے خلاف اُٹھ کھڑے نہ ہوتے، تو آج یہاں کے حالات مختلف ہوتے۔ یہاں کے بہت سے عوام بلکہ خواص بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت وعقیدت سے محروم ہو کر اپنا ایمان

کھو چکے ہوتے۔

قرآن پاک میں تقویٰ کو عزت کا معیار اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ادب کو تقویٰ کا معیار قرار دیا گیا ہے۔ حدیث شریف کے مطابق جس شخص میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت نہیں، اس میں ایمان نہیں، جیسے مسلم اور کافر میں فرق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے یا اس سے انکار کرنے کا ہے، اس طرح مومن اور منافق میں فرق حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ادب و احترام رکھنے یا نہ رکھنے کا ہے۔

مگر اس دور میں نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ بعض لوگ حج پر جاتے تو مکہ مکرمہ ہی سے لوٹ آتے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضری دینا شرک سمجھتے۔ حضرت احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نعت کا ایک شعر ہے ؎

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے، کعبے کا کعبہ دیکھو

حضرت احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسلمانوں کے سینوں کے اندر سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے چراغ کو بجھنے سے بچایا اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مغربی تعلیم یافتہ نوجوانوں کے دلوں میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا چراغ روشن کیا اور اس طرح ان دونوں حضرات نے برِ عظیم کے مسلمانوں کے ایمان کو تباہ ہونے سے بچا لیا۔

میاں صاحب، تحریکِ پاکستان کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

"گاندھی کی آندھی نے جو خاک اڑائی تھی، اس میں بڑوں بڑوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور بینائی زائل ہو گئی، مگر علامہ اقبال اور قائدِ اعظم (رحمہما اللہ تعالیٰ) کے علاوہ تیسری بڑی شخصیت جو اس شور و غوغا اور ہلڑ بازی سے قطعاً متاثر نہ ہوئی وہ حضرت احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ تھے۔ آپ نے ان دنوں بھی

اس بات پر زور دیا کہ ہمیں اپنی دونوں آنکھیں کھلی رکھنی چاہئیں ۔ انگریز اور ہندو دونوں ہمارے دشمن ہیں ۔ کانگرسی مسلمانوں نے صرف اپنی ایک آنکھ کھلی رکھی تھی، وہ صرف انگریز کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں ۔ ان دنوں چونکہ سارے پریس پر ہندوؤں کا قبضہ تھا، اس لئے حضرت احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ اور آپ کے ہم خیال لوگوں کے خلاف سخت پروپیگنڈا کیا گیا اور بدنام کرنے کی مہم چلائی گئی، لیکن تاریخ نے انہی حضرات کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اب باطل پراپیگنڈے کا طلسم ٹوٹ رہا ہے اور حق کھل کر سامنے آرہا ہے[۱]

ادب رسالت مآب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

(۱۹ ربیع الاوّل، ۱۸ ستمبر، ۱۴۱۳ھ / ۱۹۹۲ء کالم نورِ بصیرت)

کتاب رسولِ رحمت، مرتبہ مولانا غلام رسول مہر میں سیرتِ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ابوالکلام آزاد کے مقالات ہیں ۔ اس میں سے مولانا ابوالکلام آزاد کے ایک مقالہ کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں ؛

"بے شک سچا ادب و احترام وہی ہے جو دل سے ہو نہ کہ صرف زبان سے، مگر صرف اسی پر موقوف نہیں، انسان کا کوئی اعتقاد اور خیال ایسا نہیں جس کا گھر "دل کی جگہ" "حلق" میں ہو۔

لیکن اس کے ساتھ یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ دل کے اعتقاد کا ترجمان کون ہے؟ کیونکہ معلوم ہو کہ یہ دل ابوذر غفاری (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا ہے اور یہ دِل ابوجہل شقی کا؟ جواب صاف ہے کہ صرف اعمال اور زبان کا اعتراف ۔ اگر یہ نہ ہو تو دُنیا میں سیاہ و سفید کی تمیز ہی اُٹھ جائے ۔ قانون کو دیکھئے کہ وہ نیت اور ارادہ کو ان کی پوری جگہ دینے

---

[۱] عبدالرشید، میاں ؛ پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر (ادارہ تحقیقات پاکستان، لاہور) ص ۱۲۰

سے انکار نہیں کرتا، لیکن ساتھ ہی اگر آپ عدالت میں جا کر مجسٹریٹ کو "یور آنر" کی جگہ تم کہہ کر خطاب کیجیے گا، تو آپ کتنا ہی کہیں کہ تعظیم کی جگہ دل ہے۔ زبان نہیں، لیکن امید نہیں کہ وہ آپ کو دفعہ ۱۰۷ سے بری کر دے۔"

" مذہب بھی ایک روحانی قانون ہے، اس نے خود ہی الاعمال بالنیات (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے) کا اصول قائم کیا ہے، لیکن ساتھ ہی اعمال ظاہری و لسانی کو بھی وہ اہمیت دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود قرآن مجید کے بار بار اظہار کے ایمان کا تعلق محض دل و اعتقاد سے ہے، ہم نے یہ نہایت سچی تعریف اسلام کے عقائد میں تسلیم کر لی ہے کہ اقرار زبان سے، تصدیق دل سے اور عمل اعضاء و جوارح سے۔"

" آپ کہتے ہیں کہ تعظیم کی اصل جگہ دل ہے، میں کہتا ہوں چونکہ دل ہے، اس لئے آج کل کے تعلیم یافتہ اشخاص کی زبان اور عمل اس سے خالی ہیں۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ جو نام دل کو محبوب ہو، وہ زبان پر گزرے اور محبت و احترام سے خالی ہو۔"

" سورۃ الحجرات گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو اتنا بھی گوارا نہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جناب میں کوئی اونچی آواز سے گفتگو کرے، چہ جائیکہ تعظیم و تکریم کے بغیر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام لیا جائے۔"

تمام قرآن پاک میں ایک جگہ بھی آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا نام لے کر خطاب نہیں کیا، بلکہ جہاں کہیں پکارا یا تو صدائے تعظیم و تکریم سے مثلاً یاایھا الرسول، یاایھا النبی یا پھر صدائے محبت و عشق ہے؛ یاایھا المزمل، یاایھا المدثر حتیٰ کہ جس شہر کی خاک آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے قدموں سے مس ہوئی ہے، وہ بھی اس درجہ محبوب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی قسم یاد فرماتا ہے۔ (سورۃ البلد)

حقیقت یہ ہے کہ دلی اعتقاد ایک بیج ہے جو بغیر محبت کے بارآور نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی تعظیم و تکریم پر زور دیا گیا ہے اور

ارشاد ہے کہ تعزّروہ و توقّروہ (سورۃ الفتح)
"یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام بجالاؤ۔"
محبت اختیاری ہونے کا سوال تو جب پیدا ہو، جب محبت اور ایمان دو چیزیں ہوں۔ حالانکہ ایمان از سرتاپا محبت ہے اور وہ ایمان نہیں، جو محبت سے خالی ہو۔"

بے ادبی و گستاخی

(۲۸ نومبر ۱۹۸۳ء (کالم نورِ بصیرت) نوائے وقت)

مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی مترجم فصوص الحکم مصنفہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں،

"بعض ضعیف العقل اہلِ نظر نے جب دیکھا کہ یہ مسلم مسئلہ ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ، تو اللہ تعالیٰ پر ایسے امور کو جائز سمجھنے لگے جو منافی حکمت اور خلاف نفس الامر ہوتے ہیں، مثلاً ایجادِ مثل (یعنی اپنے جیسا اور خدا پیدا کرنا)، انعام کے مستحق کو عذاب میں ڈالنا، امکانِ کذب باری تعالیٰ۔"

"اللہ تعالیٰ ایسا کامل ہے کہ خود اپنے میں نقص پیدا نہیں کر سکتا۔ ذاتِ حق تعالیٰ میں عیوب محال ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس میں تمام صفاتِ کمالیہ جمع ہیں اور وہ ناقابلِ تغیر ہے الاٰن کما کان۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے جیسا دوسرا خدا پیدا کر سکتا ہے یا (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ خودکشی کر سکتا ہے۔" (صفحہ ۱۴)

برِعظیم پاک و ہند میں انگریزوں کے آنے کے فوراً بعد یہاں کے بعض نئے ابھرتے ہوئے علماء نے اس قسم کے مسائل کو اپنی کتابوں کے موضوع بنا کر لوگوں کے ذہنوں میں انتشار اور امت مسلمہ کے اندر افتراق پیدا کرنے کی کوشش کی۔ آخر ایسے مسئلے پیدا کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتے ہیں یا نہیں اور یہ کہ اگر تسلیم کیا جائے کہ

اللہ تعالیٰ جھوٹ نہیں بول سکتے، تو اس سے ان کی قدرت کا محدود ہونا لازم آتا ہے۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں گستاخی و بے ادبی نہیں۔؟

اسی طرح یہ مسئلہ اٹھانا کہ اللہ تعالیٰ جنابِ رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جیسا اور پیغمبر پیدا کر سکتے ہیں یا نہیں ؟ ختمِ رسالت کے بارے میں اُلجھاؤ پیدا کرنا نہیں تو کیا ہے؟ جب یہ مسلمہ بات ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام پیغمبروں اور نبیوں سے افضل ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت و رسالت ختم ہے، تو پھر ایسی باتیں کرنے کی گنجائش ہی کیا رہ جاتی ہے؟

دین سراپا ادب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ادب، جنابِ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب، احکامِ شرعیہ کا ادب ۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی جناب میں گستاخی کرتے ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بے ادبی کے مرتکب ہوتے ہیں، انھیں علمائے اسلام کہنا سوءِ ادب ہے۔"

میاں صاحب پورے اخلاص کے ساتھ مختلف فرقوں میں پائے جانے والے اختلاف کے خاتمہ کے خواہاں تھے اور گاہے بگاہے اس مقصد کے لئے تجاویز بھی پیش کرتے رہتے تھے ۔ ۲ جولائی ۱۹۹۴ء کا کالم ملاحظہ ہو:

اتحاد بین المسلمین (۳)

(۲ جولائی ۱۹۹۴ء (کالم نورِ بصیرت)، روزنامہ نوائے وقت)

توحیدِ خالص اور ادب و احترامِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بنیادی چیزیں ہیں، ان کے بغیر کوئی شخص مسلم کہلانے کا حقدار نہیں۔

برِ اعظم پاک و ہند کے ان اسلامی فرقوں میں جو قرآن پاک کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت پر ایمان رکھتے ہیں۔ نظریاتی لحاظ سے ایسا کوئی اختلاف نہیں۔ یہ فرقے

نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج جیسے بنیادی ارکانِ اسلام تقریباً ایک ہی طرح ادا کرتے ہیں۔ فرق ہے تو معمولی سا مثلاً امام کا مُصلّیٰ صفِ اوّل سے ملا ہوا ہو یا اس میں کچھ فرق ہو، نماز کے بعد امام پوری طرح نمازیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے یا ذرا دائیں جانب رُخ رہے۔ نمازِ جنازہ کے بعد متوفّی کے لئے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی جائے یا نہ کی جائے۔ مصافحہ کرتے وقت دونوں ہاتھ سے مصافحہ کیا جائے یا ایک ہاتھ سے۔"

بریلوی اور دیوبندی دونوں فرقوں میں تصوّف کے معروف روحانی سلسلوں (نقشبندی، قادری) سے تعلق رکھنے والے حضرات بکثرت موجود ہیں۔ اہل حدیث کے اوّلین پیشوا سید اسماعیل دہلوی اپنے مرشد سید احمد بریلوی سے باقاعدہ بیعت تھے اور ذکر، اذکار اور درود وظائف کے قائل تھے۔ سید داؤد غزنوی کے والدِ محترم سید عبد الجبار غزنوی بھی باقاعدہ بیعت لیتے تھے اور درود وظائف کی تلقین کرتے تھے۔ عام اہل حدیثوں کے برعکس ان کی طبیعت میں خشوع و خضوع بہت تھا۔ نماز کے دوران رو رو کر ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔ سید داؤد غزنوی کے فرزند سید ابوبکر غزنوی بھی باقاعدہ ذکر کراتے تھے۔ شیرانوالہ دروازہ لاہور کے مولانا احمد علی اور بعد میں اُن کے فرزند بھی ذکر کی باقاعدہ مجالس منعقد کراتے تھے۔

ان فرقوں میں اختلاف کی اصل بنیاد تین چار ایسے فقرے ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ اور جنابِ رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی شانِ اقدس میں سخت گستاخی کی گئی ہے مثلاً" یہ کہ (۱) جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ نہیں بول سکتا، وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو محدود کرتا ہے۔ (نعوذ باللہ)

(۲) نماز میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا خیال آجائے تو (معاذ اللہ) فلاں فلاں جانور کے خیال سے بدتر ہے (حالانکہ التحیات، کلمہ شہادت اور درود شریف نماز کا حصہ ہیں اور ان میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا اسم مبارک موجود ہے۔

(۳) (نعوذ باللہ) شیطان کا علم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے علم سے بڑھ کر ہے۔
جن لوگوں نے یہ فقرے اپنی کتابوں میں لکھے ہیں، وہ اب اِس دُنیا میں نہیں۔ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، لیکن جو لوگ اس وقت موجود ہیں، انہیں چاہیے کہ وہ ملت مسلمہ کے اتحاد کی خاطر (جس کی اس وقت شدید ضرورت ہے) ان فقروں کی مذمت کریں۔ آخر اللہ تعالیٰ اور جناب رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے کسی شخص کی کیا حیثیت ہے؟ اگر یہ لوگ ان فقروں کی مذمت نہیں کر سکتے، تو ان سے لاتعلقی کا اظہار کر دیں، کم از کم ان کی حمایت تو نہ کریں۔

۱۸ راگست ۱۹۹۵ء کا کالم ملاحظہ ہو؛ (نورِ بصیرت، نوائے وقت)

پاکستان کا پس منظر (۲)

علی گڑھ تحریک اور تحریکِ دیوبند دونوں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے علمی سرچشمہ سے پھوٹیں، مگر برطانوی عملداری کے تحت ہند میں مغربی افکار کی یورش کے دوران دونوں تحریکوں کا ردِ عمل بالکل مختلف رہا۔ علی گڑھ تحریک ان افکار کو اپنانے کے لیے آگے بڑھی۔ دیوبند مکتبِ فکر نے ان کا مکمل بائیکاٹ کیا۔ علی گڑھ والوں نے مغربی طرز کے سکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں کی حمایت کی اور اسلامی افکار کو مغربی افکار سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ سرسید نے اس کوشش میں ٹھوکریں بھی کھائیں۔ ابتداً میں مسلم نوجوانوں پر مغربی تعلیم کے اثرات بھی مایوس کن نکلے، لیکن بالآخر سرسید کی پالیسی کامیاب ثابت ہوئی اور بعد میں اسی مغربی تعلیم یافتہ گروہ نے مسلمانانِ ہند کو سیاسی اور فکری قیادت مہیا کی۔ علامہ اقبال، قائدِ اعظم، محمد علی جوہر، ظفر علی خاں، علامہ مشرقی سب نے اعلیٰ مغربی تعلیم پائی تھی۔

عجیب بات یہ ہے کہ علی گڑھ والوں نے جو یورپ کے لئے فراخ دلانہ جذبات رکھتے تھے، یورپ کے سب سے اہم نظریہ وطنیت یا نیشنلزم کو مسترد کر دیا، حالانکہ ان دنوں یورپ

میں اس نظریہ کی پرستش کی حد تک مقبولیت تھی اور دیوبند والوں نے جو مغربی افکار و نظریات کے کٹر مخالف تھے۔ اس نظریہ کو جو ایک طرح کی بُت پرستی تھی، اپنایا۔ دُوسری عجیب بات یہ دیکھنے میں آئی کہ علی گڑھ والے بہت پہلے ہندو ذہنیت کی انتہائی اسلام دشمنی کو بھانپ گئے اور انہوں نے علیحدہ اسلامی تشخص پر زور دیا، لیکن دیو بند والے ہندو سے، جو مشرک اور دشمن اسلام ہے، تعاون پر زور دیتے رہے، چنانچہ اس چھاپ کے کئی باقیات آج تک اسی سوچ پر قائم ہیں۔

جب سے انگریز اس برِ عظیم میں آیا، ہندو اس سے تعاون کرتا رہا اور اس کی سرپرستی سے مسلمانوں کی جاگیروں اور تجارت پر قابض ہوتا گیا۔ ہندو نے انگریز کے خلاف ایجی ٹیشن اس وقت شروع کی، جب وائسرائے لارڈ کرزن نے مشرقی بنگال اور اور آسام کو مسلم اکثریت کا نیا صوبہ بنایا۔ اگر وہ صوبہ قائم رہتا تو آسام مشرقی پاکستان یا موجودہ بنگلہ دیش کا حصہ ہوتا۔

دوسری طرف، یہاں مسلمانوں کی طرف سے انگریز کے خلاف سیاسی ایجی ٹیشن پہلی عالمی جنگ میں ترکی کی شکست کے بعد مغربی اتحادیوں (جن میں برطانیہ پیش پیش تھا) کے ہاتھوں خلیفۂ ترکی کی معزولی کے خلاف ردِ عمل کے طور پر شروع ہوئی۔ اسی سے دونوں قوموں کے مزاج کا تفاوت ظاہر ہے۔

مگر ہندو کی عیاری دیکھیے کہ اس نے تحریکِ خلافت کا رُخ نیشنلزم کی طرف موڑ دیا، جو پان اسلامزم کی ضد ہے۔ دوسری طرف ایک عالم فاضل مسلمان کو اپنا آلہ کار بنا کر اس تحریک کو ہجرت اور عدم تعاون میں تبدیل کر دیا۔ ہجرت کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان یہ ملک ہندو کے لئے ہمیشہ کے لئے خالی کر جائیں۔ عدم تعاون کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان اپنے سکول اور کالج بند کر دیں۔ یعنی تعلیم جدیدہ سے محروم ہو کر ہندوؤں کے مقابلہ میں دوسرے درجہ کی حیثیت سے رہیں۔ دیوبند مکتبِ فکر نے ہندو کے چکر میں آ کر ہجرت اور عدم تعاون کی بھرپور حمایت کی۔

۱۴ اکتوبر ۱۹۹۲ء کا کالم بھی لائقِ توجہ ہے۔ (نوائے وقت)

درخت اور طوفان

کہتے ہیں درخت جتنا عظیم ہو، اتنے ہی سخت طوفانوں کا اُسے سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جنابِ رسُولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسلام کا پودا لگایا۔ پھر دن رات کی محنتِ شاقہ سے اور اپنا اور اپنے ساتھیوں کا خون دے کر اسے سینچا۔ یہاں تک کہ اس کی جڑیں زمین میں گہری ہوتی چلی گئیں اور اس کی شاخیں آسمان تک بلند ہوئیں اور یہ درخت ہر آن پھل دینے لگا۔

جنابِ رسُول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس دُنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ارتداد کا سخت طوفان آیا، لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ عشقِ رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کی سب سے بڑی قوت تھا، اس لئے آپ نے اس پر جلدی قابو پا لیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت کے آخری برسوں میں ایک اندھے بہرے فتنہ کی سُرخ آندھی چلی، جو دیکھتے ہی دیکھتے سارے عرب پر چھا گئی۔ آندھی اتنی سخت تھی کہ کسی کو کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ تلواریں اپنوں ہی کا خون چاٹنے لگیں۔ باہمی خانہ جنگی میں اتنے مسلمان مارے گئے، جو ابتدائے اسلام سے اس وقت تک کفار کے خلاف جنگوں میں بھی شہید نہیں ہوئے تھے۔ اس فتنہ نے زبردست جانی نقصان پر ہی اکتفا نہ کی بلکہ فتنہ پردازوں نے کمال چالاکی سے اس کے رُخ کو جو ابتداء میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف تھا، خلفائے راشدین کی طرف موڑ کر انہیں متنازعہ شخصیتیں بنا دیا اور اسے عقیدہ کا رنگ دے کر اُمتِ مُسلمہ میں ہمیشہ کے لئے پھُوٹ کا سامان کر دیا۔

کئی سو سال بعد ایک اور طوفان اٹھا اور سارے عالمِ اسلام پر چھا گیا۔ وحدت الوجود کا فلسفیانہ اور متصوفانہ عقیدہ تھا، جو عوام تک پہنچتے پہنچتے ہمہ اُوست کا عقیدہ بن گیا۔

کئی سو برس اور گزر گئے۔ اب کے عقیدۂ توحید کو بحال کرنے کے دعوے سے ایک تحریک اٹھی، مگر اس نے توحید کی بحالی کے ساتھ جنابِ رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی شخصیتِ عظیمہ کو خواہ مخواہ متنازعہ بنا دیا۔

برِ عظیم پاک و ہند میں اور بھی کئی طوفان اُٹھے، مثلاً اکبر کا دینِ الٰہی، یورپی افکار کی یلغار، قادیانی فتنہ، انکارِ حدیث کا فتنہ ..... مگر ان کے اثرات بہت حد تک زائل ہو چکے ہیں، البتہ پہلے تین طوفانوں کے اثرات ابھی تک موجود ہیں اور ہمارا باہمی انتشار بڑھا رہے ہیں

اگر ہماری سمجھ میں یہ بات آجائے کہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تکریم ایک لحاظ سے جنابِ رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تکریم ہے، کیونکہ انجناب (نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کے اوّلین ساتھی اور براہِ راست تربیت یافتہ تھے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعظیم، اللہ تعالیٰ ہی کی تعظیم ہے، کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے معظم رسول ہیں، تو ہمارے بہت سے باہمی مناقشات اپنے آپ ختم ہو جائیں۔

یہاں کے بعض مصنفین نے جو آخری تحریک کے زیرِ اثر تھے۔ اپنی کتابوں میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں ایسے فقرے لکھے ہیں، جو ادب و احترام کے منافی ہیں۔ اگر ایک فریق ایسے فقروں سے لاتعلقی کا اظہار کر دے اور دوسرا موجود لوگوں کے بارے میں حسنِ ظن سے کام لے تو باہمی اتفاق کی راہ آسانی سے ہموار ہو سکتی ہے۔

میاں صاحب طالب علمی کے زمانہ میں ہی تحریکِ پاکستان کے زبردست حامی اور مبلغ تھے۔ مسلم لیگ کے ۱۹۴۰ء کے لاہور میں منعقد ہونے والے جلسۂ عام میں اپنے والدِ گرامی اور چھوٹے بھائی کے ساتھ شریک ہوئے اور عمر بھر پاکستان کی بقا کے لئے دردِ دل سے سوچتے رہے۔

معروف صحافی نذیر ناجی، میاں صاحب کی شہادت کے بعد اپنے کالم میں لکھتے ہیں،

"بدبخت قاتلوں نے انہیں شہید کر کے "نوائے وقت" کے لاکھوں قارئین کو دینِ حق کے پُر از رحمت پہلوؤں کی تشریح و تعبیر پر مبنی تحریروں سے محروم کر دیا ہے، اور میں اپنے ایک قابلِ قدر ذریعۂ اثر سے جُدا ہو گیا ہوں۔

میاں عبد الرشید ایک عالمِ باعمل تھے، فرقہ واریت اور تعصب سے پاک، صرف ایک معاملے میں سخت متعصب تھے اور وہ تھا پاکستان۔" [1]

میاں صاحب اسلامیانِ پاکستان کی مصیبتوں کا واحد حل نظامِ مصطفٰے کے نفاذ کو قرار دیتے تھے۔ میاں محمد شفیع (م۔ش) نے اپنے کالم میں لکھا،

وہ دیال سنگھ کالج میں اغلباً ایم۔اے ریاضی کے طالب علم تھے اور میں ایف ایس سی کالج میں انگلش لٹریچر کا طالب علم تھا۔ ہم دونوں میں مضامین کے اختلاف کے باوجود ایک معاملہ میں مکمل ہم آہنگی تھی اور ہم دونوں پاکستان میں دینِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا غلبہ دیکھنا چاہتے تھے۔ ہم دونوں کے درمیان جب بھی ملاقات ہوتی، تو اسی موضوع پر گفتگو رہتی۔ [2]

میاں صاحب کو اللہ تعالیٰ نے فیاض طبیعت عطا فرمائی تھی۔ طالب علمی کے دور میں آٹا، چاول، گھی اور چینی سامان خور و نوش ہر ماہ گھر سے آتا تھا۔ جن دنوں ایم۔اے کی کلاس میں پڑھ رہے تھے۔ ایک فقیر آیا اور اس نے آٹے کی فرمائش کی۔ میاں صاحب نے مہینے بھر کا آٹا اٹھا کر اسے دے دیا، کہتے تھے کہ وہ بہت غریب تھا

---

[1] نذیر ناجی: نوائے وقت (کالم سویرے سویرے) ۱۰ر ستمبر ۱۹۹۱ء

[2] محمد شفیع میاں، (م۔ش) نوائے وقت (کالم م۔ش کی ڈائری) ۱۸ر ستمبر ۱۹۹۱ء

اور میں اُس کی درد بھری کہانی سے بہت متاثر ہوا، تمام زندگی یہ معمول رہا کہ دوسروں کی تکالیف دُور کرنے میں امداد کرتے رہے۔ ہر شخص سے محبت کے ساتھ پیش آتے راقم الحروف کی ان سے کئی دفعہ ملاقات ہوئی۔ کبھی انہوں نے اجنبیت کا احساس نہیں ہونے دیا۔ خاص طور پر نوجوانوں سے محبت کرتے تھے، اور ان کی تعلیم کے سلسلے میں خود بھی امداد کرتے اور دوسروں سے بھی امداد کرواتے تھے۔

میاں صاحب کو جہاد میں عملاً حصہ لینے کا بہت شوق تھا اور ان کے دل میں شہادت کی شدید خواہش تھی جو اللہ تعالیٰ نے پوری فرما دی۔ جہادِ کشمیر کے دَوران جون سے اگست ۱۹۴۸ء تک اوڑی کے محاذ پر رہے۔ اس پر انہوں نے کتاب بھی لکھی۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے موقع پر انہوں نے اپنے بیٹوں کو فوج میں شامل ہونے کا حکم دیا۔ ہر سال سیاچین کے مجاہدوں کو عید کے تحائف بھجواتے تھے، جن کا باقاعدہ حساب رکھتے تھے۔

میاں صاحب کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ عربی، اُردو، فارسی، انگریزی، اور پنجابی دانشوروں، شاعروں اور اہلِ دل کی تحریرات کو انہوں نے گہری نظر سے پڑھا تھا، علم و عرفان کے موتی جمع کر کے اپنے کالم نورِ بصیرت میں پیش کرتے رہتے تھے۔ جن دنوں میاں صاحب پنجاب اسمبلی کے رپورٹر تھے اور ڈھولن وال ملتان روڈ لاہور میں رہتے تھے، ان دنوں کی شبینہ محفلوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اُن کے بھائی لکھتے ہیں،

"رات کو گھر پر احباب کی مجلس لگتی، غالب، اقبال، ذوق، فردوسی کے علاوہ انگریزی کے مشہور ناول نگار اور شاعر زیرِ بحث آتے۔ میرے ذمہ چائے پانی کا انتظام تھا۔ میری زندگی میں ان ناموں سے شناسائی یہیں سے شروع ہوئی۔"[1]

---

[1] عبدالمجید، میاں، نوائے وقت، لاہور، ۱۰ستمبر ۱۹۹۲ء

اللہ تعالیٰ نے انہیں نظم و نثر لکھنے کی اعلیٰ قابلیت عطا فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی حمد کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :

حمد

مستانہ وار آئی یادِ شہِ نگاراں، تسکینِ دردمنداں، آرامِ دل فگاراں
رنگِ چمن عذاراں، خوشبوئے مشکباراں، کیفِ غزال چشماں، لطفِ کرم گساراں
اندازِ خوش بیاناں، پروازِ خوش خیالاں، شانِ حسیں طرازاں، جانِ حسیں نگاراں
جوشِ جہادِ مستاں، نیروئے تیغ دستاں، ایثارِ جاں نثاراں، سودائے جاں سپاراں
ناز و نیازِ مستاں، محبوبِ خود پرستاں، قیومِ تاجداراں، تمکینِ خاکساراں

(عبدالرشید)

حمد

ہر حُسن میں اُن کا پرتو تھا، سُبحان اللہ سُبحان اللہ
ہر عشق میں اُن کا جذب ملا، سُبحان اللہ سُبحان اللہ
ہر دل میں اُن کی یاد بسی، سُبحان اللہ سُبحان اللہ
ہر رُوح میں اُن کا جلوہ تھا، سُبحان اللہ سُبحان اللہ
ہر لب سے اُن کی بات سُنی، سُبحان اللہ سُبحان اللہ
ہر محفل میں اُن کا چرچا تھا، سُبحان اللہ سُبحان اللہ
ہر راہ میں اُن کے نقش ملے، سُبحان اللہ سُبحان اللہ
ہر رہرو اُن کا جویا تھا، سُبحان اللہ سُبحان اللہ
ہر لُطف میں اُن کو یاد رکھا، سُبحان اللہ سُبحان اللہ
ہر درد میں اُن کا ساتھ ملا، سُبحان اللہ سُبحان اللہ

ہر کام میں اُن کی نصرت تھی، سُبحان اللہ سُبحان اللہ
ہر رنگ میں اُن کو دیکھ لیا، سُبحان اللہ سُبحان اللہ
ہر آہ و فغاں مقبول ہوئی، سُبحان اللہ سُبحان اللہ
ہر ظلم و ستم مقہور ہوا، سُبحان اللہ سُبحان اللہ

(عبدالرشید ۱۹۷۱ء)

پنجابی میں حمد کا انداز دیکھیے،

حمد

عُمر مُکدیاں مُکدیاں مُک گئی اے — پینڈا یار دے در دا نہیں مُکدا
یار دل دے اندر وسدا اے — سفر اپنے ای گھر دا نہیں مُکدا
سوہنا شہ رگ توں وی قریب ہندا — ڈونگا پینڈا ہجر دا نہیں مُکدا

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نعت سے انہیں قرارِ دل و جاں میسّر آتا تھا۔ مجاہدِ جنگِ آزادی علامہ محمد فضلِ حق خیرآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کے عربی قصیدے کے منتخب نعتیہ اشعار کا ترجمہ اپنے کالم نورِ بصیرت (۲۶ نومبر ۱۹۷۴ء) میں درج کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

مولانا فضلِ حق خیرآبادی (رحمہ اللہ تعالیٰ)

مولانا محمد فضلِ حق خیرآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہ نابغۂ روزگار ہستی تھے کہ غالب بھی ان سے مشورہ لیتا اور اُن کی اصلاح قبول کرتا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد آپ کو عمر قید کی سزا دے کر جزائر انڈیمان بھیج دیا گیا۔ وہاں سے آپ نے دو قصیدے عربی زبان میں لکھ کر بھیجے ـــــ جو اپنی مثال آپ ہیں، پہلے قصیدے کا مطلع ہے،

ترجمہ: سوزِ دل سے میرے پہلو کی ہڈیوں میں آگ بھڑک رہی ہے۔ آنسو خشک ہو چکے ہیں اور اعضاء پگھل چکے ہیں۔

آگے لکھتے ہیں:

ترجمہ: میں نے اس کے سوا کوئی گناہ نہیں کیا کہ ان (انگریزوں) سے کسی قسم کی محبت و دلچسپی نہیں رکھی اور نصِ محکم قرآنی کی رُو سے ان کی محبت کفر ہے۔ کسی حق پرست انسان کو اس میں شک نہیں ہو سکتا، ان سے محبت کیسے روا رکھی جا سکتی ہے، جب کہ اس ذاتِ گرامی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے دشمن ہیں، جس کی وجہ سے آسمان و زمین پیدا کیے گئے۔

یہاں سے نعتیہ اشعار شروع ہوتے ہیں:

وہ پہلا نور ہے جو دُنیا میں چمکا، اور اُسی کے نُور سے سارا عالم منوّر ہوا اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ایسے بلند اوصاف سے مختص کیا ہے جو کسی قدیم و جدید کو نہیں بخشے گئے۔

اُنہیں ایسی فضیلت عطا فرمائی کہ ممکن نہیں، اس میں اُن کا کوئی شریک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جب اُن کے نام رکھے، تو خوبصورت نام رکھے، اُن کے کئی اسماء اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہیں۔

مثلاً بَرٌّ۔ رَحِیْمٌ۔ مُفَضِّلٌ۔ ذُوْقُوَّۃٍ۔ ھَادٍ۔ رَؤُفٌ۔ مُحْسِنٌ۔ معطاءٌ

ان کی پیدائش نے مکہ کی شان دوبالا کر دی اور بطحا نے اُن کے وجود سے شرف پایا آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) حاکم ہیں۔ اس ذکرِ حکیم کی تلاوت کرتے ہیں جس کی آیاتِ محکم ہیں اور ان میں ہدایت و شفا ہے۔

وہ ذکر ایسی حکمتوں اور حُکموں پر مشتمل ہے، جن سے عقلیں دنگ اور عقلمند عاجز ہیں، ان کی بلاغت کمال کو پہنچی ہوئی ہے، اس نے بلیغوں کو ساکت اور فصیحوں

کو گونگا بنا دیا ہے۔

آپ کی ملّت کے ظہور نے تمام ملتوں کو اس طرح مٹا دیا ہے، جیسے ستارے سُورج کے چمکنے سے محو ہو جاتے ہیں۔

آخر میں آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی تعریف کرنے کے بعد حرفِ مطلب زبان پر لاتے ہیں:

اے رحمۃ للعالمین! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اس شخص پر رحم کیجیے! جس کے لیے زمانہ میں کہیں رحم نہیں۔

مَیں آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر قربان! اس قیدی پر احسان فرمایئے، جس کے پاس نہ فدیہ ہے نہ احسان۔

حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ العزیز کی مشہور زمانہ پنجابی نعت کے چند بند اور اُن کا ترجمہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں، یہ کالم روزنامہ نوائے وقت) ۱۸ ستمبر ۱۹۹۲ء بروز جمعرات کو میاں صاحب کے سالانہ ختم پر شائع ہوا۔

رسک منتراں دی

امام بوصیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے قصیدہ بردہ شریف اور اقبال رحمہ اللہ تعالیٰ کے نعتیہ قصیدہ ذوق وشوق سے پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی مشہور پنجابی نعت یاد آتی ہے۔ یہ نعت گو مختصر ہے، مگر اثر آفرینی کے اعتبار سے اس کا پایہ بہت بلند ہے۔

پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی نعت میں چار چار مصرعوں کے صرف سات بند ہیں مگر ہر بند کا آغاز جناب رسولِ پاک (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت کے اظہار سے کیا ہے جو عربی قصیدوں کے عام انداز تشبیب سے مختلف ہے ہ

اَج سِک مِتراں دی ودھیری اے ۔۔۔ کیوں دلڑی اُداس گھنیری اے
لُوں لُوں وچ شوق چنگیری اے ۔۔۔ اج نیناں لائیاں کیوں جھڑیاں

ترجمہ: "آج محبوب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) یاد کی کسک کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہی ہے۔ معلوم نہیں دل پر کیوں گہری اُداسی چھا رہی ہے (دلڑی دل کے لئے ہے جیسے فارسی میں دلک) رُوئیں رُوئیں سے شوق کی چنگاریاں پھوٹ رہی ہیں۔ آنسو ہیں کہ برسات کی گھٹا کی طرح برس رہے ہیں۔"

دوسرے بند سے حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی مدح کا آغاز ہوتا ہے۔ پہلے آنجناب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے حُسنِ صُورت کا بیان ہے ؎

مُکھ چند بدر شعشانی اے ۔۔۔ متھے چمکدی لاٹ نورانی اے
کالی زُلف تے اکھ مستانی اے ۔۔۔ مخمور اکھیں ہن مدھ بھریاں

ترجمہ: "چہرہ مبارک چودھویں کے چاند کی طرح تاباں ہے۔ پیشانی مبارک پر نُور کی مشعل چمک رہی ہے۔ (لاٹ کا مفہوم دوسری زبان میں ادا کرنا مشکل ہے جیسے پہلے بند کے لفظ "سک" کا ترجمہ آسان نہیں) سیاہ زلف اور آنکھ پر کیف، مخمور آنکھوں سے بادۂ کیف گویا چھلک رہا ہے۔"

تیسرے بند سے حضور اکرم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی معنوی عظمت کا بیان شروع ہوتا ہے

ایس صورت نوں میں جان آکھاں ۔۔۔ جانان کہ جانِ جہان آکھاں
سچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں ۔۔۔ جس شان توں شاناں سب بنیاں

ترجمہ: "حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صورت مبارک کو (اپنی) جان کہوں یا جانِ جہاں۔ تشبیہ پورا مطلب ادا نہیں کر پاتی۔ سچ یہ ہے کہ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کی وہ شان ہیں، جس سے سب شانیں بنی ہیں۔"

جناب رسولِ پاک (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشادِ مبارک ہے: سب سے پہلے حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا نُور تخلیق ہوا۔

وَستے صورت راہ بےصُورت دا   توبہ راہ کہ عین حقیقت دا
پر کم نہیں سبے سُوجھت دا   کوئی وِرلیاں موتی لے تریاں

ترجمہ: "حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم) کی صُورتِ مبارک سے بے صورت ذات (اللہ تعالیٰ) کی راہ ملتی ہے - یہی عین حقیقت کی راہ ہے۔"

طریقت اور حقیقت تصوّف کی اصطلاحیں ہیں۔

میاں صاحب نے ۱۹۵۹ء میں ملازمت چھوڑ دی اور عہد کیا کہ باقی زندگی اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت میں بسر کروں گا۔ اسلام کو لوگوں تک پہنچانے اور انہیں اس پر عمل پیرا ہونے میں مدد دینے کا کام کروں گا، اور تمام زندگی اس عہد پر قائم رہے کئی سال تک ریڈیو پاکستان پر ہفت روزہ پروگرام نُورِ بصیرت مسلسل نشر کرتے رہے تقریباً پینتیس سال تک مختلف مساجد میں اعزازی طور پر خطبۂ جمعہ دیتے رہے۔ جمعہ کے دن عصر کے بعد مسجد اصحابِ صُفّہ میں مجلس ذکر منعقد کرتے۔ سلسلے سے لمبا سفر کا پروگرام اس طرح ترتیب دیتے کہ ہفتے کو روانگی ہو اور جمعرات کے دن واپسی ہو جائے۔

۱۹۷۱ء میں سقوطِ ڈھاکہ سے پہلے میگا فون پر اعلان کرتے رہے کہ

"بُرائی چھوڑ دو! ایسا نہ ہو کہ عذابِ الٰہی آجائے۔"

میاں صاحب نے جو آخری پمفلٹ لکھا اُس کا نام تھا: بدی کا طوفان روکنے میں ہمارا ساتھ دیجیے۔ غرض یہ کہ انہیں تبلیغِ دین سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں معذرت خواہانہ رویّہ اختیار نہیں کرنا چاہیے، جہاں مخالفین موجود ہوں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا اسمِ گرامی سُن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں کو لگانے چاہئیں۔ مخالفین کے خیال سے یہ عملِ حسن ترک نہیں کرنا چاہیے۔

میاں صاحب نے ۱۹۶۰ء میں اسلام کا پیغام عام کرنے کے لئے ماہنامہ حیاتِ جاوداں شروع کیا، جو چار سال تک جاری رہا۔ روزنامہ ندائے ملت، لاہور کے اجراء کے ساتھ

مشہور اور محبوب کالم نورِ بصیرت لکھنا شروع کیا اور تقریباً اکیس سال تک روزانہ یہ کالم لکھتے رہے۔ یہ کالم مختصر، جامع اور سلیس زبان میں لکھتے تھے اور لاکھوں افراد اسے پڑھتے تھے۔ جناب مجید نظامی صاحب کا یہ اقدام لائقِ تحسین ہے کہ میاں صاحب کی شہادت کے بعد بھی اس کالم کی اشاعت کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

میاں صاحب نے ان کالموں کو پانچ جلدوں میں شائع کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔

۱۔ اللہ تعالیٰ، قرآن پاک

۲۔ جناب رسالت مآب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

۳۔ اسلام۔ میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

۴۔ تصوف۔ رومی اور اقبال (رحمہما اللہ تعالیٰ)

۵۔ تاریخ و واقعات۔ متفرقات

ان میں سے پہلی دو جلدیں چھپ چکی ہیں۔ پہلی جلد کا انتساب حضرت سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسری کا علامہ اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نام کیا ہے۔

روزنامہ نیشن میں ہر جمعہ کو ان کا انگریزی کالم چھپتا تھا۔

علامہ اقبال علیہ الرحمہ کی چھ کتابوں کا سلیس اردو ترجمہ کیا، جو چھپ چکا ہے:

(۱) جاوید نامہ (۲) پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق (۳) پیامِ مشرق (۴) زبورِ عجم (۵) ارمغانِ حجاز (۶) اسرار و رموز

میاں صاحب نے قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر بھی لکھی، جو منتظرِ اشاعت ہے۔ یہ کام ۱۹۵۷ء میں شروع کیا اور ۴ مئی ۱۹۹۱ء کو مکمل کیا۔ اس پر بہت خوش تھے۔ بار بار کہتے تھے، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس ناچیز سے اتنا بڑا کام لیں گے۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ قرآن مجید میں شروع سے آخر تک ایک تسلسل ہے۔ اس کے علاوہ ان کی چند تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔ اسلام اور تعمیرِ شخصیت، ط، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

۲۔ سیفِ کشمیر: یہ کتاب اس وقت لکھی، جب ۱۹۴۸ء میں (آزاد کشمیر) کے محاذ پر مصروفِ جہاد رہے۔

۳- شیر شاہ سوری

۴- زندگی کا راستہ (ترجمہ)

۵- اللہ نور السمٰوات والارض ۶- انقلابِ ایران، ایک مشاہداتی اور تجزیاتی مطالعہ

۷- جنابِ رسالت مآب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

۸- پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر، ط: ادارہ تحقیقاتِ پاکستان، دانشگاہِ پنجاب، لاہور، جون ۱۹۸۲ء میں اس کا انتساب، امام ربانی، مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے نام کیا

۹- بدی کا طوفان روکنے میں ہمارا ساتھ دیجئے (آخری پمفلٹ)

۱۷ ستمبر ۱۹۹۱ء بروز سوموار دو افراد نے بارہ بج کر دس منٹ پر دن دیہاڑے ان کی رہائش گاہ واقع سمن آباد، لاہور میں قرابین سے فائرنگ کر کے شہید کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

میاں صاحب نے اس دن روزہ رکھا ہوا تھا اور آدھ گھنٹہ پہلے انہوں نے قرآن پاک کی تلاوت کی تھی۔ روزنامہ نوائے وقت اور مجلس تعمیرِ فکر و کردار، سمن آباد، لاہور کی بھرپور کوشش کے باوجود قاتلوں کا سراغ نہیں مل سکا۔

میاں صاحب کے دو صاحبزادوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں: (۱) میاں حبیب احمد (۲) کرنل محمد محسن[1]۔ اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے اور میاں صاحب کا مشن آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

---

[1] نوٹ: اس مقالے میں زیادہ تر میاں عبد المجید (برادر میاں صاحب) اور جناب محمد محسن (فرزند) کے مقالات مطبوعہ روزنامہ نوائے وقت، ۱۷ ستمبر سے استفادہ کیا گیا ہے۔ نورِ بصیرت کے کالموں کی کٹنگ راقم کے پاس موجود ہے۔ مواد کی فراہمی میں میاں صاحب کے بھانجے محمد سرفراز نے تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ میاں صاحب کی دینی اور مسلک اہل سنت و جماعت کی خدمات کے پیشِ نظر یہ ہماری ذمہ داری تھی کہ ہم ان کا تذکرہ محفوظ کریں۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے راقم کو یہ توفیق عطا فرمائی۔ مجھے احساس ہے کہ میاں صاحب پر مزید تفصیل سے لکھا جانا چاہیے۔ ممکن ہے کوئی صاحبِ علم اس طرف توجہ کریں اور یہ کام کر جائیں۔ ۱۲ شرف قادری

حضرت علامہ مولانا الحاج مفتی عزیز احمد قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ

(۱)

حضرت استاذ العلماء علامہ مفتی عزیز احمد قادری بدایونی کی ولادت ۱۹۰۱ء قصبہ آنولہ ضلع بانس بریلی میں ہوئی ۔ آپ کے والد ماجد مولانا مولوی علاء الدین رحمہ اللہ تعالیٰ متقدر فاضل اور بلسی ضلع بدایوں میں طبیب تھے ۔ ان کا وصال ۱۹۲۵ء میں ہوا ۔

حضرت مفتی صاحب نے ۱۹۱۲ء میں استاذ العلماء حضرت مولانا محمد حافظ بخش سے قرآن مجید حفظ کیا ۔ بعد ازاں درس نظامی کی جملہ کتب مدرسہ محمدیہ اور مدرسہ شمس العلوم بدایوں شریف میں درج ذیل اساتذہ کرام سے پڑھیں ۔ اکثر و بیشتر کتب اصول فقہ، نحو، تفسیر، منطق، فلسفہ شرح اشارات وغیرہ اور ہیئت، شرح چغمینی وغیرہ فاضل یگانہ حضرت مولانا احمد دین بنیری قادری (سوات) سے پڑھیں ۔

اساتذہ : (۱) حضرت علامہ مولانا احمد دین بنیری قادری (۲) حضرت علامہ مولانا محب احمد قادری بدایونی (۳) حضرت علامہ مولانا شاہ محمد ابراہیم قادری بدایونی (۴) حضرت مولانا محمد حافظ بخش قادری آنولوی بریلوی (۵) حضرت مولانا محمد قدیر بخش بدایونی (۶) حضرت مولانا واحد حسین فلسفی بدایونی تلمیذ رشید فاضل اجل مولانا حکیم برکات احمد ٹونکی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین ۔

یہ تمام حضرات جامع شریعت و طریقت حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبد القادر قادری عثمانی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور فیض یافتہ تھے ۔ مفتی صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ آپ کو تمام بخاری شریف یاد تھی ۔ نصف مع اسانید اور نصف فقط متن مفتی صاحب اپنے اُستاذِ گرامی مولانا احمد دین بنیری کے متعلق فرماتے ہیں کہ انہیں ہر فن کا ایک متن یاد تھا بالخصوص شرح جامی اور عبد الغفور وغیرہ کتب

میں آپ کی خاصی شہرت تھی۔ اکثر اوقات دیگر مدارس کے فارغ التحصیل طلباء آپ سے شرح جامی پڑھنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ ایک سو دس سال کی عمر میں آپ کا بدایوں شریف میں وصال ہوا۔

۱۹۲۰ء میں مفتی صاحب نے پنجاب یونیورسٹی میں مولوی فاضل کا امتحان دیا، اور ۱۹۲۲ء میں شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا شاہ محمد ابراہیم صاحب قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ سے دورۂ حدیث پڑھا اور سندِ فراغت حاصل کی۔

۱۹۱۹ء میں آپ کی شادی ہوئی، جس میں سے آپ کے دس۱۰ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔

تبلیغ و تدریس: آپ تقریباً سولہ سال تک مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف میں تدریس، افتاء اور تبلیغ کے منصب پر فائز رہے۔ تیس سال تک مدرسہ حنفیہ قصبہ جُنیر ضلع پُونہ اور تین سال ہی ریاست گوالیار میں تدریس و تبلیغ کے فرائض انجام دیتے رہے۔ پچیس سال سے عیدگاہ گڑھی شاہو لاہور جہاں ان دنوں جامعہ نعیمیہ قائم ہے، فرائضِ خطابت انجام دیتے رہے ہیں۔

تصانیف: آپ نے تدریسی اور تبلیغی مصروفیات کے باوجود تقریباً دس رسائل بھی تحریر فرمائے ہیں، جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:

(۱) صلوٰۃ المتقین فی قرآن مبین: جس میں آیاتِ قرآنی سے پانچ نمازوں کے ثبوت کے علاوہ دیگر بہت سے مسائلِ نماز عام فہم انداز میں بیان کئے ہیں۔

(۲) حقوق الزوجین

(۳) حقوق الوالدین

(۴) احکامِ جنازہ

(۵) چہل حدیث

(۶) اکرام الٰہی، بجوابِ انعامِ الٰہی، مرزا بشیر الدین مرزائی کی ایک تقریر کا رد۔

مفتی صاحب نے قرآن مجید کا عام فہم ترجمہ بھی کیا ہے۔

بیعت: غالباً آپ دورانِ تعلیم ہی سلسلہ عالیہ قادریہ کے چشم وچراغ امام العلماء سید العرفا شیخ المشائخ سیدنا ومولانا الحاج مطیع الرسول شاہ محمد عبدالمقتدر قادری عثمانی قدس سرہ العزیز خلفِ اکبر امام اہل شریعت وطریقت قطب الواصلین شمس العارفین تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ محمد عبدالقادر قدس سرہ العزیز کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو گئے تھے۔ آپ کو اپنے شیخ طریقت کے ساتھ بے حد عقیدت ومحبت تھی۔

حضرت مفتی صاحب حج بیت اللہ شریف اور مدینہ طیبہ کی حاضری سے بھی مشرف ہو چکے ہیں۔

تلامذہ: ویسے تو آپ سے ان گنت علماء نے استفادہ کیا ہے، لیکن ان میں سے اکثر وبیشتر حضرات کے اسماء محفوظ نہ ہو سکے۔ آپ کے چند ایک فیض یافتہ حضرات کے نام یہ ہیں:

(۱) مولانا صاحبزادہ عبدالہادی پروفیسر اسلامیات حیدرآباد دکن، خلف الرشید حضرت عاشقِ رسول مولانا شاہ محمد عبدالقدیر رحمہ اللہ تعالیٰ سجادہ نشین دربارِ عالیہ قادریہ، بدایوں شریف

(۲) حکیم الامت حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ (گجرات)

(۳) حضرت علامہ مولانا مفتی امین الدین رحمہ اللہ تعالیٰ (کامونکے)

(۴) حضرت مولانا احمد میاں جُنیر ضلع پونہ، مدرس مدرسہ غوثیہ

(۵) حضرت مولانا عبدالرشید صاحب آنولوی، مدرس مدرسہ اسلامیہ، بدایوں شریف

(۶) حضرت مولانا محمد اکرم خطیب چوبچہ اسلام آباد، لاہور

(۷) حضرت مولانا احمد حسن نوری فاضل جامعہ نعیمیہ وخطیب جامع مسجد مغلپورہ ڈاکخانہ، لاہور

(۸) حضرت علامہ مولانا غلام رسول سعیدی، صدر مدرس جامعہ نعیمیہ، لاہور

(۹) برادرِ محترم حضرت مولانا محمد عبدالغفار ظفر صابری، فیصل آباد

ایک زمانہ تھا جبکہ بریلی اور بدایوں کے حضرات علماء کرام میں شکر رنجی پیدا ہو گئی تھی لیکن

یہ اس دَور کی بات ہے کہ وہ سب کچھ ختم ہو کر سابقہ تعلقات بحال ہو چکے تھے۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا محمد سردار احمد رحمہ اللہ تعالیٰ (فیصل آباد) کے ساتھ ہمارے تعلقات فارغ التحصیل ہونے سے بھی پہلے کے ہیں۔ جب فتنۂ اہل قرآن اُٹھا، جس کی ایک جماعت صرف دو نمازیں، اور دوسری جماعت تین نمازیں فرض مانتی تھی تو اُن کی تردید کے لئے آنولا میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا، جس میں حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی مصنف بہار شریعت اور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی خلف اکبر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمہم اللہ تعالیٰ شریک تھے۔ اس موقع پر مولانا سردار احمد صاحب، حضرت صدر الشریعہ کے ساتھ تشریف لائے۔ آپ کی نو عمری کا دَور تھا، لیکن طبیعت میں نہایت جوش تھا اور مناظرانہ صلاحیتیں خوب نمایاں تھیں۔ اس وقت آپ سے پہلی ملاقات ہوئی۔ اس موقع پر اہلِ قرآن کی طرف سے کوئی نہ آیا اور اجلاس بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔

کچھ عرصے کے بعد ضلع بدایوں کے ایک قصبے جگت میں ایک شخص مرزائیت کی تعلیم پاکر آیا اور فتنۂ مرزائیت کی تبلیغ شروع کر دی۔ اس فتنے کی سرکوبی کے لئے ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا، جس میں حضرت مولانا محمد سردار احمد تشریف لائے۔ اس وقت آپ نے دار العلوم منظرِ اسلام، بریلی شریف کی بنیاد رکھ دی تھی۔ چنانچہ آپ نے مرزائی سے گفتگو کی۔ مرزائی نے جس طرح کہ اُن کی عادت ہے ایک کاپی سے دیکھ دیکھ کر سوالات پیش کرتے شروع کر دیئے۔ حضرت مولانا محمد سردار احمد نے اسے نہایت ہی مسکت جواب دیئے۔ بالآخر اُس نے یہ کہہ کر راہِ فرار اختیار کی کہ میری ایک اور نوٹ بک جس میں سوالات لکھے ہوئے ہیں، مل گئی تو آپ سے مزید گفتگو کروں گا، اس طرح یہ مجلسِ گفتگو ختم ہوئی اور اہل سنت و جماعت کے مناظر مولانا محمد سردار احمد صاحب کو فتحِ عظیم حاصل ہوئی۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ ہم پاکستان بننے سے پہلے دار العلوم منظرِ اسلام، بریلی شریف اور پاکستان بننے کے بعد جامعہ رضویہ، لائل پور، دورۂ حدیث کے طلباء کا امتحان لینے کے لئے جایا کرتے تھے اور دستارِ فضیلت کے جلسے میں شرکت کیا کرتے تھے۔

مفتی صاحب سے راقم الحروف نے پوچھا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز سے آپ کی ملاقات ہوئی ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

ہاں! اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات بھی ہوئی تھی، اور مارہرہ شریف میں آپ کی تقریر بھی سُنی تھی۔ آپ بے شک اپنے دَور کے مجدّد تھے۔ آپ نے جس موضوع پر قلم اُٹھایا ہے، اسے انتہا تک پہنچایا۔ آپ کے رسائل مسلکِ اہلِ سنت وجماعت کے لئے کافی و وافی ہیں، لیکن چونکہ زبان عام نہ ہے، اس لئے آپ کی تحریر اکثر و بیشتر عوام کی سمجھ سے بالا ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، حافظ، قاری اور بے مثل فقیہ اور محدث تھے گفتگو میں انتہائی متواضع بات کرتے وقت ہمیشہ آنکھیں نیچی رکھتے اور شریعت کے انتہائی پابند تھے۔ بے شک آپ اس دَور کے علماء میں منفرد شخصیت اور قابلِ زیارت ہستی تھے۔ اُن کی موجودگی میں کوئی خلافِ شریعت بات کہتا، تو آپ فوراً اُس کی اصلاح فرما دیتے۔ طلباء کو خصوصاً چند نصیحتیں فرمائیں:

۱۔ شریعتِ مقدسہ کی ازحد پابندی کرنی چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ ہم کو اسی سے علمِ دین کی کماحقہٗ برکت حاصل ہو سکتی ہے۔

۲۔ اُستاذ کی انتہائی تعظیم کرنی چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ ہم نے جو کچھ حاصل کرنا ہے، انہی سے لینا ہے۔ ہمیں اساتذہ نے یہی سکھایا ہے۔

۳۔ مطالعے میں پہلے پورے غور سے عبارت کو درست کرنا چاہیئے۔ پھر مطالب پر گہری توجہ دینی چاہیئے۔

حضرت مولانا مفتی عزیز احمد قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ

(۲)

حضرت مولانا مفتی عزیز احمد قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ تقریباً ۳۵ سال مغلپورہ ورکشاپ میں قرآن پاک کا درس دیتے رہے۔ انہوں نے قرآن پاک کا ترجمہ بھی کیا۔ ترجمہ کرتے وقت اعلیٰ حضرت امام اہلِ سُنّت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کا ترجمہ سامنے رکھا، اس کی مشکل زبان آسان کی اور بعض مقامات پر وارد ہونے والے اشکالات کا جواب دینے کے لئے اپنی طرف سے اضافے بھی کیے۔

ایک ملاقات میں فرمایا، ارشادِ ربانی ہے:

اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا۔ (۶۶/۴)

یہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے خطاب ہے عام طور پر اس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ "اگر تم دونوں توبہ کرو (تو تمہارے لئے بہتر ہے کہ) تمہارے دلوں میں کجی آگئی ہے۔" اس ترجمے کی بنا پر شیعہ کو اعتراض کا موقع مل جائے گا کہ معاذ اللہ! اُمّہات المؤمنین کے دلوں میں کجی آگئی تھی، تو وہ راہِ راست پر نہ ہوئیں، اس لئے میں نے یہ ترجمہ کیا ہے:

"اے نبی کی دونوں بیویو! اگر تم اللہ سے توبہ کرو اور اس کی طرف جھک جاؤ (تو بہتر ہے کیونکہ) تم دونوں کے دل تو (نبی کی محبت میں) پہلے ہی (سے) جھکے ہوئے ہیں۔"

کیونکہ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا کا معنیٰ ہے تمہارے دل جھکے ہوئے ہیں، کس طرف؟ ہم کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کی طرف، کیونکہ اس موقع پر انہوں نے جو کچھ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے سبب ہی کیا تھا۔

ایک دُوسری آیت ملاحظہ ہو:

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ۔ (۴۵/۲۳)

مفتی عزیز احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ترجمہ کیا ہے:

"بھلا اس شخص کو تو دیکھئے کہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرالیا اور اللہ تعالیٰ نے باوجود اس کے سمجھ دار اور علم والا ہونے کے اس کو گمراہی میں چھوڑ دیا۔"

عام طور پر اَضَلَّهُ اللّٰهُ کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے گمراہ کر دیا، اس پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اُسے گمراہ کر دیا ہے تو اُس کا کیا قصور؟ مفتی صاحب نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ اس کو گمراہی میں چھوڑ دیا۔ یعنی وہ ہدایت کے قابل ہی نہ تھا، اسے گمراہی میں چھوڑ دیا۔ اس طرح عام آدمی الجھن کا شکار ہونے سے بچ جائے گا۔

آخری دنوں میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو پوچھنے لگے کہ علامہ شعرانی کون تھے؟ افلاطون کون تھا؟ ہم نے اساتذہ سے سُنا ہے کہ اسے افلاطونِ الٰہی کہا کرتے تھے؟ اور لقمان حکیم کون تھے؟ جو کچھ مجھے معلوم تھا، عرض کیا۔ پھر ایک دن حاضر ہوا تو عرض کیا کہ صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ العزیز نے لکھا کہ لقمان حکیم، حضرت ایوب علیہ السلام کے بھانجے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کے خالہ زاد بھائی تھے۔ مفتی صاحب کو میں نے کبھی کسی پر ناراض ہوتے ہوئے نہیں دیکھا اور کبھی اتنا خوش نہیں دیکھا، جتنا کہ اس دن خوش دیکھا۔ بار بار یہی فرماتے کہ لقمان حکیم کے بارے میں جان کر بڑی خوشی ہوئی۔ کئی لوگوں سے میں نے پوچھا تھا لیکن کسی نے نہیں بتایا۔ اگر پہلے ہمیں معلوم ہو جاتا، تو ہم حاشیۂ قرآن میں لکھ دیتے، خیر آئندہ ایڈیشن میں لکھ دیں گے

ایک دن حاضر ہوا تو فرمانے لگے: آج ٹیپ ریکارڈر سے قرآنِ پاک کا ترجمہ سُن رہا تھا تو یہ آیۂ مبارکہ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ۔ (۷/۱۳) کا ترجمہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے یہ کیا: "تم تو ڈر سنانے والے ہو اور ہر قوم کے ہادی"۔ لِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ کے ترجمہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر قوم کا ایک راہنما ہوتا ہے لیکن اعلیٰ حضرت کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہر قوم کے ہادی ہیں، یہ اچھا ترجمہ ہے۔

غرض یہ کہ مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ہر وقت کسی دینی مسئلے، قرآن کی آیت یا کسی حدیث شریف یا بزرگانِ دین کے ارشادات کے بارے میں غور و فکر کرتے رہتے تھے۔ انہوں نے تیسیر البیان فی ترجمۃ القرآن عرف ترجمہ قادری کے نام سے قرآن پاک کا ترجمہ لکھا، اُن کی خواہش تھی کہ یہ ترجمہ اور اس کے حاشیہ پر تفسیر ابن عباس کا وہ ترجمہ چھپ جائے، جو آپ کے پیر و مرشد حضرت مولانا شاہ عبد المقتدر بدایونی قدس سرہ نے کیا تھا۔ اس سلسلے میں تاج کمپنی اور پیکجز کے ڈائریکٹر اور کراچی کے ایک کتب خانے کے مالک سے رابطہ کیا، لیکن کہیں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ اسی دوڑ دھوپ میں تفسیر عباسی کے ترجمہ کا قدیم نسخہ کھو گیا، لیکن مفتی صاحب مایوس نہیں ہوئے، ہندوستان سے ایک اور نسخہ منگوا کر پھر مصروفِ کوشش ہو گئے۔ اسی اثناء میں راقم الحروف، علامہ اقبال احمد فاروقی، مکتبہ نبویہ، لاہور اور دوسرے احباب کے کہنے پر جناب ڈاکٹر مسعود حفیظ رفاعی مدظلہ نے اس عظیم کام کا بیڑا اُٹھایا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا، مولائے کریم انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ یہ واضح طور پر مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی کرامت تھی کہ جس کام کے مکمل ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، مفتی صاحب کی ہمتِ مردانہ کی بدولت پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔

تفسیر عباسی کا نسخہ چونکہ بہت پرانا تھا، کاتب اسے سامنے رکھ کر نہیں لکھ سکتا تھا، مفتی صاحب نے اسے نقل کرایا، اس پر نظرِ ثانی کی، پھر کتابت ہوئی اور کتابت کو پڑھا، تب کہیں جا کر قرآن پاک مفتی صاحب کے ترجمہ اور تفسیر ابن عباس کے ترجمہ کے حواشی کے ساتھ چھپ گیا۔ یوں مفتی صاحب کی دیرینہ آرزو پوری ہوئی — پیرانہ سالی اور گوناگوں عوارض کے باوجود اتنی محنت کرنا مفتی صاحب ہی کا کام تھا، جو بھی دیکھتا حیرت زدہ رہ جاتا۔

آخری سالوں میں مفتی صاحب، کریم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور میں اپنے صاحبزادے جناب شکیل احمد کے پاس منتقل ہو گئے تھے اور وہیں ۲؍ ذو الحجہ، ۷؍ جولائی ۱۴۰۹ھ / ۱۹۸۹ء کو اپنے دور کے عظیم محدث، جلیل القدر مفسر، یادگارِ اسلاف، پیکرِ زہد و تقویٰ حضرت مولانا مفتی عزیز احمد قادری بدایونی قدس سرہ وصال فرما گئے۔ جامعہ نعیمیہ، گڑھی شاہو، لاہور میں ان کی نماز جنازہ شارح بخاری حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی مدظلہ نے پڑھائی اور گڑھی شاہو کے قبرستان میں حضرت سید جان محمد حضوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار پُر انوار کے سائے میں آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً و رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت مولانا مفتی عزیز احمد قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ

علم و فضل اور تقویٰ و طہارت کا نورانی پیکر

(۳)

صبر و استقامت بہترین انسانی اوصاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ان لوگوں پر خصوصی کرم ہوتا ہے، جنہیں ان اوصاف میں کمال عطا کیا جاتا ہے۔ ۱۹۶۲ء کا واقعہ ہے کہ گڑھی شاہو، لاہور کے ایک عالم دین کی سب سے چھوٹی صاحبزادی کے نکاح کی تقریب تھی۔ دوست احباب، رشتے دار اور علماء و مشائخ جمع تھے۔ اچانک کراچی سے تار موصول ہوا کہ آپ کے صاحبزادے شکیل احمد، ایک ہنگامے میں جاں بحق ہو گئے ہیں۔ دل دہلا دینے والی یہ اطلاع کسی دھماکے سے کم نہ تھی۔ کوئی شخص کتنا ہی حوصلہ مند کیوں نہ ہوتا، اس دلدوز خبر کو برداشت نہ کر سکتا۔ اس کی ہمت جواب دے جاتی، اور پل بھر میں مسرت و شادمانی کی یہ تقریب ماتم کدہ بن کر رہ جاتی۔

اللہ اللہ! اس عالم دین اور مرد درویش کا حوصلہ کہ ایک آہ تک اُن کے لبوں پر نہ آئی اور ایک آنسو تک اُن کی پلکوں پر دکھائی نہ دیا۔ حد یہ کہ کسی کو حتیٰ کہ اپنی اہلیہ محترمہ کو بھی خبر نہ ہونے دی تاکہ بیٹی کا فرض خیر و خوبی کے ساتھ انجام دیا جائے اور اس میں کوئی خلل پیدا نہ ہو۔ نکاح ہو گیا، تب اس خبر کا اظہار کیا۔ سننے والے انگشت بدنداں رہ گئے اور یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ کیا کوئی باپ اتنے مضبوط دل و دماغ کا مالک بھی ہو سکتا ہے کہ اسے اتنی وحشتناک خبر پہنچے اور وہ اپنے

کسی بھی انداز سے پریشانی ظاہر تک نہ ہونے دے، یہ تو ہو سکتا ہے کہ کوئی مضبوط اعصاب والا آدمی ایسے موقع پر اپنی زبان سے رنج و الم کا اظہار نہ کرے لیکن کسی عام آدمی کے بس کی بات نہیں ہے کہ اس کے چہرے پر بھی حزن و ملال کی پرچھائیں نہ پڑے۔

دراصل وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیبِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت میں اس قدر مستغرق تھے اور اُن کی شخصیت پر آدابِ شریعت کی چھاپ اس قدر گہری تھی کہ وہ تسلیم و رضا کا پیکرِ جمیل بن گئے تھے، ان کا دل اطمینان و سکون کا گہوارہ تھا اور اُن کے چہرے پر سمندر کا سکون تھا، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے: لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

اربابِ علم و دانش نے یہ واقعہ سُنا تو اس عالی ہمتی پر ششدر رہ گئے۔

حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"حضرت یعقوب علیہ السلام کے صبر کے بارے میں سُنا تھا، لیکن لاہور میں اس کا عکس اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔"

یہ عالمِ دین، رہبرِ شریعت و طریقت حضرت مولانا حافظ قاری مفتی عزیز احمد قادری بدایونی تھے، جو اپنے دور کے عظیم محدث اور مفسر تھے، بڑے بڑے علماء ان کے حلقۂ شاگردی میں داخل تھے۔ حکیم الامت، مفسرِ قرآن حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی گجراتی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی آپ کے شاگردوں میں سے تھے، انہیں یہ اطلاع ملی، تو انہوں نے درد و سوز میں ڈوبا ہوا خط اُستاذِ گرامی کی خدمت میں ارسال کیا۔ باوجودیکہ خود شہرہ آفاق علمی شخصیت تھے، اُن کے مکتوبِ گرامی کے ایک ایک لفظ سے نیازمندی اور عقیدت جھلکتی ہے۔

لفافے پر پتا یُوں لکھا ہوا تھا:

بملاحظۂ قدسیہ حضرت اُستاذِ محترم مفتی مولانا الحاج
حامیٔ ملت، ماحیٔ فتنت، سیدی واستاذی دامت برکاتہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'!

کل بروز جمعہ، محترم ومکرم عبدالرحیم صاحب شامی کی زبانی ایک ایسے حادثۂ جانکاہ کی خبر ملی، جسے سن کر بہت ہی صدمہ ہوا، وہ یہ کہ حضور والا کی دُختر نیک اختر کی شادی تھی اور عین شادی کے جشن میں نوجوان فرزند شکیل احمد صاحب کی وفات حسرت آیات کا تار ملا۔

حقیقت ہے کہ ایسے واقعات انسان کی برداشت سے باہر ہوتے ہیں، مگر یہ معلوم ہو کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ حضور والا نے صبر وحوصلہ کا ریکارڈ توڑ دیا، اُس تار کی اطلاع کسی کو حتیٰ کہ مرحوم کی والدہ کو بھی نہ دی اور نہ اپنے کسی انداز سے ظاہر ہونے دیا کہ آپکے دل پر یہ صدمہ گزرا ہے تاکہ لڑکی کے فرض سے سبکدوش ہو جاوے۔

ایسا صبر یا تو احادیث میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجۂ پاک کا پڑھا تھا یا آج آپ کے متعلق معلوم ہوا، یقیناً ان شاء اللہ! حضور والا کے مدارج ومراتب عنداللہ بہت ہی ہیں، جو ہم گنہگاروں کے خیال ووہم سے وراء ہیں۔ رب تعالیٰ آپ کو اس صبرِ عظیم کا بہترین صلہ عطا فرمائے اور حضور والا کے قلب کو نیز مرحوم کی والدہ ماجدہ اور تمام اعزہ واقارب کو صبر جمیل واجر جزیل بخشے اور ہم گنہ گاروں کے پاس بجز ان رسمی ٹوٹے پھوٹے الفاظ کے اور کیا ہے؟ صبر واجر دینے والا تو رب تعالیٰ ہے۔

کیا صاحبزادہ مرحوم اس شادی میں شرکت کے لئے لاہور نہ آئے تھے؟

امید ہے کہ اس عریضہ کے جواب سے نوازا جاؤں۔

والسلام مع الاحترام والاکرام :

میرا پتہ صرف یہ ہے :

۱۲ $\frac{1}{62}$ شنبہ　　مفتی احمد یار خاں

نعیمی کتب خانہ، گجرات

اللہ تعالیٰ نے مفتی عزیز احمد قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس حیرت انگیز صبر کا یہ اجر عطا فرمایا کہ بعد میں یہ خبر غلط ثابت ہوئی۔ جناب شکیل احمد بدایونی اگرچہ ہنگامے میں زخمی ہو گئے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کی زندگی محفوظ رکھی اور انہیں یہ سعادت حاصل ہوئی کہ عظیم والد کی زندگی کے آخری سالوں میں بہترین خدمت کا موقع ملا اور اُن کے گھر واقع کریم بلاک علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور ہی سے مفتی صاحب کا جنازہ اُٹھا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بدایوں کے مشہور علمی اور رُوحانی خانوادے کے عظیم المرتبت شیخ حضرت مولانا شاہ عبد المقتدر بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مُرید تھے، اور سلسلۂ عالیہ قادریہ میں اُن کے بھائی حضرت مولانا عاشق الرسول شاہ عبد القدیر بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مجاز تھے۔

برادرِ محترم مولانا محمد عبد الغفار ظفر صابری مدظلہ کو مفتی صاحب نے خلافت و اجازت سے نوازا تھا، سندِ خلافت درج ذیل ہے :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

اما بعد : فقیر سراپا تقصیر کو جو اپنے پیر طریقت، حضرت امام اہل سنت، بدرِ شریعت، سراجِ عرفا، محبِ اولیا، مولانا و سیدنا شاہ عاشق الرسول

فرزند شاہِ ولایت، حامئ سُنّت، قامعِ بدعت، تاج الفحول حضرت مولانا و مقتدانا محب الرسول مولانا شاہ عبدالقادر القادری العثمانی البدایونی، مولانا شاہ عبدالقدیر القادری العثمانی البدایونی سے جو سلسلۂ عالیہ قادریہ کی بیعت کی اجازت حاصل ہے، وہ عزیز گرامی مولانا عبدالغفار صاحب ظفر القادری کو دی جاتی ہے۔

دُعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ عزیز موصوف کو مذہبِ حقہ اہل سنت پر قائم رکھے اور سلسلۂ ہٰذا کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے، آمین آمین آمین! یا رب! بجاہ حبیبک رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وصحبہ اجمعین

حررہ فقیر سراپا تقصیر خاکپائے بزرگانِ دین عزیز احمد قادری المقتدری البدایونی عفی عنہ بالنبی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین۔

۵ر شوال المکرم ۱۳۸۶ھ

۱۷ر جنوری ۱۹۶۷ء بروز منگل مُہر

سگِ دربارِ غوثیہ
عزیز احمد
قادری

برادرِ محترم مولانا محمد عبدالغفار ظفر صابری مدظلہ نے بیان کیا کہ ایک دفعہ مفتی صاحب، جامعہ رضویہ، فیصل آباد کے جلسۂ دستارِ فضیلت میں بعد از نمازِ ظہر تقریر فرما رہے تھے۔ دورانِ تقریر مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلواؤ اور اہل سنت و جماعت کے مدارس میں داخل کراؤ۔ حضرت محدثِ اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد چشتی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ مدرسے کی چھت پر چہل قدمی فرما رہے تھے مسکراتے ہوئے فرمانے لگے، مفتی صاحب کا انداز عجیب ہے، دوسرے علماء روپے پیسے کا چندہ مانگتے ہیں، لیکن مفتی صاحب اولاد کا چندہ مانگتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب کی محبت و شفقت کا انداز بڑا دل کش تھا۔ اصاغر نوازی بھرپور انداز میں فرماتے۔ سنہ ۱۹۷۰ء میں راقم نے ایک رسالہ تحریر کیا: مسائل اہل سنت بجواب مسائل نجدیت۔ مفتی صاحب نے یہ رسالہ ملاحظہ فرمایا، تو کئی دفعہ کلمات تحسین ارشاد فرمائے۔ پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا تو کئی بار فرمایا کہ یہ رسالہ عوام اہل سنت کے لئے مفید ہے، اسے دوبارہ چھپوا دینا چاہیئے۔ چنانچہ فروری سنہ ۱۹۸۹ء میں چھپوا کر ان کی خدمت میں پیش کیا، تو بہت خوش ہوئے اور راقم کی درخواست پر چند کلمات تقریظ لکھوائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ رسالہ "مسائل اہل سنت" عقائد اہل سنت میں بے حد مفید ہے، تمام اہل سنت کو توجہ دلائی جاتی ہے کہ اس کی اشاعت میں زیادہ سے زیادہ کوشش کریں، اور یہ حدیث مدنظر رکھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بدأ الاسلام غریبا وسیعود کما بدأ فطوبیٰ للغربا وھم الذین یصلحون ما افسد الناس من سنتی۔

(اسلام کا آغاز غربت میں ہوا اور وہ اپنی ابتدائی حالت کی طرف لوٹ جائے گا۔ خوشخبری ہو غربا کے لئے اور یہ وہ لوگ ہیں کہ دوسروں نے جو میری سنت کو بگاڑ دیا تھا، اسے درست کریں گے (۱۲ قادری)

آپ یہی کام کر رہے ہیں کہ لوگوں نے جو خرابیاں پیدا کی ہیں، انہیں دور کر رہے ہیں۔

عزیز احمد قادری عفی عنہ

۲۹ر مارچ
۱۹۸۹ء

ایک دن راقم عیادت اور زیارت کے لئے حاضر ہوا، تو یہ حدیث سُنائی کہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

من عاد اخاہ المسلم او زارہ شیعہ سبعون الف ملك و یدعون لہٗ اللھم ارحمہ اللھم تب علیہ فاذا وصل یقولون طبت وطاب ممشاك وتبؤت من الجنّۃ منزلا۔

"جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی عیادت یا زیارت کے لئے جائے ستّر ہزار فرشتے اس کے جلو میں چلتے ہیں اور دُعا کرتے ہیں اے اللہ! اس پر رحم فرما' اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما' جب وہ پہنچ جاتا ہے' تو کہتے ہیں' تو بھی اچھا ہے' اور تیرا چلنا بھی اچھا ہے' اور تو نے جنّت میں اپنا گھر بنا لیا ہے۔"

پھر ایک دوسری حدیث بیان کی:

من قرأ القراٰن وعمل بما فیہ اُلبس والداہ تاجا یوم القیامۃ ضوءہ احسن من ضوء الشمس فما ظنکم بالذی عمل بما فیہ؟

"جس شخص نے قرآن پاک پڑھا اور اس کے احکام پر عمل کیا' اس کے والدین کو قیامت کے دن ایسا تاج پہنایا جائے گا' جس کی روشنی سُورج سے زیادہ حسین ہوگی۔ اس شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ جس نے قرآن پاک کے احکام پر عمل کیا۔"

پھر فرمانے لگے: یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فضیلت ہے۔

مجھے جہاں اُن کی بزرگانہ شفقت نے مسحور کیا' وہاں اس خیال نے حیرت میں ڈال دیا کہ اس پیرانہ سالی اور گوناگوں امراض کے باوجود حافظے کا یہ عالم کہ احادیث

اس طرح بیان کرتے ہیں، جیسے حافظ قرآن پاک پڑھتے ہیں۔

۲۰ دسمبر ۱۹۸۷ء کو حاضرِ خدمت ہوا تو فرمانے لگے: میں عموماً یہ دعا کیا کرتا ہوں:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللّٰھم ارزقنا واولادنا ایمانا کاملا وعلما نافعا وفھمًا کاملاً ورزقًا حلالاً طیبًا واسعًا وصحۃً وعافیۃً ولسانًا ذاکرًا وقلبًا شاکرًا وعملاً صالحًا متقبلاً وتوبۃ نصوحًا۔

"اے اللہ! ہمیں اور ہماری اولاد کو ایمانِ کامل، علم نافع، اور فہم کامل، رزقِ حلال وطیب اور وسیع، صحت وعافیت، زبان ذکر کرنے والی، دل شکر گزار، عمل صالح ومقبول اور خالص توبہ عطا فرما۔"

۸ جولائی ۱۹۸۹ء کو جامعہ نعیمیہ، گڑھی شاہو میں حضرت مولانا مفتی عزیز احمد قادری بدایونی ثم لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایصالِ ثواب کے لیے محفلِ قُل خوانی منعقد ہوئی، جس میں علماء کرام بڑی تعداد میں شریک ہوئے، اس محفل میں مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمد حسین نعیمی مدظلہ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

مشہور ہے کہ ایک میان میں دو تلواریں، اور ایک جگہ دو عالم اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ ۱۹۵۸ء میں جامعہ نعیمیہ، چوک دال گراں سے گڑھی شاہو منتقل ہوا۔ ۲۱ سال تک مجھے مفتی صاحب کے ساتھ رہنے کا موقع ملا، لیکن اس دوران نہ تو قبلہ مفتی صاحب کو مجھ سے اور نہ ہی مجھے اُن سے شکایت پیدا ہوئی۔

آج علماء سے بہت سی سنتیں رہ جاتی ہیں۔ حضرت قبلہ مفتی صاحب نے پوری زندگی کسی بھی مرحلے پر کسی بھی جگہ کوئی عمل خلافِ سُنّت نہیں کیا، نہ صرف

خود، بلکہ یہ بھی برداشت نہیں کرتے تھے کہ دوسرا خلافِ سنت عمل کرے
مولانا . . . . . . نے فرمایا ہے کہ ہر عالم ولی ہوتا ہے، اگرچہ
آج کلی طور پر یہ بات نہیں کی جاسکتی، لیکن میں پورے یقین سے کہہ سکتا
ہوں کہ وہ ہر پہلو سے ولی تھے۔

آج وہ ہم سے جدا ہوگئے ہیں، ان سے درخواست ہے کہ آئندہ بھی
اپنے فیوض و برکات جاری رکھیں۔

اُستاذ العلماء حضرت مولانا مفتی محمد عبد القیوم قادری ہزاروی مدظلہ ناظم اعلیٰ
جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور نے فرمایا:

"حضرت فقیہِ عصر مولانا مفتی عزیز احمد قادری بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
ایسی سادہ زندگی بسر کرتے تھے کہ ناواقف آدمی اُنہیں دیکھ کر ان کی عظمت
کا اندازہ نہیں لگا سکتا تھا، مفتی صاحب ہر سال جامعہ رضویہ، فیصل آباد
کے درجہ حدیث کے طلباء کا امتحان لیا کرتے تھے، جس سال میں نے
دورۂ حدیث کیا، اس سال بھی حسبِ معمول مفتی صاحب امتحان لینے تشریف
لے گئے۔ ہماری خواہش تھی کہ کوئی معروف شخصیت مثلاً مفتیِ اعظم پاکستان
حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری، حضرت غزالیِ زماں علامہ
سید احمد سعید کاظمی یا شیخ القرآن حضرت علامہ عبد الغفور ہزاروی
رحمہم اللہ تعالیٰ کے پاس امتحان ہوتا، تو امتحان دینے کا لطف دوبالا
ہو جاتا۔ مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ تھا کہ ایک ایک طالب علم کو
بلاتے اور اس کا امتحان لیتے۔ ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اچھے اچھے
فاضل علماء میں سے جو بھی کمرۂ امتحان سے باہر آتا، پیشانی سے پسینہ
پونچھتا ہوا ہی باہر نکلتا۔ مفتی صاحب حدیث شریف کی عبارت سے ہی

ایسے ایسے سوالات اٹھاتے کہ علماء حیرت زدہ رہ جاتے، تب ہمیں احساس ہوا کہ مفتی صاحب کا علمی مقام اور محدثانہ مرتبہ کیا ہے؟"

مولانا احمد حسن نوری مدظلہ نے بیان کیا:

"مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے جامعہ نعیمیہ کی جامع مسجد میں طویل عرصہ تک امامت و خطابت کے فرائض انجام دیئے۔ اُن کے تقویٰ و طہارت کا اثر یہ تھا کہ کسی کو اُن کے سامنے مجالِ دم زدن نہ تھی۔ ایک دفعہ رمضان شریف میں اٹھارہ تراویح پڑھانے کے بعد مفتی صاحب کو محسوس ہوا کہ ان کے پائنچے پر کوئی چیز لگی ہوئی ہے۔ مقتدیوں کو ٹھہرنے کا اشارہ کیا، جا کر پاجامہ تبدیل کیا اور واپس آکر دوبارہ عشاء کی نماز اور تراویح پڑھائیں۔ دُنیا میں وہ غالباً واحد امام ایسے تھے جنہوں نے اتنی احتیاط کا مظاہرہ کیا اور کسی مقتدی کو چون و چرا کی جرأت نہ ہوئی۔

ایک مجلس میں جامعہ نعیمیہ، لاہور کے امام و خطیب مولانا چودھری محمد اشرف نے بیان کیا کہ جامعہ نعیمیہ میں قاضی کورس کے افتتاح کے موقع پر غزالیٔ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ تشریف لائے۔ افتتاح کے بعد غزالیٔ زماں تشریف لے جانے کے لئے کار میں بیٹھے، تو میں نے عرض کیا کہ حضرت مفتی صاحب سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میرے لئے دُعا فرمائیں۔ حضرت غزالیٔ زماں فوراً کار سے نیچے اُتر آئے اور فرمایا: مجھے اُن کے پاس لے چلو۔ مریدین اور معتقدین کا جمِ غفیر ساتھ تھا۔ حضرت غزالیٔ زماں نے پہلے تو حضرت مفتی صاحب کے ہاتھوں کو بوسہ دیا، پھر ایک سو روپے بطور نذر پیش کئے اور حضرت مفتی صاحب سے دُعا کروائی۔

اللہ اللہ! کیا کسرِ نفسی تھی؟ اور بزرگوں کا کیا ادب و احترام تھا؟ علم و فضل کا مالہ ہونے کے باوجود اس قدر تعظیم اور اتنی محبت کا اظہار ان ہی قدسی صفات حضرات

کا شیوہ تھا اور ہمارے لئے احترام باہمی کی عظیم مثال' کاش موجودہ دور کے علما
میں اس باہمی احترام اور محبت کا عکس ہی پایا جاتا۔

حضرت مفتی صاحب کے صاحبزادے جناب شکیل احمد نے بتایا کہ حضرت
مولانا عبدالحامد بدایونی اور بدایوں کے دیگر علماء اہل سنت کی طرح مفتی صاحب
بھی کٹر مسلم لیگی اور نظریۂ پاکستان کے زبردست حامی تھے جبکہ ہمارے ماموں
ننھیال کے دیگر افراد صاحب ثروت بھی تھے اور پکے کانگریسی بھی، انہیں
مسلم لیگ اور پاکستان کی حمایت میں مفتی صاحب کی کارروائیاں ایک آنکھ نہ
بھاتی تھیں۔ صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ وہ دشمنی اور ایذارسانی پر اتر آئے تھے
دبدبہ کے علاوہ مفتی صاحب کے لاہور تشریف لانے کی ایک وجہ ان کی عداوت
۱۹۴۵ء میں مفتی صاحب لاہور تشریف لے آئے اور تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ
حصہ لیا۔ اکثر مسلم لیگ کے جلسوں میں تشریف لے جاتے۔ جناب شکیل احمد فرماتے ہیں
کئی جلسوں میں مجھے اور میرے بڑے بھائی کو بھی ساتھ لے جاتے۔ ہمیں وہ مشہور
بھی یاد کرایا ہوا تھا، جس میں کہا گیا تھا ؏ چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا
مگر مفتی صاحب ہمیں حکم دیتے، اس طرح پڑھو ؏

چین و عرب ہمارا، پاکستان ہمارا

قیام پاکستان کے ساتھ ہی مہاجرین کے قافلے آنے لگے، مفتی صاحب نے
کے لئے اپنی مسجد کے وسیع و عریض صحن میں کیمپ لگواتے، جہاں مہاجرین کے
قیام و طعام کا انتظام کیا گیا۔

جناب شکیل احمد کا بیان ہے کہ ان ہی قافلوں میں ہمارے ماموں بھی آگئے لیکن
میری والدہ نے ان سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ کانگریسی ہیں اور پاکستان
کے دشمن ہیں، چنانچہ وہ کراچی چلے گئے۔ ۱۹۶۴ء میں جب مفتی صاحب ہماری والدہ ماجدہ

کے ہمراہ حج و زیارت کے لئے جانے لگے، تو انہوں نے فرمایا کہ قرآن و حدیث کے مطابق رشتہ داروں سے صلہ رحمی ضروری ہے، اس لئے اب ناراضگی ختم ہو جانی چاہیئے، تب ہماری والدہ نے اپنے بھائی سے ملاقات کی۔ یہ حضرت مفتی صاحب کا دوسرا حج تھا، اس کے علاوہ پانچ چھ بار عمرے کی سعادت حاصل کی۔

جناب شکیل احمد ہی کا بیان ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد یوم پاکستان کے موقع پر غالباً گورنر ہاؤس میں ایک اجلاس منعقد ہوا، جس میں امرا اور وزرا شریک تھے، ان کی بیگمات بھی بے پردہ شریک محفل تھیں۔ اجلاس کے آغاز میں مفتی صاحب کو تلاوت کی دعوت دی گئی۔ اُس وقت تلاوت کے ساتھ ترجمے کا اہتمام نہیں ہوتا تھا، مفتی صاحب نے ان آیات کی تلاوت کی، جن میں پردے کا حکم ہے اور تلاوت کے بعد ان کا ترجمہ بھی بیان کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت کے میر صاحب نے پیچھے سے شیروانی پکڑ کر کھینچی اور کہا کہ ترجمے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن مفتی صاحب نہیں مانے، نہ صرف ترجمہ بیان کیا، بلکہ مختصر سی تقریر بھی کر دی اور آخر میں یہ بھی کہا کہ پاکستان اس لئے نہیں بنایا گیا کہ یہاں اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی کی جائے اور اس کے بعد سرکاری تقریبات میں بہت کم شریک ہوتے تھے۔

حضرت مولانا ابن الحسنات سید خلیل احمد قادری مدظلہ نے قل شریف کی محفل میں بیان کیا کہ جب قیامِ پاکستان کے بعد جمعیۃ العلمائے پاکستان قائم کی گئی تو حضرت علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری صدر اور غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی اس کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ جمعیت نے فیصلہ کیا کہ متبحر علماء کا ایک بورڈ مقرر کیا جائے تاکہ اگر کسی دینی مسئلہ میں علما کا اختلاف ہو جائے، تو ان علماء کی طرف رجوع کیا جائے اور ان کا فیصلہ حرفِ آخر ہو۔ اس بورڈ میں مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابو البرکات سید احمد قادری اور حضرت فقیہ عصر مولانا مفتی عزیز احمد قادری بدایونی کا نام سر فہرست تھا۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
حامداً ومصلیاً ومسلماً

امابعد فقیر سراپا التقصیر کو جو اپنے پیر طریقت حضرت امام اہلسنت مجدد شریعت
سرتاج عرفاء محبوب اولیاء مولانا و سیدنا شاہ عاشق الرسول فرزند شاہ ولایت
حامی سنت ماحی بدعت۔ تاج الفحول حضرت مولانا و مقتدانا محب الرسول
مولانا شاہ عبد القادر القادری العثمانی البدایونی کے خلف مولانا شاہ عبد القدیر
القادری العثمانی البدایونی سے جو سلسلہ عالیہ قادریہ کی بیعت کی اجازت حاصل ہے
وہ مولوی عزیز گرامی مولانا عبد الغفار صاحب ظفر القادری کو دیتا ہوں [illegible] دعا ہے
مولیٰ تعالیٰ عزیز موصوف کو مذہب حقہ اہلسنت پر قائم رکھے اور سلسلہ عالیہ کی اشاعت کی
توفیق عطا فرمائے آمین آمین آمین یا رب بجاہ حبیبک سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین

فقیر سراپا التقصیر خادم آستانہ بزرگان عزیز احمد قادری المقتدری البدایونی عفی عنہ بالنبی الامی

۵ شوال المکرم …ھ
۱۷ جنوری ۱۹۶۷ء بروز …

ملک دربار غولہ
عزیز احمد
قادری

۷۸۶

عزیز گرامی مولانا عبد الحکیم صاحب زید مجدہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حامل رقعہ ہذا کو پچاس کتابیں دیدیں
جمعہ میں ان شاء اللہ اعلان کر دیا جائیگا اسکی قیمت
ایک نسخہ پر صاف لکھدیجئے چھپی ہوئی قیمت صاف نہیں
فقیر عزیز احمد قادری غولہ

اُستاذُالکُل، ملک المدرّسین مولانا علامہ عطا محمد چشتی گولڑوی

متعنا اللہ تعالیٰ بطول حیاتہٖ

موجودہ دور کے شیخ رئیس، خیر آبادی فضلاء کے علمی جانشین، مہر عالم تاب حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہٗ کے مرید صادق، حضرت خواجہ سید غلام محی الدین گولڑوی بابو جی رحمہ اللہ تعالیٰ کے منظورِ نظر مرید، استاذ الاساتذہ مولانا علامہ عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ العالی وہ یکتائے روزگار مدرّس ہیں، جنہوں نے نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک مسندِ تدریس کو زینت بخشی اور اہل سنّت و جماعت کو لائق اور محنتی مدرسین کی بہت بڑی جماعت فراہم کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اہل سنّت و جماعت کے مدارس آپ ہی کے فیض یافتہ مدرسین کی بدولت آباد ہیں اور اس معاملے میں پورے ملک میں ان کا کوئی مدِمقابل نہیں ہے۔ پوری قوم ان کے احسانات کے بار سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

ولادت و نسب آپ اعوان قوم کے متوسط زمیندار ملک اللہ بخش اعوان (م ۱۹۵۳ء) ابن غلام محمد ابن محمد چراغ رحمہم اللہ تعالیٰ کے گھر ۱۹۱۶ء میں موضع بندھرال، ضلع خوشاب میں پیدا ہوئے۔ آپ کے چار بھائی تھے، جن میں سے مولانا علی محمد رحمہ اللہ تعالیٰ عالمِ جوانی میں انتقال کر گئے۔ انہوں نے تمام کتبِ درسیہ آپ سے پڑھیں اور دورہ حدیث بریلی شریف میں حضرت محدثِ اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے کیا۔

تحصیلِ علم آپ نے موضع وسنال، ضلع چکوال میں حافظ الٰہی بخش رحمہ اللہ تعالیٰ سے تین سال کے عرصے میں قرآن پاک حفظ کیا۔

وہیں قاضی محمد بشیر رحمہ اللہ تعالیٰ سے فارسی کی ابتدائی کتابیں کریما، نام حق پڑھیں۔ ۱۹۳۳ء میں اُستاذ العلماء، مرجع الفقہاء مولانا یار محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۷ء) کی خدمت میں بندیال ضلع خوشاب حاضر ہوئے اور سات سال کے عرصے میں صرف، نحو اور فقہ کی مختلف کتابوں کے علاوہ اصولِ فقہ کی حسامی اور منطق کی قطبی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ اس عرصے میں اُستاذِ محترم کی خدمت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا، یہاں تک کہ اُستاذِ گرامی علیل ہو گئے اور چھ ماہ تک اسباق کا سلسلہ منقطع رہا۔ اس کے باوجود حسبِ سابق خدمت گزاری کا سلسلہ جاری رہا، اور کسی دوسری جگہ جانے کا خیال تک نہ کیا۔ آخر خود اُستاذ العلماء کے فرمانے پر علامۂ زماں حضرت مولانا مہر محمد قدس سرہ کی خدمت میں اچھرہ، لاہور چلے گئے، لیکن نیازمندی کا یہ عالم تھا کہ تعطیلات کے موقع پر پہلے استاذِ مکرم کی خدمت میں بندیال حاضری دیتے، پھر والدین کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اساتذہ کی یہی عقیدت و محبت تھی جس نے آپ کو دُنیائے تدریس کا بدرِ منیر بنا دیا۔ آج اگر طلبہ میں وہ قابلیت اور رسُوخ فی العلم نہیں ہے، تو اُس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اساتذہ کا وہ ادب و احترام باقی نہیں رہا، جو کسی وقت دینی مدارس کے طلبہ کا طرۂ امتیاز تھا۔

حضرت ملک التدریس مدظلہٗ دو سال جامعہ فتحیہ، اچھرہ، لاہور میں رہے اور حضرت علامۃ العصر مولانا مہر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے مختصر المعانی، مطوّل، مُلّا حسن، قاضی مبارک، حمد اللہ، شرح عقائد خیالی اور امورِ عامہ وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ ان ہی سے حدیث میں مشکوٰۃ شریف اور مسلم شریف پڑھی۔ چھ ماہ موضع انہی (گجرات) میں منطق و فلسفہ کی بعض کتابیں پڑھیں۔ پھر لاہور واپس آکر استاذ الاساتذہ مولانا علامہ محب النبی رحمہ اللہ تعالیٰ سے جامعہ نعمانیہ، لاہور میں شمس بازغہ، اور شرح عقائد خیالی پڑھیں۔

حضرت مولانا محب النبی رحمہ اللہ تعالیٰ جلیل القدر فاضل اور بلند پایہ مدرس ہونے کے باوجود انتہائی منکسر المزاج اور تکلف سے بے نیاز شخصیت تھے، جُبّہ وکلاہ اور ظاہری آرائش ونمائش سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔ ایک دفعہ راقم نے ان سے پوچھا کہ حضرت مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ العالی نے آپ سے کچھ پڑھا ہے؟ فرمانے لگے: انہوں نے مجھے کہا تھا کہ میری چند کتابیں رہتی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس سال پڑھ لی جائیں تاکہ آئندہ پورا سال ان کے لئے صرف نہ کرنا پڑے۔ میں نے انہیں کہا کہ میرے ساتھ تکرار کر لیا کریں اور اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو پوچھ لیا کریں۔ اُن کا جواب سُن کر مجھے حیرت ہوئی کہ عصرِ حاضر کے نامور مدرس کا استاذ ہونے پر کسی فخر کا اظہار نہیں کیا، بلکہ اس سادگی سے واقعہ بیان کر دیا جیسے یہ کوئی غیر معمولی بات ہی نہ ہو۔

اس کے علاوہ ملک التدریس مدظلہٗ نے بھیرہ ضلع سرگودھا میں فاضلِ اجل مولانا علامہ غلام محمود رحمہ اللہ تعالیٰ سے تصریح، شرح چغمینی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ ان کا تکملہ پر حاشیہ تحفہ سلیمانیہ اور تصنیف لطیف نجم الرحمٰن مصنف کے تبحرِ علمی پر شاہد ہے۔

۱۹۴۸ء میں حضرت خواجہ سید غلام محی الدین گولڑوی (بابوجی) رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بغداد شریف حاضر ہوئے۔ اسی موقع پر جامع امامِ اعظم (بغداد شریف) کے خطیب حضرت علامہ مولانا شیخ عبدالقادر آفندی رحمہ اللہ تعالیٰ سے حدیث اور فقہ کی سند حاصل کی۔

مقاماتِ تدریس

تحصیل علوم سے فارغ ہونے کے بعد ۱۹۴۰ء میں تدریس کا آغاز کیا اور مختلف مدارس میں تشنگانِ علم کو سیراب کیا۔ دو سال مدرسہ فتحیہ، اچھرہ، لاہور، اسی زمانے میں حضرت

شیخ الحدیث و التفسیر مولانا علامہ غلام رسول رضوی مدظلہ العالی شارح بخاری نے آپ سے تفسیر بیضاوی اور اقلیدس وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ ایک سال دارالعلوم حزب الاحناف، لاہور میں فرائض تدریس انجام دیئے۔ اسی دور میں شارح بخاری حضرت علامہ سید محمود احمد مدظلہ العالی نے آپ سے بیضاوی شریف، ہدیہ سعیدیہ، اور مختصر المعانی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ ایک سال مدرسہ اسلامیہ، رانیاں، ضلع حصار، اور تین سال جامعہ محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف میں پڑھایا۔ ان دنوں مفسر قرآن حضرت پیر محمد کرم شاہ مدظلہ العالی فاضل عربی کی تیاری کر رہے تھے، انہوں نے اشارات، ابن سینا کے کچھ اسباق پڑھے۔ آٹھ سال دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام، سیال شریف، ایک سال جامعہ غوثیہ، گولڑا شریف، اور تقریباً تیئس ۲۳ سال جامعہ مظہریہ امدادیہ، بندیال، ضلع خوشاب میں مسندِ تدریس کو زینت بخشی۔ اِسی دور میں راقم الحروف نے آپ کے دریائے علم سے اکتسابِ فیض کیا۔ دو سال وڑچھہ شریف، ضلع خوشاب، تین سال دارالعلوم حامدیہ، کراچی، تین سال مکھڈ شریف، تین سال دارالعلوم محمدیہ بھکھی شریف، اس کے بعد جامعہ مظہریہ امدادیہ، بندیال، ضلع خوشاب میں علم و حکمت کا فیضان جاری رکھا۔ اِن دنوں صاحبِ فراش ہیں اور مولانا نذر حسین سلمہ کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے کہ ان سے استفادہ بھی کر رہے ہیں اور جانفشانی کے ساتھ خدمت کی سعادت بھی حاصل کر رہے ہیں۔

اوصافِ کریمہ

آپ نہایت خوش اخلاق، ملنسار اور متواضع شخصیت کے مالک ہیں۔ آفتابِ علم و فضل ہونے کے باوجود عُجب، خود بینی اور ریاکاری سے دُور کا واسطہ بھی نہیں رکھتے۔ طلباء اور عوام سے نہایت سادگی اور بے تکلفی سے گفتگو فرماتے۔ طلبہ کو تاکیدی

حکم ہوتا تھا کہ میرے آنے پر کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں، بیٹھے رہا کرو، مبادا کسی وقت تم نہ اُٹھو تو میرے دل میں خیال پیدا ہو کہ یہ میری تعظیم کے لئے کھڑے نہیں ہوئے، تو یہ امر میرے لئے نقصان دہ ہوگا، اپنے گاؤں ڈھوک ڈھمن کسی محفل میں تشریف لے جاتے، تو حاضرین ازراہِ احترام سگریٹ بجھا دیتے، حُقّہ ایک طرف رکھ دیتے۔ انہیں فرماتے کہ تمہیں حُقّہ اور سگریٹ نہیں پینا چاہیئے، لیکن اگر پیتے ہی ہو تو میرے آنے پر بھی پیتے رہا کرو، ورنہ مجھے آتا دیکھ کر تم خیال کرو گے کہ مولوی صاحب آگئے ہیں، اب ہم حُقّہ اور سگریٹ نہیں پی سکیں گے، اس طرح میرا آنا تمہیں بوجھ محسوس ہوگا۔

مزاج میں حیرت انگیز تحمّل ہے، بعض شاگرد بڑی بے تکلفی سے گفتگو کر جاتے ہیں، لیکن کیا مجال کہ پیشانی پر شکن پڑ جائے، اس کے باوجود دورانِ تدریس رعب دبدبے کا یہ عالم ہوتا کہ اچھے اچھے لائق طلباء دم بخود حاضر ہوتے۔ حق گوئی اور حق پرستی آپ کا شعار ہے۔ تقویٰ و پرہیز گاری میں اپنی مثال آپ ہیں۔ نماز اس اطمینان اور خضوع و خشوع سے ادا کرتے کہ اولیاء کاملین کی یاد تازہ ہو جاتی۔ صبح کی نماز کے بعد دیر تک اوراد و وظائف میں مشغول رہتے۔ صبح اور عصر کے بعد روزانہ میل ڈیڑھ میل پیدل چلنا آپ کے معمولات میں داخل تھا۔

بیعت اور مرشدِ گرامی سے عقیدت

زمانۂ طالب علمی میں آفتابِ گولڑا حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہٗ کے دستِ اقدس پر سلسلۂ چشتیہ میں بیعت ہوئے۔ سال میں کئی کئی دفعہ گولڑا شریف حاضر ہوتے۔ عُرس کی طویل نشست میں سراپا ادب ہو کر بیٹھتے۔ مُرشدِ گرامی کے ساتھ والہانہ عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔ ان کی گہری عقیدت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ گولڑا کے آفتابِ عالم تاب

کے رحلت فرما جانے کے بعد ان کے فرزند ارجمند حضرت پیر سید غلام محی الدین گولڑوی کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ اس کا باعث یہ تھا کہ آپ نے کچھ پیر بھائیوں سے سُنا کہ وہ حضرت پیر سید مہر علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو تو حضرت صاحب کہتے اور سجادہ نشین صاحب (بابوجی) کو صاحبزادہ صاحب کہتے، یہ بات انہیں ناگوار گزرتی، یہاں تک کہ آپ نے حضرت پیر سید غلام محی الدین رحمہ اللہ تعالیٰ (سجادہ نشین صاحب) سے گزارش کی کہ مجھے بھی بیعت کرلیں۔ حضرت نے کئی مرتبہ انکار کر دیا اور فرمایا کیا بڑے حضرت صاحب کی بیعت ختم ہو گئی ہے؟ ۱۹۴۸ء میں جب حضرت کے ساتھ بغداد شریف حاضر ہوتے تو پھر بیعت کی درخواست پیش کر دی حضرت نے ازراہِ کرم درخواست قبول کی اور ۳۰ / اپریل ۱۹۴۸ء کو حضرت ملک المدرسین اور محمد خان (کھاریاں) کو حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار شریف کے پاس بیعت کیا۔ (سفرنامہ بغداد، ص ۱۰۱)

غالباً ۱۹۶۲ء کی بات ہے جب راقم، بندیال میں آپ سے کسبِ فیض کر رہا تھا فرمایا: میرے ساتھ لاہور چلو، لاہور پہنچ کر حضرت مولانا خدا بخش رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مسجد المینار، عثمان گنج میں قیام کیا۔ دوسرے دن فرمایا، چلو تمہیں اپنے حضرت صاحب کی زیارت کروا لائیں، مجھے ساتھ لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ راستے ہی میں حضرت کے صاحبزادے غالباً شاہ عبد الحق گولڑوی مدظلہ، مل گئے، جو آپ کے شاگرد بھی تھے، میں نے چشمِ حیرت سے دیکھا کہ علم و فضل کا ہمالہ جھک کر اُن کی دست بوسی کر رہا ہے۔

اِسی موقع پر راقم کے والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت اُستاذِ گرامی کی ملاقات اور زیارت کے لئے عثمان گنج حاضر ہوتے۔ کچھ دیر حاضر رہنے کے بعد واپسی پر انہوں نے کچھ روپے بطورِ نذر پیش کئے جو اصرار کے باوجود آپ نے قبول نہیں کئے

زیادہ اصرار کیا، تو میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ میری طرف سے اِسے دے دیں۔ اِس واقعہ سے والد ماجد بہت متاثر ہوئے اور رخصت ہونے کے بعد کہنے لگے یہ استغنا، اور دُنیا سے بے نیازی علماء میں دیکھنے کو نہیں ملتی۔

ایک دفعہ آپ کے اُستاد بھائی مولانا سید منور شاہ صاحب نے بطورِ خوش طبعی فرمایا، آپ ہر سال عرس کے موقع پر گولڑا شریف جاتے ہیں، یہ تو بتائیں آپ نے ولایت کا کونسا مقام حاصل کیا ہے؟ اُستاذِ گرامی نے فرمایا: شاہ صاحب! آپ اچھے خاصے عالم ہیں، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو قانونچہ کھیوالی بھی یاد نہیں ہے جس میں لکھا ہے کہ ہر علم کے شروع کرنے سے پہلے اس کی غرض و غایت معلوم ہونی چاہیے آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ بیعت کا اولین مقصد زمرۂ اولیاء کے ساتھ عقیدت و تعلق کا ٹکٹ حاصل کرنا ہے، جس طرح ٹکٹ چیکر گاڑی سوار کا ٹکٹ دیکھ کر اُسے کچھ نہیں کہتا، اسی طرح ان شاء اللہ العزیز قبر اور میدانِ حشر میں دامنِ اولیاء سے وابستگی کا ٹکٹ دیکھ کر عذاب کے فرشتے ہمیں کچھ نہیں کہیں گے۔

سفرِ بغداد شریف

مارچ ۱۹۴۸ء میں حضرت پیر سید غلام محی الدین گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مریدین کے جمِ غفیر کے ساتھ بغدادِ مقدس کا سفر کیا۔ حضرت ملک المدرسین مدظلہ بھی شریکِ سفر تھے، راستے میں حضرت شاہ محمد عبدالحق سجادہ نشین گولڑا شریف نے آپ سے فلسفہ کی مشہور کتاب میبذی اور منطق کی سلم العلوم پڑھی۔ حضرت ملک المدرسین مدظلہ، سفرنامہ بغداد (قلمی) میں لکھتے ہیں:

> محرر سطور ٹیکہ لگوانے کی وجہ سے راستے میں محموم (مبتلائے بخار) ہو گیا طبیعت پر بڑی گرانی اور پریشانی کی فراوانی تھی، لیکن حضرت صاحبزادہ بلند اختر شاہ محمد عبدالحق اطال اللہ عمرہٗ کے ساتھ سلم العلوم اور میبذی کی تکرار

رہتی تھی، اس لئے غم غلط ہوتا رہا۔ اللہ رب العزت میرے حضرت کی اولاد کو تا قیامِ قیامت سلامت باکرامت رکھے، کیونکہ یہ گوہرانِ نایاب اپنے پناہ گزینوں پر اکرامِ بلیغ فرماتے ہیں۔ ؎۱

تصویر کے بغیر سفر ۲۷ مارچ کو کراچی میں تھے کہ ایک مشکل پیش آگئی، جس کا تذکرہ حضرت ملک المدرسین نے ان الفاظ میں کیا ہے:

"آج حضرت قبلۂ عالم مدظلہ العالی کا ارشاد ہوا کہ بغیر فوٹو کے عراق شریف کو جانا مشکل ہے، لہٰذا ابھی فوٹو والا آئے گا۔ یہ بات سن کر طبیعت پر بڑا بوجھ پڑا، کیونکہ ہم اس ذات گرامی کے دربارِ دُربار پر حاضر ہو رہے ہیں، جن کو محی الدین کا لقب اس لئے عطا ہوا کہ آپ نے شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ سے ہر ایک بدعت کو دور کر کے از سرِ نو دین کو زندہ کیا، اب اگر ہم ارتکابِ بدعت کر کے ان کے دربار پر حاضر ہوں، تو بظاہر سوءِ ادب ہے۔" ؎۲

چونکہ آپ نے ایک شرعی مسئلے کے پیشِ نظر فوٹو نہیں کھنچوائی تھی، پیر صاحب نے بھی اصرار نہیں کیا، بلکہ فرمایا تصویر نہ بنواؤ، آئندہ دیکھا جائے گا۔

چنانچہ بغیر تصویر کے ۱۰ اپریل ۱۹۶۸ء کو بغداد شریف پہنچ گئے۔ سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار کے خادم نے کہا کہ آپ کے پاسپورٹ پر تصویر نہیں ہے، لہٰذا تصویر بنوائیں۔ اُستاذ گرامی یہ سن کر پریشان ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وسیلہ پیش کرتے ہوئے یوں دعا کی:

؎۱ عطا محمد چشتی گولڑوی، علامہ: سفرنامہ بغداد (قلمی) مملوکہ علی احمد سندیلوی ص ۶

؎۲ ایضاً، ص ۸

اے اللہ! تو ہی عصیاں سے بچانے والا ہے۔ اپنے محبوب سبحانی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے صدقے اس بلا کو اپنے عاجز بندے کے سر سے ٹال۔

حق پرستوں کی اگر کی تو نے دلجوئی نہیں ۔۔۔ طعنہ دیں گے بت کہ مسلم کا خدا کوئی نہیں
غوثِ اعظم بے سروساماں مدد ہے ۔۔۔ قبلۂ دیں مدد ہے کعبۂ ایماں مدد ہے
اس پُرخطا کی شرم تمہارے ہی ہاتھ ہے ۔۔۔ اور اس ننگِ دوجہاں کا وسیلہ تمہی تو ہو
جو دستگیر ہے، وہ تمہارا ہی ہاتھ ہے ۔۔۔ اور جو ڈوبنے نہ دے وہ سہارا تمہی تو ہو[1]

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم، حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلۂ جلیلہ اور مرشدِ گرامی کی نظرِ عنایت سے مشکل آسان ہو گئی اور فوٹو سے مستثنیٰ قرار دے دیئے گئے، بغداد شریف، نجف اشرف، کربلا معلیٰ اور دیگر مزاراتِ مقدسہ پر حاضری دی اور ۲۰ مئی کو واپس سیال شریف پہنچ گئے، ان دنوں وہیں مدرس تھے۔

مرشدِ گرامی کی شفقت ومحبت

حضرت پیر سید غلام محی الدین گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت ملک المدرسین پر بڑی شفقت ومحبت فرماتے تھے، ان کے علمی مقام کے صحیح قدر دان تھے اور ان کی رائے کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ سفرِ بغداد میں ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کو حضرت کی موجودگی میں فوٹو کا مسئلہ زیرِ بحث آگیا۔ حضرت استاذ الاساتذہ نے فرمایا کہ تصویر حرام ہے، اگرچہ کسی امرِ مسنون کو ادا کرنے کے لئے بنوائی جائے کیونکہ فقہاء کا قاعدہ ہے کہ اگر سنت اور بدعت اس طرح جمع ہو جائیں کہ بدعت سے بچے بغیر سنت ادا نہ کی جا سکے، تو سنت ترک کر دی جائے۔ اس پر مجلس میں حاضر پیر بھائی بہت برہم ہوئے۔ حضرت ملک المدرسین فرماتے ہیں:

"ہمارے حضرت دام ظلہٗ نے ان کو فرمایا یہ شرعی مسئلہ ہے، اس میں

---

[1] عطا محمد چشتی گولڑوی، علامہ، سفرنامہ بغداد ص ۸

راستے کو دخل نہیں ہے۔ ؎

اسی طرح ایک محفل میں مسئلہ تصویر پر گفتگو ہوئی، تو پیر صاحب نے حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی کی تین تصویریں لا کر دیں اور فرمایا میرے پاس یہی تصویریں ہیں۔ حضرت ملک المدرسین وہ تصویریں لے آئے اور ان کے ساتھ کمرے میں مولانا محمد حسین شوق (پپلاں) ٹھہرے ہوئے تھے، مل کر غور کیا کہ ان تصویروں کا کیا کیا جائے؟ طے پایا کہ انہیں پانی میں بھگو دیا جائے۔ جب حل ہو جائیں تو پانی کسی محفوظ جگہ انڈیل دیا جائے۔ حضرت ملک المدرسین دوپہر کے وقت آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے بیدار ہوئے تو پانی کا جگ خالی تھا، دریافت کرنے پر مولانا محمد حسین شوق نے بتایا کہ مجھے پیاس لگی، تو میں نے وہ پانی پی لیا ہے۔ یہ تھی احکام شریعت کی پاسداری اور علماء دین کا احترام، سبحان اللہ! ماشاء اللہ!

حضرت ملک المدرسین مدظلہ اپنی تحقیق اور احتیاط کی بنا پر افطار کے مروج وقت سے چار پانچ منٹ کے بعد روزہ افطار کرتے ہیں۔ ایک دن کسی مرید نے پیر صاحب سے بطور شکایت کہا کہ حضور! آپ نے روزہ افطار کر لیا، مگر مولوی صاحب نے افطار نہیں کیا بلکہ چار پانچ منٹ کے بعد افطار کیا۔ پیر صاحب خلاف معمول جلال میں آ گئے اور اس شخص کو دو طمانچے رسید کرتے ہوئے فرمایا، وہ عالم دین ہیں، تمہیں ان پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے؟ اللہ اللہ! کیا توقیر تھی علم کی اور کیا احترام تھا علماء کا؟ پیر صاحب نے اگر پہلے روزہ افطار کیا تھا، تو یقیناً یہی سوچ کر افطار کیا تھا کہ وقت ہو چکا ہے، اس کے باوجود انہوں نے گوارا نہ کیا کہ ایک متبحر عالم دین کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جائے۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ دین اور تصوف نے علماء دین سے بیزاری، نفرت اور ان کی توہین کا درس نہیں دیا، بلکہ ان کی تعظیم و تکریم کا سبق دیا ہے۔

؎ عطا محمد چشتی گولڑوی، علامہ: سفرنامہ بغداد، ص ۱۳۲

حرمین شریفین کی حاضری

۱۹۶۳ء میں آپ نے حرمین شریفین کی حاضری دی اور حج و زیارت کی سعادت حاصل کی۔ راقم ان دنوں بندیال میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ آپ نے مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں استفتاء ارسال کیا تھا کہ موجودہ حالات میں تصویر کے بغیر حج نہیں کیا جا سکتا، جس پر حج فرض ہو وہ کیا کرے؟

حج سے واپسی پر ذوق و شوق اور رقت میں بہت اضافہ ہو گیا۔ اہل بیت کرام کے ذکر پر آبدیدہ ہو جاتے۔ کوئی شخص حاجی صاحب کہہ کر مخاطب کرتا، تو اسے تنبیہ کرتے کہ حج اللہ تعالیٰ کا فرض تھا، بحمد اللہ تعالیٰ وہ ادا ہو گیا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے ٹائیٹل ہی بنا لیا جائے

اولاد

اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادہ فدا محمد عطا فرمایا۔ جن دنوں آپ گولڑا شریف میں پڑھاتے تھے، وہ صاحبزادہ صغر سنی میں داغ مفارقت دے گیا۔ تمام نیازمندوں کی دلی آرزو تھی کہ مولائے کریم جل شانہٗ آپ کو نرینہ اولاد عطا فرمائے۔ آخر دربار ایزدی میں دعائیں قبول ہوئیں اور یکم رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء کو اللہ تعالیٰ نے صاحبزادہ عطا فرمایا، جن کا نام فدا احسن ہے، اب بحمدہٖ تعالیٰ جوان ہیں اور زیر تعلیم ہیں۔

جناب صوفی اصغر علی اصغر (اڈہ مریدوالا، فیصل آباد) نے اس موقع پر پنجابی اشعار میں ہدیۂ تبریک پیش کیا جو درج ذیل ہیں ؎

عطاء اللہ عطاء محمدی اے شُنیا نیک فرزند عطا ہویا
گولاگولڑے دا، کرم چشتیاں دا مہرپاک دا صدقہ فدا ہویا
غوث پاک دی کرم نوازیاں نیں پُورا اج برہڑھاپے دا چا ہویا
قدرت دی ضعیف نوں بخش لاٹھی آخروقت وچ فضل خدا ہویا

سُن کے خوشی دا رہیا نہیں کوئی حد بنا سجدے شکر دے پیا گزار دا ہاں
اصغرؔ اپنے استاد دے باغ اندر، طلب گار میں سدا بہار دا ہاں

شانِ تدریس

آپ ان معدودے چند اساتذہ میں سے ہیں جنہوں نے فرائضِ تدریس کو عبادت سمجھ کر ادا کیا۔ آپ نے عمرِ عزیز کے شب و روز محض تدریس میں صرف کر دیئے۔ وعظ و خطابت اور تصنیف و تالیف کی طرف بہت کم توجہ فرمائی۔

درج ذیل سطور میں آپ کی چند تدریسی خصوصیات پیش کی جاتی ہیں اور سچی بات یہ ہے کہ آپ کی شانِ تدریس کو منضبطِ تحریر میں لانا راقم کے بس کی بات نہیں ہے

(۱) بیسیوں دفعہ درسی کتب پڑھانے کے باوجود ہر کتاب باقاعدہ مطالعہ کر کے پڑھاتے۔ پھر یہی نہیں کہ کتاب پر ایک سرسری نگاہ ڈال لی، بلکہ نظرِ غائر سے ملاحظہ فرماتے۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ گرمیوں کے موسم میں آپ نے ہدایہ اخیرین کا مطالعہ شروع کیا، ادھر راقم الحروف نے بھی وہی کتاب دیکھنا شروع کی۔ مطالعہ کرنے کے بعد دیکھا، تو پتہ چلا کہ آپ ابھی تک کتاب ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ہر دفعہ نئے نئے مضامین نئے انداز میں بیان فرماتے۔

(۲) طلباء سے مطالعے کی سخت پابندی کرواتے۔ کسی طالب علم کے متعلق اگر محسوس کر لیں کہ اس نے پوری طرح مطالعہ نہیں کیا، تو اُسے اچھی خاصی سرزنش فرماتے، اس لئے وہاں غیر محنتی طالب علم کی بہت کم گنجائش ہوتی۔ آپ کے ہاں امتحان کا رواج نہیں تھا نہ ششماہی نہ سالانہ، کیونکہ عبارت پڑھنے والا طالب علم ہر روز امتحان سے زیادہ سخت باز پُرس اور جواب دہی کی کیفیت سے گزرتا تھا۔

(۳) مشکل سے مشکل مقام کو اس خوش اسلوبی سے بیان فرماتے کہ اس مطلب کے مشکل ہونے پر اعتبار نہیں آتا۔ اندازِ بیان ایسا پاکیزہ اور سہل ہوتا ہے کہ ہر بات

دل و دماغ میں اُترتی ہوئی محسوس ہوتی ۔ عبد الغفور نحو کی ایک مشکل ترین کتاب ہے، اس کا ایک مقام پڑھتے وقت راقم حسنِ بیان سے مسحور ہو کر رہ گیا تھا، جس کا اثر آج تک دل میں محسوس ہوتا ہے ۔ بس یُوں سمجھئے کہ نظریات کو بدیہی کر دکھاتے ہیں ۔

(۴) جب تک پڑھنے والے کو شرحِ صدر حاصل نہ ہو جائے، اُس وقت تک اُنہیں اطمینان نہیں ہوتا ۔ بعض اوقات ذہین طلباء کسی مطلب کی تکرار کو طوالت سمجھنے لگتے ہیں، لیکن آپ کے پیشِ نظر ہر قسم کے طلباء ہوتے ہیں، اس لئے آپ بالکل اُکتاہٹ محسوس نہیں کرتے ۔ حد یہ ہے کہ اُن کی نظر عبارت کے ہر گوشہ پر ہوتی ہے اور اس بات کو روا نہیں رکھتے کہ کسی پہلو کو نظر انداز کر دیا جائے ۔

(۵) طلباء کے سامنے اُن کی تعریف نہیں کرتے، چاہے وہ کتنا ہی لائق و فائق کیوں نہ ہو ۔ خاص طور پر جو طالبِ علم اُن کی زیادہ خدمت کرے، اُس کی بہت کم رعایت کرتے اس کا اثر یہ ہوتا کہ طلباء میں خواہ مخواہ غرور پیدا نہیں ہوتا، بلکہ جذبۂ محنت بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے ۔ رئیس الاذکیا حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سیالوی مدظلہ نے جب وزیر آباد جا کر دورۂ قرآن اور فیصل آباد دورۂ حدیث پڑھا اور دیگر مدارس کے طلباء کی علمی قابلیت کا جائزہ لیا، تو ایک موقع پر بطورِ خوش طبعی فرمایا:

> "باہر جا کر پتا چلا کہ ہم بھی علامہ ہیں، ورنہ یہاں (بندیال) تو استاذ صاحب نے ہمیں احساس ہی نہیں ہونے دیا کہ ہمیں بھی کچھ آتا ہے ۔"

(۶) تعلیم علوم کے ساتھ ساتھ طلباء کی اخلاقی اور عملی اصلاح پر بھی خاص توجہ فرماتے ۔ اکثر کمزوریوں کی نشان دہی فرما کر اخلاقِ صالحہ اور اعمالِ حسنہ کی ہدایت فرماتے رہتے ۔

ایک دفعہ مولانا حافظ شاہ محمد صاحب (خطیب مدینہ کالونی، والٹن، لاہور)

ایک جگہ تدریس کے لئے جانے لگے، تو آپ نے دیگر ہدایات کے علاوہ خاص طور پر فرمایا "طلباء سے اوقاتِ تدریس کے علاوہ زیادہ اختلاط نہ رکھنا، اس سے بہت سی خرابیوں کے پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ دورِ طالب علمی میں تمام طلباء سے بے تکلفی اور عام اختلاط ہوتا ہے، اس لئے دورِ تدریس میں اس عادت کا چھوڑنا دشوار ہوتا ہے۔ مزید فرمایا کہ اگر ہو سکے تو اپنے کپڑے بھی خود دھولیا کریں۔"

(۷) دورانِ تدریس، مناسبتِ مقام سے اختلافی مسائل کی تحقیق بیان فرمانا آپ کی امتیازی خصوصیت ہے۔ شرح عقائد، خیالی، مسلّم الثبوت اور بیضاوی شریف وغیرہ میں مسئلہ امتناع کذبِ باری تعالیٰ کو شرح و بسط سے بیان فرماتے۔ مخالفین کے شبہات کا رد اور اہل سنت و جماعت کے دلائل زور دار طریقے سے بیان کرتے۔ اس کے علاوہ مسئلہ نور، علمِ غیب، حاضر و ناظر وغیرہ مسائل کو نہایت مدلل انداز میں بیان فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے تلامذہ نہایت راسخ الاعتقاد واقع ہوئے ہیں اور مسلکِ اہل سنت و جماعت کے پُرجوش مبلغ اور ترجمان ہیں۔

ایک دفعہ مرزائیوں نے پیشکش کی کہ آپ ہمارے چند بچوں کو معقولات پڑھا دیں، ہم آپ کی معقول خدمت کریں گے۔ آپ نے فرمایا: مجھے منظور ہے، لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ موقع اور مقام کی مناسبت سے عقائد اور مسائل ضرور بیان کروں گا۔ کہنے لگے معقولات کا عقائد اور مسائل سے کیا تعلق؟ آپ نے فرمایا، اس کا تمام مسائل میں دخل ہے، اس پر وہ خاموش ہو کر رہ گئے۔

ایک دفعہ فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اہل سنت و جماعت میں پیدا فرمایا، کہیں گستاخوں کے گروہ میں شامل نہیں فرما دیا۔"

بیان کی اثر انگیزی

جناب ملک فضل الرحمٰن صاحب (بندیال) کٹر قسم کے دیوبندی تھے۔ دیوبندیوں کی طرف سے بعض اوقات علماء اہل سُنت کو مسائل اختلافیہ پر مناظرہ کا چیلنج بھی دیا کرتے تھے جناب ملک الٰہی بخش صاحب (بندیال) کے ذریعے حضرت اُستاذِ مکرم کے درس میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا۔ حضرت اُستاذِ مکرم مدظلہٗ کے منصفانہ اور عالمانہ بیانات اور زور دار دلائل نے اُن کے ذہن کا رُخ بدل ڈالا۔ ملک صاحب زید مجدہٗ بفضلہٖ تعالیٰ وکرمہٖ، غلط عقائد سے تائب ہو گئے۔ ڈاڑھی رکھ لی اور کئی سال تک باقاعدہ درسِ حدیث میں شریک ہوتے رہے۔ ماشاء اللہ! اب تو پورے مولوی اور عالم دکھائی دیتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک دیوبندی مولوی نے بندیال میں تقریر کی اور اپنے گستاخ خیالات کا اظہار کیا۔ اتفاق دیکھئے کہ اس کی پوری آواز استاذ صاحب قبلہ تک پہنچتی رہی۔ باوجودیکہ آپ تقریر میں دلچسپی نہیں لیتے، لیکن اس موقع پر دینی حمیت جوش میں آگئی۔ کرائے کا وہی سپیکر لا کر اہل سنت و جماعت کی مسجد میں نصب کیا گیا۔ آپ نے بعد از نماز عشاء ساڑھے تین گھنٹے ایسی مدلل تقریر فرمائی کہ عوام و خواص عش عش کر اُٹھے۔ آپ کے سامنے میز پر کتابوں کا انبار لگا ہوا تھا۔ آپ تقریر کر رہے تھے اور کتابوں کے حوالہ جات دکھلاتے جا رہے تھے۔ اس کے بعد گمان تھا کہ مخالفین مخالفانہ کارروائی کریں گے، مگر کسی کو دم زدن کی مجال نہ ہوئی۔

کچھ عرصہ بعد بندیال کے ایک دیوبندی مولوی نے علماء اہل سُنت و جماعت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر وہ مناظرہ کرنا چاہیں، تو ہم تیار ہیں۔ بندیال کے ایک ملک (ملک خان صاحب) نے کہا کہ ایسی بات مت کرو —— ورنہ مولانا عطا محمد صاحب کتابیں لے کر آجائیں گے۔ پھر تم سے کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔ اس پر وہ مولوی صاحب چُپ ہو کر رہ گئے۔

علم کی لگن کا فیضان

یہ امر انتہائی حیرت انگیز ہے کہ آپ کے شاگردوں میں علم حاصل کرنے کا شوق جنون کی حدوں کو پہنچ جاتا اور وہ دن رات محنت کرکے کوشش کرتے کہ اُستاذِ گرامی کا ایک ایک جملہ اپنے حافظے میں محفوظ کرلیں، مجھے وہ منظر نہیں بھولتا، جب مولانا علامہ غلام رسُول سعیدی (شارح مسلم)، صبح کے سات آٹھ بجے کتابوں کا انبار اٹھائے ہوئے مسجد سے باہر آئے، تو ایک طالب علم نے مسکراتے ہوئے کہا کہ اُستاذ صاحب ڈھوک دھمن (اپنے گھر) چلے گئے ۔ علامہ صاحب اتنے افسردہ ہوئے کہ ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے ۔ کہنے لگے ہم لوگ رات بھی مطالعہ کرتے رہے اور نماز فجر کے بعد بھی تیاری کرتے رہے، لیکن اُستاذ صاحب چُپ چاپ چلے گئے ۔ آج طلبہ میں اشتیاقِ علم کی یہ فراوانی کہاں؟ یہی وجہ ہے کہ وہ علمی کمال بھی تو حاصل نہیں ہوتا ۔

حضرت اُستاذِ گرامی کی جامع الصفات شخصیت اس قدر پُرکشش ہے کہ ایک دفعہ شریکِ درس ہو کر علم کی چاشنی چکھ لینے کے بعد طالب علم کو دوسری جگہ اطمینان حاصل نہیں ہوتا ۔ مولانا علامہ علی احمد سندیلوی، تصریح (علم ہیئت کی کتاب) پڑھنا چاہتے تھے، طویل انتظار کے باوجود یہ کتاب شروع نہ ہو سکی ۔ انہوں نے سُنا کہ حاصلاں والا، ضلع گجرات میں مولانا علامہ حکیم سُلطان احمد مدظلہ، افق المبین وغیرہ کتابیں پڑھاتے ہیں، رختِ سفر باندھا اور وہاں پہنچ گئے، وہاں بھی سبق شروع نہ ہوا تو لاہور چلے گئے، اور چند ماہ بعد پھر بندیال پہنچ گئے ۔

آپ نہ صرف درسی کتابیں پوری دیانت داری اور انہماک سے پڑھاتے، بلکہ دیگر اوقات میں بھی طلبہ کو لُطف وکرم سے نوازتے ۔ ایک دفعہ مولانا علامہ غلام رسول سعیدی (کراچی) کو شدید کھانسی ہو گئی، کئی دن گزر گئے، لیکن افاقہ نہ ہوا ۔ اُستاذِ گرامی نے انہیں بڑی تاکید کے ساتھ حکم دیا کہ لاہور جا کر اپنا علاج کراؤ ۔ صرف یہی نہیں بلکہ کرائے

اور علاج کے لئے کچھ رقم خود دی اور کچھ حضرت مولانا فضل حق بندیالوی مدظلہ سے دلوائی۔ علامہ سعیدی صاحب اس رویے سے بڑے متاثر ہوئے اور کہنے لگے اتنی تاکید کے ساتھ علاج کروانے کے لئے تو شاید میری والدہ محترمہ نے بھی مجھے نہیں کہا ہو گا۔

شانِ استغناء

طلبہ پر بے حد شفیق ہونے کے باوجود استغناء بھی درجۂ کمال کو پہنچا ہوا ہے۔ ایک دفعہ کسی کتاب کے ختم ہونے پر چھ سات بڑے بڑے طلبہ نے مل کر درخواست کی کہ آپ خیالی شروع کرادیں۔ آپ نے فرمایا، اب رسالہ قطبیہ شروع ہوگا۔ طلبہ نے گزارش کی کہ رسالہ قطبیہ صرف دو طالب علموں نے پڑھنا ہے، باقی سب پڑھ چکے ہیں، جبکہ خیالی سب نے پڑھنی ہے۔ اُستاذ صاحب نے فرمایا، "جس نے پڑھنا ہے پڑھے، جو نہیں پڑھنا چاہتا نہ پڑھے"۔ راقم کا خیال تھا کہ شاید طلبہ اس ذہنی دھچکے کو برداشت نہیں کر سکیں گے اور مدرسہ کو چھوڑ کر چلے جائیں گے، لیکن دوسرے دن حیرت کی انتہا نہ رہی کہ سب طلبہ کمال اشتیاق سے رسالہ قطبیہ ہی پڑھ رہے تھے، اس سے طلباء کی عقیدت اور وابستگی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مولانا علامہ پیر محمد چشتی مدظلہ (پشاور) فرمایا کرتے تھے کہ اُستاذ حفظہ اللہ الصمد کا مظہر ہیں۔

عُلوم عقلیہ و نقلیہ کی تدریس

آپ موجودہ دور میں معقولات و منقولات کے یکتائے روزگار مدرس ہیں۔ ہر سال معقول و منقول کی انتہائی اور ادق کتابوں کا درس دیتے رہے ہیں۔ اگر آپ کو دنیائے تدریس کا سلطان کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، آپ کی مقبولیت اور شہرت کا یہ عالم ہے کہ ملک بھر سے مُشتاقانِ علم آپ کی بارگاہ میں کھنچے چلے آتے اور ہر صاحب علم آپ کے کمال تدریس کا مُعترف اور مدّاح نظر آتا۔

راقم الحروف غالباً ۱۹۶۰ء میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد سردار احمد رحمہ اللہ تعالیٰ

کی خدمت میں فیصل آباد حاضر ہوا، تو فرمانے لگے: کہاں پڑھتے ہو؟ عرض کیا: بندیال۔ فرمایا: کیا پڑھتے ہو؟ عرض کیا: شرح جامی، مختصر المعانی اور تکملہ عبد الغفور، مسکراتے ہوئے فرمانے لگے:

"بندۂ خدا منطق و معقول کے گھر میں رہ کر منطق کا کوئی سبق شروع نہیں کیا۔"

راقم کا بندیال میں یہ پہلا سال تھا، میں اس سے پہلے مختصر المعانی مختلف مقامات سے تین چار اساتذہ سے پڑھ چکا تھا۔ بندیال حاضر ہوا تو استاذ گرامی نے فرمایا: مختصر المعانی میں شامل ہو جاؤ۔ عرض کیا کہ مختصر تو میں پڑھ چکا ہوں۔ فرمایا: "تم نے نہیں پڑھی، اب پڑھو" اور واقعی چند اسباق پڑھنے کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ میں نے اس سے پہلے مختصر نہیں پڑھی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ خود مختصر پڑھا رہے ہیں، اور کتاب کے ہر گوشے کو بے نقاب کئے جا رہے ہیں۔

آپ کی طبیعت پر علوم عقلیہ کا ذوق غالب رہا، یہی وجہ ہے کہ آپ کی زیادہ تر شہرت معقولات ہی میں رہی، لیکن یہ حقیقت ہے کہ آپ معقولات کی طرح منقولات کے پڑھانے میں بھی یکتا ہیں اور جس گہرائی میں جا کر گفتگو کرتے ہیں، وہ بھی آپ ہی کا حصہ ہے۔ علوم دینیہ کی تدریس سے آپ کو عشق کی حد تک لگاؤ ہے۔ سلف صالحین کی طرح نام و نمود سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے۔ ایک دفعہ راقم نے عرض کیا کہ آپ کوئی کتاب لکھ دیں، اس سے خلق خدا کو فائدہ بھی ہوگا اور یادگار بھی باقی رہے گی۔ فرمانے لگے افادۂ عوام والی بات تو درست ہے، لیکن یادگار کی کیا حیثیت ہے؟ آخری جملہ کہتے ہوئے اُن کے لہجے کی تلخی واضح طور پر محسوس کی جا سکتی تھی۔

اساتذۂ کرام اور علماء اہل سنّت کا احترام

حضرت ملک المدرسین جب بھی اپنے اساتذہ کا ذکر کرتے ہیں، تو اس میں والہانہ پن کی واضح جھلک دکھائی دیتی ہے۔ ایک دفعہ فرمانے لگے: آج لوگ ہمارے

بارے میں کہتے ہیں کہ یہ ایسے ایسے ہیں۔ ہم نے جن اساتذہ سے پڑھا ہے اگر اس وقت اُن کے مقابلے میں ہم جیسا مدرّس ہوتا، تو ہم اُس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کرتے۔

حضرت علامہ مولانا محمد اشرف سیالوی مدظلہٗ کی شادی کے موقع پر سلانوالی تشریف فرما تھے۔ دورانِ گفتگو علامہ نبہانی قدس سرہٗ کی تالیف لطیف جواہر البحار کا ذکر آگیا، تو فرمانے لگے:

"عربی میں علامہ نبہانی، فارسی میں شیخ محقق شیخ عبدالحق محدّث دہلوی، اور اُردو میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی (رحمہم اللہ تعالیٰ) ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اِن حضرات نے شانِ رسالت کی عظمت کو خوب خوب بیان کیا۔ ان کی زندگی کا مشن ہی بارگاہِ رسالت میں گلہائے عقیدت پیش کرنا تھا۔"

ماہنامہ ندائے اہلِ سُنّت، لاہور سے ایک انٹرویو میں فرمایا:

"بظاہر مجھے اعلیٰ حضرت (قدس سرہ) سے شرفِ تلمذ نہیں مل سکا تاہم میرے اکثر اساتذہ محدّثِ بریلوی (قدس سرہٗ) کا ذکرِ خیر، حجّت کے طور پر کیا کرتے تھے اور خود مجھے کتابیں پڑھنے کا شعور آیا، تو اعلیٰ حضرت (قدس سرہٗ) کی کتابوں نے میرے مطالعہ میں وسعت پیدا کی، آپ کا علم جیسے جیسے پختہ ہوتا جائے گا۔ اعلیٰ حضرت (رحمہ اللہ تعالیٰ) کی کتابیں پڑھتے جایئے، آپ ان سے عقیدت رکھنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ کوئی ایسا عنوان نہیں، جس پر امامِ اہلِ سُنّت (قدس سرہ) کے قلم نے کوئی پہلو تشنہ چھوڑا ہو، اسی لئے مَیں اپنے اساتذہ کی طرح ہی اعلیٰ حضرت (رحمہ اللہ تعالیٰ) کو بطورِ حجّت پیش کرتا ہوں۔" [۱]

---

[۱] عطا محمد چشتی گولڑوی، علامہ، ماہنامہ ندائے اہلِ سُنّت لاہور، شمارہ فروری ۱۹۹۰ء

محدثِ اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سردار احمد چشتی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں فرمایا:

"حضرت مولانا سردار احمد (رحمہ اللہ تعالیٰ) قرنِ اول کے اسلاف کا نمونہ، محبت کا پیکر، اور عشقِ رسول میں اُن کا انگ انگ گندھا ہوا تھا۔ وہ تمام علوم عقلی اور نقلی کو عشقِ رسول کے نمونہ میں دیکھتے تھے۔ انہوں نے اہلِ سُنّت کی بے پناہ فکری اور علمی خدمت کی، اعلیٰ حضرت بریلوی (قدس سرہ) کا سچا نمونہ تھے، مجھے ان سے تعلقات پر فخر ہے۔" ؎

سیاست

حضرت ملک المدرسین ٹھیٹھ مدرس ہونے کے باوجود سیاست کے ساتھ بھی متعلق رہے ہیں، وہ دل کی گہرائی سے اسلامی سیاست پر یقین رکھتے ہیں اور اُمتِ مسلمہ کی بقا اور کامیابی کے لئے نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ کو ناگزیر قرار دیتے ہیں۔ ۱۹۴۶ء میں بھیرہ ضلع سرگودھا میں تشریف فرما تھے۔ ان دنوں تحریکِ پاکستان عروج پر تھی۔ سرگودھا کے علاقے میں حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ مسلم لیگ کے صدر تھے۔ حضرت پیر محمد کرم شاہ ازہری کے والد ماجد پیر محمد شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ مجاہدِ کامل تھے، وہ علاقے کا بھرپور دورہ کرتے تھے، جس کا پروگرام باقاعدہ چھپتا تھا۔ اس سال بھی انہوں نے دورہ کیا اور حضرت ملک المدرسین کو اپنے ساتھ رکھا۔ چنانچہ آپ نے جگہ جگہ جاکر پاکستان کا پیغام پہنچایا اور اس شان کے ساتھ کہ طلبہ ساتھ تھے اور ان کے اسباق بھی جاری تھے۔

آپ کے اُستاذِ گرامی حضرت مولانا یار محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ اخبار نہیں پڑھتے تھے۔ انہوں نے حضرت علامہ عطا محمد چشتی گولڑوی سے پوچھا کہ کانگریس اور یونینسٹ والے کیا چاہتے ہیں اور مسلم لیگ کیا چاہتی ہے؟ آپ نے عرض کیا کہ مسلم لیگ صرف یہ

؎ عطا محمد چشتی گولڑوی، علامہ: ماہنامہ ندائے اہلِ سُنّت، لاہور، فروری ۱۹۹۳ء

چاہتی ہے کہ مسلمانوں کا الگ ملک ہو، جس میں مسلمان آزادی سے اپنے دین پر عمل کر سکیں
باوجودیکہ بندیال کا طبقۂ امراء خضر حیات کا حامی تھا، حضرت علامہ مولانا یار محمد بندیالوی
مسلم لیگ کی حمایت میں سینہ سپر ہوگئے اور بندیال کے ملک صاحبان کی ہزار منت سماجت
کے باوجود مسلم لیگ کی حمایت سے دستبردار نہیں ہوئے۔ [1]

۱۹۷۶ء سُنّی کانفرنس، ملتان کے موقع پر جمعیت العلماء پاکستان میں شامل ہوئے
ایک عرصہ سے جمعیت کے نائب صدر ہیں اور نظام مصطفےٰ کے نفاذ اور مقام مصطفےٰ
کے تحفظ سے بڑی گہری وابستگی رکھتے ہیں۔

تلامذہ حضرت اُستاذ الاساتذہ ملک المدرسین مولانا علامہ عطا محمد چشتی گولڑوی
مدظلہ کے شاگردوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ اس مختصر تحریر میں
ان کا احاطہ بہت مشکل ہے۔ درج ذیل سطور میں چند معروف تلامذہ کے اسماء گرامی
پیش کئے جاتے ہیں۔ مولانا علامہ علی احمد سندیلوی نے مبسوط فہرست مرتب کی ہے،
تفصیل کے لئے اسے ملاحظہ کیا جائے:

۱۔ حضرت استاذ الاساتذہ مولانا علامہ غلام رسول رضوی، شیخ الحدیث والتفسیر
(صاحب تفہیم البخاری)، جامعہ رضویہ، مظہر اسلام، فیصل آباد
۲۔ حضرت علامہ مولانا سید محمود احمد رضوی، صاحب فیوض الباری شرح بخاری،
امیر انجمن حزب الاحناف، لاہور
۳۔ حضرت پیر سید عبدالحق گولڑوی مدظلہ، سجادہ نشین گولڑا شریف
۴۔ حضرت خواجہ محمد حمید الدین سیالوی مدظلہ سجادہ نشین سیال شریف
۵۔ حضرت علامہ مولانا صاحبزادہ محمد عبدالحق بندیالوی، مہتمم جامعہ مظہریہ امدادیہ،
بندیال شریف، ضلع خوشاب

---

[1] عطا محمد چشتی گولڑوی، علامہ: ندائے اہل سنت، لاہور، شمارہ فروری ۱۹۹۳ء

۶- حضرت علامہ مولانا محمد فضلِ حق بندیالوی مدظلہ، بندیال شریف

۷- حضرت پیرِ طریقت مولانا علامہ محمد اشرف قادری مدظلہ، کھریپڑ شریف، پتوکی

۸- حضرت علامہ مولانا اللہ بخش رحمہ اللہ تعالیٰ، جامعہ مظفریہ رضویہ، واں بھچراں ضلع میانوالی

۹- حضرت شیخ الحدیث مولانا علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ،

دار العلوم ضیاء شمس الاسلام، سیال شریف ضلع سرگودھا

۱۰- حضرت علامہ مولانا غلام رسول سعیدی (شارح مسلم شریف) دار العلوم نعیمیہ، کراچی

۱۱- حضرت علامہ مولانا چراغ دین مدظلہ، بگّی ڈل، تحصیل جڑانوالہ

۱۲- حضرت علامہ مولانا علی محمد رحمہ اللہ تعالیٰ (برادرِ خورد حضرت استاذ الاساتذہ)

۱۳- حضرت مولانا علامہ پیر محمد چشتی، مہتمم دار العلوم جامعہ معینیہ غوثیہ، پشاور

۱۴- حضرت علامہ مولانا فضل سبحان قادری، مہتمم دار العلوم قادریہ، بغدادہ مردان

۱۵- حضرت علامہ مولانا مقصود احمد قادری، خطیب حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ تعالیٰ، لاہور

۱۶- حضرت علامہ مولانا غلام محمد چشتی صدر مدرس دار العلوم خیر المعاد، ملتان

۱۷- حضرت پیرِ طریقت سید غلام حبیب شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ، وڑچھہ شریف ضلع خوشاب

۱۸- حضرت علامہ مولانا نور سلطان قادری، مہتمم جامعہ انوارِ باہو، بھکر

۱۹- حضرت علامہ مولانا صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری، مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ، بصیر پور

۲۰- حضرت علامہ مولانا محمد زبیر نقشبندی، مہتمم رُکن الاسلام، حیدرآباد

۲۱- حضرت علامہ مولانا جمال الدین شاہ کاظمی مہتمم جامعہ قمر العلوم فریدیہ، کراچی

۲۲- حضرت مولانا علامہ صاحبزادہ محمد سردار احمد مہتمم جامعہ الحبیب، حبیب آباد، پتوکی

۲۳- حضرت مولانا علامہ صاحبزادہ محمد مظہر الحق بندیالوی ناظم جامعہ مظہریہ امدادیہ، بندیال

۲۴- حضرت مولانا علامہ صاحبزادہ محمد ظفر الحق بندیالوی لیکچرار گورنمنٹ کالج جوہرآباد

۲۵- مجاہدِ کبیر حضرت مولانا علامہ محمد نذیر نقشبندی، آزاد کشمیر

۲۶- حضرت مولانا علامہ قاضی محمد مظفر اقبال رضوی، ابن مولانا مفتی غلام جان ہزاروی، سابق مدرس جامعہ نعمانیہ، لاہور

۲۷- حضرت مولانا علامہ محمد رشید نقشبندی، مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

۲۸- حضرت مولانا علامہ گل احمد عتیقی شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ، فاروق آباد

۲۹- حضرت مولانا علامہ عطا محمد متین، شادیہ، میانوالی

۳۰- حضرت مولانا علامہ محمد اسمٰعیل حسنی مہتمم جامعہ حسنیہ، شاہ والا ضلع خوشاب

۳۱- حضرت مولانا علامہ عبدالرحمٰن حسنی مدرس " " " "

۳۲- حضرت مولانا علامہ فتح محمد باروزی، سبی بلوچستان

۳۳ حضرت مولانا علامہ محمد نذیر، مدرس مدرسہ غوثیہ ہدایت القرآن، ممتاز آباد ملتان

۳۴- حضرت مولانا علامہ یار محمد کھچی، فورٹ عباس

۳۵- حضرت مولانا علامہ غلام محمد نقشبندی، مدرس جامعہ نعیمیہ، لاہور

۳۶- حضرت مولانا علامہ محمد اجمل رحمہ اللہ تعالیٰ، سابق پروفیسر گورنمنٹ کالج، لاہور

۳۷- حضرت مولانا علامہ عبدالرشید قمر، لیکچرار گورنمنٹ کالج، فیصل آباد

۳۸- حضرت مولانا علامہ محمد نواز الحسنی، لیکچرار اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

۳۹- حضرت مولانا علامہ قاری محمد بشیر نسیم، مدرس دُرس وڈے میاں، لاہور

۴۰- حضرت مولانا حافظ محمد حسین پدھراڑوی، لاہور

۴۱- حضرت مولانا علامہ حافظ عبدالغفور پدھراڑوی، خطیب جامع مسجد حنفیہ چوہان روڈ لاہور

۴۲- حضرت مولانا علامہ محمد عبداللہ باروی منظفر گڑھ

۴۳- حضرت مولانا علامہ محمد یونس، مدرس خدام الصوفیہ، گجرات

۴۴- حضرت مولانا علامہ شیخ احمد سیالوی مہتمم جامعہ شمسیہ نظامیہ، چنیوٹ

۴۵- حضرت مولانا علامہ محمد یوسف شاہ، مدرس شمس العلوم، کراچی

۴۶ - حضرت مولانا علامہ محمد اشرف نقشبندی مہتمم جامعہ عثمانیہ، داروغہ والا، لاہور

۴۷ - حضرت مولانا علامہ عطا محمد قادری، مہتمم مدرسہ سلطانیہ، حاصل پور

۴۸ - حضرت مولانا علامہ محمد رفیق چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ (مؤلف فیض عطا شرح کریما) گوجرخان

۴۹ - حضرت مولانا علامہ غلام نبی نقشبندی، مہتمم دارالعلوم عطائیہ رضویہ نقشبندیہ گکھڑ

۵۰ - حضرت مولانا علامہ محمد یعقوب ہزاروی، مدرس جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی

۵۱ - حضرت مولانا علامہ محمد عبدالرشید قریشی " " " " " "

۵۲ - حضرت مولانا علامہ محمد اقبال مصطفوی، خطیب جامع مسجد نور شاہ ولی، فیصل آباد

۵۳ - حضرت مولانا علامہ عطا محمد کونڈی، . . . . . خطیب خوشاب

۵۴ - حضرت مولانا علامہ مفتی محمود حسین شائق، . . . . خطیب منگلا

۵۵ - حضرت مولانا علامہ کمال الدین، آزاد کشمیر

۵۶ - حضرت مولانا علامہ شاہ نواز، مدرس جامعہ نعیمیہ، لاہور

۵۷ - حضرت مولانا علامہ علی احمد سندیلی، مدرس جامعہ جماعتیہ، لاہور

۵۸ - حضرت مولانا علامہ محمد اسلم، جھنگ

۵۹ - حضرت مولانا علامہ قاری جان محمد کراچی

۶۰ - حضرت مولانا علامہ سعید احمد اوکاڑا چھاؤنی

۶۱ - حضرت علامہ مولانا محمد حنیف، خطیب جامع مسجد بغدادی، قائد آباد

۶۲ - حضرت مولانا علامہ شاہ محمد، خطیب مدینہ کالونی، والٹن، لاہور

۶۳ - حضرت مولانا علامہ محمد رشید پدھراڑوی، مدرس جامعہ غوثیہ، سرگودھا

۶۴ حضرت مولانا علامہ میاں اکبر علی، بالا، ضلع میانوالی

۶۵ - حضرت مولانا علامہ حبیب امجد، مدرس جامعہ امینیہ رضویہ، فیصل آباد

۶۶ - حضرت مولانا علامہ محمد اکرم جھنگوی، کراچی

۶۷۔ حضرت مولانا علامہ امام الدین، خطیب جامع مسجد شیخانوالی، فاروق آباد
۶۸۔ حضرت مولانا علامہ مفتی نواب الدین رحمہ اللہ تعالیٰ، مدرس جامعہ رضویہ مظہر اسلام، فیصل آباد
۶۹۔ حضرت مولانا علامہ محمد صابر الامینی، خطیب کاموکی
۷۰۔ حضرت مولانا علامہ محمد شہباز خان رحمہ اللہ تعالیٰ، شاہوالہ، خوشاب
۷۱۔ حضرت مولانا علامہ منظور احمد، خطیب حافظ آباد
۷۲۔ حضرت مولانا علامہ صاحبزادہ معظم سلطان، دربار عالیہ سلطان باہو رحمہ اللہ تعالیٰ، جھنگ
۷۳۔ حضرت مولانا علامہ عبدالواحد، شادیہ، میانوالی
۷۴۔ حضرت مولانا علامہ نذر حسین، آجکل خدمت کے ساتھ استفادہ بھی کر رہے ہیں۔
۷۵۔ حضرت مولانا علامہ سید سکندر شاہ، مدرس جامعہ غوثیہ، گولڑا شریف
۷۶۔ حضرت مولانا علامہ مفتی محمد رفیق حسنی، مہتمم جامعہ اسلامیہ گلزار حبیب، کراچی
۷۷۔ حضرت مولانا علامہ شاہ حسین گردیزی، مہتمم دارالعلوم مہریہ گلشن اقبال، کراچی
۷۸۔ حضرت مولانا علامہ عبدالمالک، مہتمم جامعہ اکبریہ، میانوالی،
۷۹۔ حضرت مولانا علامہ محمد مرتضیٰ، جامعہ عثمانیہ، فاروق آباد
۸۰۔ راقم الحروف محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور وغیرہم

حضرت علامہ شبیر احمد ہاشمی نے حضرت ملک المدرسین مدظلہ سے انٹرویو کرتے ہوئے سوال کیا کہ آپ کے تلامذہ کی تعداد اس وقت تقریباً کتنی ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا،

"میں تقریباً پچاس سال سے تدریس کر رہا ہوں، یوں تو بھیڑ کی بھیڑ ہے، مگر مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں نے پچاس سال میں پچاس مدرسین

ضرور تیار کئے ہیں، جن میں مولانا اللہ بخش مرحوم (واں بھچراں) شیخ الحدیث مولانا غلام رسُول (رضوی) علامہ غلام رسُول سعیدی، مولانا محمد اشرف سیالوی، مولانا محمد رشید کشمیری، مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری وغیرہ شامل ہیں۔ ؎۱

تصانیف چونکہ حضرت ملک المدرسین نے اپنی تمام توجہ اور توانائی علوم دینیہ کی تدریس پر صرف کی ہے، اس لئے تصنیف کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکے، تاہم درج ذیل تصانیف آپ کے رشحاتِ قلم سے تیار ہوئی ہیں:

۱۔ رُوَیتِ ہلال کی شرعی تحقیق، دو سو صفحات سے زائد
۲۔ قوالی کی شرعی حیثیت
۳۔ عقیدۂ اہل سُنّت، سُنّی کے جنازہ میں شیعہ شریک نہیں ہو سکتا۔
۴۔ اسلام میں عورت کی حکمرانی
۵۔ مغربی جمہوری پارلیمانی نظام اور اسلام (مقالہ)
۶۔ دیت المرأۃ، عورت کی دیت مرد سے نصف ہے
۷۔ کونسا حکمران، اسلامی نظام نافذ کر سکتا ہے؟
۸۔ امامتِ کبریٰ اور اُس کی شرائط
۹۔ دَرسِ نظامی کی ضرورت اور اہمیت (مقالہ)
۱۰۔ صرف عطائی، فارسی منظوم
۱۱۔ تحقیق وقتِ افطار (مقالہ)
۱۲۔ سیف العطار، (نکاح سیدہ با غیر سید) وغیرہ

؎۱ عطا محمد چشتی گولڑوی، علامہ، ماہنامہ ندائے اہل سُنّت، فروری ۱۹۹۰ء، ص ۷

اربابِ علم کے تاثرات

اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت محدثِ اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے راقم کو فرمایا:

"بندۂ خدا! منطق و معقول کے گھر میں رہ کر منطق کا کوئی سبق شروع نہیں کیا۔"

ایک دفعہ مولانا شاہ محمد عارف اللہ قادری رحمہ اللہ تعالیٰ واں بھچراں ایک جلسہ میں تشریف لائے اور دوران گفتگو فرمایا:

"بندیال میں علم پڑھایا نہیں، بلکہ پلایا جاتا ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ملک المدرسین کی نگاہِ عنایت طلباء کے علمی اشتیاق کو آشنائے جنوں کر دیتی ہے۔

حضرت مولانا علامہ غلام مہر علی گولڑوی مدظلہ (چشتیاں شریف) فرماتے ہیں:

العلامة الجليل النبيل، رئيس المناطقة، رأس الفلاسفة بدر الاساتذة، صدر الجهابذة العلامة الحافظ عطا محمد البندیالوی [1]

حکیم الامت حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ میو ہسپتال لاہور میں زیرِ علاج تھے۔ ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو راقم مولانا قاضی عبد النبی کوکب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہمراہ عیادت کے لئے حاضر ہوا اور کچھ رسائل بھی پیش کئے۔ بعد ازاں قاضی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ حاضر ہوئے، تو اُن کے درمیان درج ذیل گفتگو ہوئی:

"آج شام کو جب دوبارہ حاضرِ خدمت ہوا، تو فرمانے لگے مولانا عبد الحکیم ماشاء اللہ فاضل آدمی معلوم ہوتے ہیں، رسائل خوب لکھے ہیں' میں نے ایک

---

[1] غلام مہر علی گولڑوی، علامہ: الیواقیت المہریہ (مکتبہ مہریہ چشتیاں شریف) ص ۱۰۰

نظر اُن پر ڈالی ہے۔

عرض کیا گیا : یہ مولانا عبدالحکیم، حضرت مولانا علامہ عطا محمد بندیالوی صاحب کے تلامذہ میں سے ہیں، فرمایا : اچھا یہی بات ہے، میں نے اُن کے اکثر شاگرد قابل ہی دیکھے ہیں۔

اس کے بعد دیر تک حضرت علامہ بندیالوی کا تذکرہ فرماتے رہے، اُن کے کمال کے علاوہ ان کی خوش خلقی اور حُسنِ تواضع کی بھی تعریف فرمائی اس سلسلے میں واں بھچراں کے ایک جلسے کا حال سُنایا۔ اس جلسے میں تقریر کے لئے میں بھی مدعو تھا۔ سٹیج پر عظیم اور جید علماء موجود تھے اور علامہ بندیالوی بھی تشریف فرما تھے۔ جب یہ بات شروع ہوئی کہ جلسے کی صدارت کون کرے؟ تو علامہ بندیالوی بولے: مفتی صاحب کے ہوتے ہوئے اور کون صدر ہو سکتا ہے؟ بہرحال مجھے تقریر کے لئے باصرار کرسی پر بٹھایا اور خود دیگر علماء سمیت کرسیاں چھوڑ کر نیچے بیٹھ گئے۔ مجھے اس صورتِ حال کو قبول کرنے پر ایسا مجبور کر دیا گیا کہ میں دل ہی دل میں اس متواضعانہ اخلاق پر متعجب اور اپنے پہ نادم ہوتا رہا۔

اِس کے بعد مفتی صاحب نے زور دے کر ارشاد فرمایا، دیکھو بھائی! میری ایک بات لکھ لو، جہاں کمال ہوگا، وہاں تواضع ہوگی، جہاں کمال نہیں ہوگا، وہاں تکبر ہوگا۔ [1]

مولانا قاضی عبدالنبی کوکب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

اُستاذ العلماء، ملک المدرسین حضرت علامہ عطا محمد صاحب اس وقت ہمارے حلقۂ علمائے اہل سُنّت میں متقدمین اساتذۂ معقول و منقول

---

[1] عبدالنبی کوکب، علامہ: حیاتِ سالک (رضا اکیڈمی، لاہور) ص ۲۹، ۱۲۶

کی وراثتِ علمیہ کے وارث و امین ہیں . . . . حضرت علامہ نے اس دَور میں جس محنت اور ذوق سے تدریس کا کام کیا ہے، اُس کی مثال بمشکل ملتی ہے، اُن کی نسبتِ تلمذ نہایت فیض بخش ہے اور اُن کے اکثر تلامذہ چوٹی کے فضلاء اور بہترین مدرس ثابت ہوئے ہیں . . .
راقم الحروف دو تین بار حضرت علامہ بندیالوی کی ملاقات سے مشرف ہو چکا ہے، غایت لُطف و شفقت فرماتے ہیں۔ [۱]

مولانا علامہ شبیر احمد ہاشمی رقمطراز ہیں ؛

مولانا بندیالوی طلباء کے لئے مرجعِ خاص ہیں، جہاں ہوں طلباء کی فوج ظفر موج ان کے گرد و پیش ہوتی ہے۔ تقریباً پچاس سال سے تدریس فرما رہے ہیں، مگر طلباء میں روزِ اوّل سے ایک محبوب استاد کا درجہ رکھتے ہیں۔ [۲]

حضرت صاحبزادہ سیّد نصیر الدین نصیر گیلانی مدظلّہ (گولڑا شریف) لکھتے ہیں ؛

مولانا متبحر عالمِ دین، علمائے سلف کی یادگار اور علمِ منطق میں خصوصی شہرت کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ استاذ العلماء کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ موصوف کی علمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ مشہور مفسّرِ قرآن علامہ جسٹس پیر محمد کرم شاہ بھیروی الازہری اور مولانا سیّد محمود احمد رضوی جیسے متعدد علمائے وقت آپ کے زمرۂ تلامذہ میں شامل ہیں۔

---

[۱] عبد النبی کوکب، علامہ قاضی، (فٹ نوٹ) حیاتِ سالک ص ۲۸ - ۱۲۷

[۲] شبیر احمد ہاشمی، علامہ، ماہنامہ ندائے اہل سنّت، لاہور، شمارہ فروری ۱۹۹۰ء، ص ۶

اس غیر معمولی تبحرِ علمی کے باوصف مولانا بندیالوی نہایت سادہ لباس زیبِ تن کرتے ہیں۔ ظاہر بین نگاہیں اُن کی سادگی دیکھ کر یہ محسوس نہیں کر سکتیں کہ کوئی عام آدمی یا علامۂ دوراں یا اُستاذ المناطقہ جا رہا ہے . . . . محترم سید شاہ عبدالحق صاحب مدظلہ نے بھی حضرت مولانا سے چند کتابیں پڑھیں، اس کے علاوہ علمی رشتے کے اعتبار سے مولانا بندیالوی راقم الحروف کے چچا اُستاد بھی ہیں۔ [1]

مولانا شاہ حسین گردیزی (کراچی) لکھتے ہیں:

اس وقت پاکستان بھر میں علوم عقلیہ و نقلیہ کی تدریس میں آپ کا کوئی مثیل و نظیر نہیں ہے۔ خیر آباد کی جانشینی کا ادعا آپ ہی کو زیب دیتا ہے۔ لاریب علم کے اس دورِ انحطاط میں آپ کا وجودِ مسعود خیر آباد کا روشن چراغ ہے۔ گزشتہ مدرسین کی وسعتِ علم کی نشانی اور عظمتِ کردار کی علامت ہیں۔ اِس دور میں جس طرح آپ نے نئی نسل کو انتقالِ علم کیا، اس میں آپ کا کوئی ہمسر نہیں۔

اس وقت ستر برس کی عمر ہے، مگر صحت جوانوں کی سی ہے، چہرہ پر زینتِ علم کی گُل کاریاں موجود ہیں، ویسے بھی خداوندِ جمیل نے آپ کو صُورتِ جمیل عطا فرمائی ہے۔ کرتا تہبند، عمامہ یا ٹوپی زیبِ تن فرماتے ہیں اور سیاہ خضاب استعمال کرتے ہیں، خوش پوش، خوش خلق، خوش مزاج اور خندہ رُو ہیں، تاہم کبھی کبھی غصّہ و غضب کی شعلہ نوائیوں میں چنگاریاں بھی اُڑاتے ہیں۔ درشتی و نرمی کا امتزاج رکھتے ہیں۔ [2]

---

[1] نصیر الدین، نصیر، علامہ سید: نام و نسب (گیلانی پبلشرز، گولڑا شریف)، ص ۶۵-۳۶۴

[2] شاہ حسین گردیزی، مولانا: تجلیاتِ مہرِ انور (مکتبہ مہریہ، گولڑا شریف)، ص ۴۳-۵۰

سادات کرام کی ذمہ داریاں

امام علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الصواعق المحرقہ میں اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل و مناقب احادیث مبارکہ کی روشنی میں شرح و بسط سے بیان کئے ہیں۔ علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الشرف المؤبد لآل محمد میں اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ راقم نے اس کتاب کا ترجمہ برکات آل رسول کے نام سے کیا ہے جو مارکیٹ میں دستیاب ہے۔ اس کے علاوہ کئی حضرات نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جنہیں پڑھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ چند امور وہ ہیں، جن کی رعایت ہر شخص کے لئے ضروری ہے، خاص طور پر اہل بیت کرام کے لئے تو بہت ہی ضروری ہے

۱۔ علوم شرعیہ کا حاصل کرنا، کیونکہ علم کے بغیر محض نسب کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ علوم شرعیہ، ان کے آداب، علماء اور متعلمین کے آداب حاصل کرنے کی تاکید کے دلائل ائمہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

۲۔ علوم دینیہ حاصل کئے بغیر آباؤ اجداد پر فخر نہ کرنا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ "بے شک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔"

امام ابن جریر (رحمہ اللہ تعالیٰ) وغیرہ راوی ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے حسب و نسب کے بارے میں نہیں، بلکہ صرف تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے، جو زیادہ متقی ہے۔

۳۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم (بشمول حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ قادری) کا احترام کرنا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

کے مطابق تمام اُمتوں سے افضل ہیں اور باتفاقِ محدثین صحیح حدیث: خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ کے مطابق وہ اس اُمت کے افضل ترین افراد ہیں۔

اس کتاب (الصواعق المحرقۃ) کے پہلے مقدمہ میں ہم وہ احادیث بیان کر چکے ہیں، جن سے پتا چلتا ہے کہ صحابہ کرام، اصحابِ فضل و کمال ہیں، ان کی محبت واجب ہے، ان کے کمال کا عقیدہ رکھنا اور انہیں نقائص اور جہالتوں سے منزہ ماننا ضروری ہے۔ تم پر لازم ہے کہ اس اُمت کے سوادِ اعظم، اہل سُنت و جماعت ہی کے ساتھ رہو، تم اہلِ بدعت و ہوا اور گمراہوں کے ساتھ ہرگز نہ رہنا، ورنہ تمہیں نسب کچھ فائدہ نہ دے گا اور ہو سکتا ہے کہ تم سے اسلام ہی سلب کر لیا جائے اور تم ابوجہل اور ابولہب کے زمرے میں شامل ہو جاؤ۔

۴۔ امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کا درجہ بہت ہی بلند ہے۔ اس عظیم شہادت کا تذکرہ کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع میں کوشش کرے روافض کی بدعتوں رونے پیٹنے، نوحہ زنی اور غم و حزن میں نہ ڈوب جائے، کیونکہ یہ مومنوں کے اخلاق میں سے نہیں ہے، ورنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کا دن، ان امور کے زیادہ لائق ہوتا، اسی طرح اہل بیت کرام کے خلاف تعصب رکھنے والے ناصبیوں کی طرح اس موقع پر خوشی اور مسرت اور زیب و زینت کا اظہار بھی ہرگز نہ کرنا چاہیے۔

۵۔ ہر شخص کو (حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے) اس نسب شریف کے لئے غیرت اور حفاظت کا مظاہرہ کرنا چاہیئے تاکہ کوئی شخص ناجائز طور پر آپ کی طرف اپنی نسبی نسبت نہ کر سکے[1] (ملخصاً)

---

[1] احمد بن حجر مکی، امام: الصواعق المحرقۃ (مکتبۃ القاہرۃ، مصر) ص ۸۵-۱۸۱

سادات کرام کا عظیم ترین شرف یہ ہے کہ انہیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد ہونے کی سعادت حاصل ہے۔ اس شرف کا تقاضا یہ ہے کہ وہ علوم دینیہ، تقویٰ و طہارت، اعمالِ صالحہ اور احوالِ باطنہ میں سب لوگوں سے آگے ہوتے، جبکہ آج حالت یہ ہے کہ اس طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے اور ان کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دی گئی ہے کہ ہم سادات ہیں، چاہے جو کچھ بھی کرتے رہیں اور باقی لوگ امتی ہیں، حالانکہ سادات کرام سمیت تمام مسلمان حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی ہیں۔

دوسری بات بعض علماء نے ان کے ذہنوں میں یہ راسخ کر رکھی ہے کہ سیدزادی کا نکاح کسی بھی غیر سید مرد کے ساتھ یہاں تک کہ کسی بھی قریشی ہاشمی مرد کے ساتھ جائز نہیں، اگرچہ لڑکی بھی راضی ہو اور اُس کے قریبی رشتہ دار بھی راضی ہوں۔ اگر ایسا نکاح ہو گیا تو میاں بیوی کی معاشرت زنا قرار پائے گی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔

غور فرمائیں آج تک لاکھوں کروڑوں سیدزادیوں کے نکاح اُن کے قریبی رشتہ داروں کی اجازت اور رضا سے غیر سید مردوں سے ہو چکے ہیں اور وہ ازدواجی زندگی بسر کر چکی ہیں اور کر رہی ہیں۔ یہ علماء ایمان کو حاضر کر کے اور خاندانِ نبوت کی عظمت کو پیشِ نظر رکھ کر بتائیں کہ کیا آپ کا یہ شدید ترین فتویٰ جسے دُہراتے ہوئے بھی قلم کانپ کانپ جاتا ہے، اُن سیدزادیوں کی تعظیم ہے یا توہین؟

حضرتِ اعلیٰ سیدنا پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پرپوتے اور حضرت بابوجی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پوتے، فاضل جلیل بقول حافظ مظہر الدین "رُومی و جامی کی صدائے بازگشت" صاحبزادہ نصیر الدین نصیر گیلانی مدظلہ نے اپنی تصنیف نام و نسب (شائع شدہ ۱۹۸۹ء) میں اس مسئلے پر بڑے معقول اور مدلل انداز میں روشنی ڈالی ہے تفصیل تو اس کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔ سطورِ ذیل میں اس کے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں، وہ فرماتے ہیں،

مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو غیر کفو میں سیّدہ کے نکاح کر لینے کی صورت بھی وہی بنتی ہے جو غیر سیّدہ کے لئے ہے، مثلاً یہ کہ اگر کوئی سید خاندان کی لڑکی اپنے ولی کی اجازت اور رضامندی کے بغیر غیر کفو میں شادی کر لیتی ہے، تو اُس کا نکاح منعقد نہ ہوگا، اور اگر سیّدہ بالغہ غیر کفو میں شادی کرنے پر رضامند نہیں، مگر ولی اس کی مرضی کے بغیر غیر کفو میں شادی کر دیتا ہے، تو از رُوئے شریعتِ محمدی ایسا نکاح بھی درست نہ ہوگا، کیونکہ لڑکی عاقلہ بالغہ ہے، اسے خود بھی اپنی زندگی کے بارے میں سوچنے کی کھلی اجازت ہے . . . . اور اگر سیدہ اور اُس کا ولی غیر کفو میں شادی ہو جانے پر رضامند ہیں، تو وہ نکاح درست اور نسب ثابت ہوگا۔ بہر حال یہ جو بعض سادات سمجھتے ہیں کہ ان کی کسی عزیزہ یا بیٹی کا نکاح غیر کفو میں ہو ہی نہیں سکتا یا از رُوئے قرآن و حدیث ناجائز ہے، تو یہ محض اُن کی خوش فہمی ہے، ہمیں کوئی ایسی نص قطعی نہیں ملتی، جس سے سادات کے اس عقیدہ کو ثابت کیا جا سکے۔ [1]

اِس سلسلے میں مانعین، فتاوٰی مہریہ (ص ۱۲۵ - ۳۳) سے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہٗ کا ایک فتویٰ پیش کرتے ہیں، جس کا زیر بحث مسئلہ سے تعلق ہی نہیں ہے، کیونکہ گفتگو تو اس صورت میں ہے کہ اگر رشتہ داروں کی رضا اور اجازت سے سیدزادی کا نکاح غیر سید سے کر دیا گیا تو یہ نکاح صحیح اور لازم ہوگا یا نہیں؟ جبکہ فتاوٰی مہریہ میں جس سوال کا جواب ہے، اس میں تصریح ہے کہ ایک شخص نے سیدہ سے ایسی حالت میں نکاح کیا کہ اس کے قریب یا بعید ولی سے

---

[1] نصیر الدین نصیر گیلانی، علامہ، سید: نام و نسب ص ۸۵ - ۸۴

رضا اور اجازت طلب نہیں کی گئی، اس سے بڑا خلطِ مبحث کیا ہو سکتا ہے؟ کہ ایک صورت کا حکم دوسری صورت پر چسپاں کر دیا جائے۔

صاحبزادہ صاحب استفتار کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

اگر سوال کیا جاتا کہ ایک سیدہ اپنی اور اپنے ولیوں کی رضامندی سے کسی غیر کفو میں نکاح کرے —— تو آیا ایسا نکاح شرحِ محمدی کی رُو سے جائز ہوگا؟ اگر اس کے جواب میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ یہ جواب فرماتے کہ سیدہ اور اس کے اولیار کی رضامندی کے باوصف بھی سیدہ کا نکاح غیر کفو میں نہیں ہو سکتا، تو پھر بات صاف تھی، مگر آپ نے ایسے نکاح کو ناجائز قرار دیا، جس میں منکوحہ کے قریب اور بعید کے ولی بالکل رضامند نہیں، اور اغوا کی ایسی صورت میں تو کسی بھی عورت کا نکاح، چاہے وہ اعلیٰ خاندان کی ہو یا ادنیٰ کی، ازروئے شرع شریف منعقد نہیں ہوگا، صورتِ مذکورہ صرف سادات ہی کے ساتھ مختص نہیں، بلکہ قیامت تک آنے والی ہر عورت کے لئے ہے، بشرطیکہ وہ مومنہ ہو۔ [1]

کچھ عرصہ تو اس کتاب کی طرف کسی کی توجہ نہیں گئی، جونہی اس کے مندرجات سے آگاہی ہوئی، ایک خاص فکر رکھنے والے علمار میں ہیجان پیدا ہوگیا، صاحبزادہ صاحب کے خلاف محاذ بنالیا، ان کی کتاب کی تقسیم بند کرا دی گئی اور کئی طرح سے ان پر دباؤ ڈالا گیا کہ اپنی اس تحقیق سے رجوع کریں، لیکن صاحبزادہ صاحب نے یہ موقف سُنی سُنائی، واعظانہ باتوں یا جذباتی تخیلات کی بنار پر نہیں، بلکہ پورے عالمانہ اور دیانتدارانہ غور و خوض اور تحقیق کے

---

[1] نصیر الدین نصیر گیلانی، علامہ، سید: نام و نسب ص ۹۰ - ۸۹

بعد اختیار کیا تھا، اس لئے وہ اپنے مؤقف پر قائم ہیں اور اُن کی پیشکش ہے کہ کسی عالم کو میرے مؤقف سے اختلاف ہو تو براہِ راست گفتگو کر کے مجھے قائل کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ صاحبزادہ صاحب کی استقامت نے قرونِ اُولیٰ کے متدین اور متصلب علماء کرام کی یاد تازہ کر دی ہے اور اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کسی بھی مسئلہ کو ثابت کرنے کے لئے کتاب و سُنّت اور فقہائے اُمّت کی تحقیقات کی طرف رجوع کی ضرورت ہوتی ہے، محض زورِ بیان، قوتِ قلم یا جذباتی گفتگو سے تو علمی اور دینی تحقیق کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ پھر مسائلِ دینیہ میں تو افہام و تفہیم کی ضرورت ہوتی ہے، کسی پر اپنا موقف ٹھونسنے کی گنجائش قطعاً نہیں ہوتی۔

اسی دوران اُستاذ العصر، ملک المدرسین حضرت علامہ مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ العالی کو اپنے حق میں ہموار کرنے کی کوشش کی گئی اور انہیں فتاویٰ مہریہ کا حوالہ دیا گیا، جس کا اس سے پہلے تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ اُستاذ العلماء نے فرمایا، میں نے ابھی اس پر غور نہیں کیا۔ اس کے بعد چاہیئے تو یہ تھا کہ ان کے سامنے فتاویٰ مہریہ پیش کیا جاتا اور اُن کی رائے معلوم کی جاتی۔ بجائے اس کے گولڑہ شریف کے عرس کے موقع پر لاکھوں کے اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے ایک عالم نے اُستاذ الاساتذہ پر تند و تیز تنقید کی اور سینے کے زور پر اپنے موقف کی حقانیت ثابت کرنے کی کوشش کی۔ میری طرح نہ جانے کتنے لوگ سوچ رہے ہوں گے کہ اس طرزِ عمل کا کیا جواز تھا؟ جس کے ساتھ اختلاف تھا، وہ کوئی غیر تو نہ تھا۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت اُستاذ العلماء مدظلہ العالی، مرشدِ کامل حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مخلص مرید، حضرت خواجہ پیر سید غلام محی الدین شاہ گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے با اعتماد مرید اور وہ خود محسنِ اہلِ سُنّت ہیں، جنہوں نے نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک علومِ دینیہ کی مسندِ تدریس کو زینت بخشی اور سینکڑوں مدرسین تیار کئے۔ حضرت شیخ القرآن علامہ

محمد عبد الغفور ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ جن کا احترام کرتے تھے اور بھرے اجتماعات میں ان کی تدریسی قابلیت اور خدمات کا اعتراف کیا کرتے تھے۔ کیا پوری قوم کے محسن کے ساتھ یہی رویہ روا رکھنا چاہیے تھا؟ کیا دین، طریقت، اور تصوف کی یہی تعلیم ہے؟ کیا مشائخ کرام کا یہی انداز ہے؟ مشائخ کرام اپنے اخلاقِ عالیہ اور الطافِ کریمانہ سے دلوں کی دنیا تسخیر کیا کرتے تھے، کیا ہم نے تسخیر کا کوئی نیا طریقہ دریافت کر لیا ہے؟

حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا — دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام — کہ با دوستانت خلاف است و جنگ

اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ اس موضوع پر کئی رسائل لکھ کر شائع کئے جا چکے ہیں، اس کے باوجود اطمینان ہے کہ حاصل نہیں ہو رہا، کاش کہ یہ حضرات اس مسئلے کو پبلک کے سامنے لانے سے پہلے پیر صاحب گولڑہ شریف کی موجودگی میں مل بیٹھ کر تبادلۂ خیال کر لیتے اور کسی متفقہ فیصلہ پر پہنچنے کی کوشش کرتے۔ اب ایک صورت یہ ہے کہ اس مسئلے کو وفاقی شرعی عدالت کے سامنے پیش کر دیا جائے اور فریقین اپنے اپنے دلائل پیش کریں اور فیصلہ حاصل کریں۔ اس طرح عوام میں پائے جانے والے اضطراب کا خاتمہ ہو جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ العزیز۔

سیف العطار یہ وہ پس منظر ہے جس کی بناء پر حضرت استاذ العلماء مدظلہ العالی کو اس مسئلے پر قلم اٹھانا پڑا اور انہوں نے تحقیق کا حق ادا کر دیا، تاہم اس سے صرفِ نظر کر کے مطالعہ کیا جائے، تو قارئین کرام کو نفسِ مسئلہ میں کوئی الجھن نہیں رہ جائے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔

خلاصۂ مبحث تفصیل تو آپ استادِ گرامی کے علمی اور تحقیقی مقالہ میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ درج ذیل سطور

میں اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

لغت میں کفاءۃ کا معنی برابری ہے، جبکہ شرعی طور پہ مرد کا درج ذیل چھ امور میں عورت کے برابر ہونا مراد ہے: (۱) اسلام (۲) آزادی، (۳) تقوای (۴) نسب (۵) مال (۶) پیشہ۔ عورت اور اس کے رشتہ داروں کے لئے یہ بات باعثِ عار ہے کہ وہ ان امور میں کم تر مرد کی بیوی بنے۔

نکاح کے لازم ہونے کے لئے مرد کا نسبی طور پر عورت کے لیے کفو اور ہمسر ہونا شرط ہے یا نہیں؟ حضرت امام مالک، امام سفیان ثوری اور احناف کے ائمہ میں سے امام ابوالحسن کرخی اور امام ابوبکر جصاص (رحمہم اللہ تعالیٰ) کے نزدیک شرط نہیں ہے ——— امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کفو ہونے کا اعتبار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب آپس میں کفو ہیں، دوسرے قریشی اُن کے کفو نہیں ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بنو ہاشم اگرچہ تمام قریش سے افضل ہیں، تاہم قریش کے تمام قبائل آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دیگر امور کے علاوہ نسب میں بھی مرد کو عورت کا کفو ہونا چاہیے، لیکن یہ عورت اور اس کے رشتہ داروں کا حق ہے، وہی اگر اپنے حق کو ساقط کر دیں تو کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟

مخصوص ذہن رکھنے والے بعض علماء فرماتے ہیں کہ سیدزادی کا کفو صرف سید ہی ہو سکتا ہے۔ اُن کے نزدیک قریشی ہاشمی بھی سیدہ کا کفو نہیں ہے، جب تک وہ سید نہ ہو اور اس کا نکاح سیدہ کے ساتھ حرام ہے، اگرچہ سیدہ بھی راضی ہو اور اُس کے رشتہ دار بھی راضی ہوں ——— یہ فتویٰ نہ صرف ائمہ احناف کے خلاف ہے، بلکہ امام مالک اور امام شافعی (رحمہما اللہ تعالیٰ) کے بھی خلاف ہے

اس متشددانہ فتوے کا نتیجہ ہے کہ بعض امیر کبیر سادات اپنی بیٹیوں کا نکاح اپنے رشتہ داروں میں اس لئے نہیں کرتے کہ وہ غریب ہیں، اور غیر سادات میں اس لئے نہیں کرتے کہ اُدھر حرام کا فتویٰ موجود ہے، نتیجہ یہ کہ ان صاحبزادیوں کو مجبوراً تجرد کی زندگی گزارنا پڑتی ہے، اس کا وبال کس کے سر ہوگا؟

آخر میں پورے خلوص اور دردِ دل کے ساتھ حضرات علماء کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ اپنی تمام علمی، فکری اور مالی توانائیاں صرف اسی مسئلہ پر نہ صرف کردیجیے۔ دُنیا اکیسویں عیسوی صدی میں داخل ہو رہی ہے۔ ہر قوم اس سوچ بچار میں مصروف ہے کہ ہمیں اپنی کوتاہیوں کا ازالہ کرکے کس طرح پُر وقار انداز سے نئی صدی میں داخل ہونا چاہیے؟ اہل سُنّت وجماعت کو مسلکی، ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ان گنت مسائل درپیش ہیں، کچھ ان کی بھی فکر کیجیے! ورنہ

ع ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

محمد عبدالحکیم شرف قادری
لاہور

۹ رجب ۱۴۱۴ھ
۲۳ دسمبر ۱۹۹۳ء

ابتدائیہ سیف العطاء

٤٨٦
٩٢

بخدمت مولوی محمد عبد الحلیم صاحب السلام علیکم گزارش ہے کہ کرہ پر

فی الحال تمام دوائر اور مداروں اور ان کے نام تحریر فرمادیں

مثلاً ١٢ عدد بروج اور ہر ایک کا نام معدل النہار اور منطقۃ البروج

اور افق کے درجات تین سو ساٹھ ٣٦٠ کو مداروں میں دو بڑی ہیں

راس سرطان اور دوسری راس جدی خلاصہ یہ ہے کہ بروج

حیوانات کی تصاویر فی الحال چھوڑ دیں اور ضروری

نقش کرادیں جو کرہ مستعار لیا تھا وہ جلدی واپس کرنا

گزارش ہے بندہ کو فوری طور پر کراچی کے پتہ پر اطلاع دیں تاکید مزید ہے

کراچی ٣٢ پی اور ایس ٨٤٣٥ جامعہ حامدیہ رضویہ گلشن

متصل کراچی یونیورسٹی مولوی عطا محمد

حضرت قاضی عیاض مالکی قدس سرہ العزیز

بارگاہ رسالت میں مدح و ثنا، اور عقیدت و محبت کے گلدستے پیش کرنے کی تاریخ اتنی ہی طویل ہے جتنی کائنات کی زندگی طویل ہے۔ نعت اور ستائش کے جس قدر رنگا رنگ پھول حبیبِ خدا، سرورِ ہر دو سرا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ ناز میں پیش کئے گئے، وہ اور کسی مخلوق کے حصے میں نہیں آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور سید الاوّلین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر جانِ ایمان اور آبروئے ایمان ہے۔ امام اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

اللہ کی سرتابقدم شان ہیں یہ　　اِن سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں　　ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

حضور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و توصیف، شمائل و خصائل بیان کرنے والوں کی صفِ اوّل میں حضرت علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ دکھائی دیتے ہیں، جن کی تمام زندگی احادیث مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اور حضور سید العالمین ختم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور صورتِ مبارکہ کے محاسن بیان کرتے ہوئے بیت گئی۔ بلا شبہ ان کا علم و فضل قابلِ صد رشک اور ان کی بابرکت زندگی رشکِ صد چمن تھی۔

ولادت و نسب

حافظ الحدیث امام علامہ قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن

عمرو یحصبی[1] ۴۷۶ھ[2] / ۱۰۸۳ء میں بمقام سبتہ[3] پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان اندلس کا رہنے والا تھا۔ آپ کے جدّامجد پہلے فاس میں منتقل ہوئے۔ پھر سبتہ میں رہائش پذیر ہوگئے۔[4]

اکتسابِ علم

حضرت علامہ نے ابتداءً بتیس سال کی عمر میں حافظ الحدیث قاضی ابو علی غسانی صدفی کے خرمنِ علم سے خوشہ چینی کی۔ ان کے وصال کے بعد آپ اندلس تشریف لے گئے اور اجلّہ علماء سے اکتسابِ فیض کیا اور جواہر علم و حکمت کا ذخیرہ کیا۔ آپ کے اساتذہ کرام میں محمد بن حمدین ابو علی بن سکرہ، ابو الحسین سراج، ابو محمد بن عثمان، ہشام بن احمد اور ابو بحر بن العاص وغیرہم مشاہیر شامل ہیں۔ فقہ میں ابو عبداللہ محمد بن عیسیٰ تمیمی اور قاضی ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ المسیل سے استفادہ کیا[5] علامہ ذہبی نے آپ کے اساتذہ میں ابو محمد بن عتاب کا بھی ذکر کیا ہے[6] حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے آپ کے اساتذہ میں ابن رشد

---

[1] یحصب (صاد پر تینوں حرکتیں پڑھی جا سکتی ہیں) حمیر کا ایک قبیلہ ہے۔
(بستان المحدثین، ایچ۔ایم سعید کمپنی، کراچی، ص ۳۴۶)

[2] حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے آپ کا سنِ ولادت ۴۹۶ھ لکھا ہے (بستان المحدثین ص ۳۴۶) امام نووی نے ۴۹۶ھ نصف شعبان میں ولادت بیان کی ہے (تہذیب الاسماء واللغات الجزء الثانی من القسم الاوّل، مطبوعہ بیروت ص ۴۴) حضرت ملّا علی قاری نے شرح شفا میں اور علامہ خفاجی نے نسیم الریاض میں ۴۷۶ھ ہی سنِ ولادت لکھا ہے۔

[3] سبتہ مغرب کا ایک شہر (بستان المحدثین، ص ۳۴۶) [4] شمس الدین ابو عبداللہ الذہبی (م ۷۴۸ھ) (تذکرۃ الحفاظ، حیدر آباد دکن، ج ۴، ص ۹۶) [5] الذہبی الامام، تذکرۃ الحفاظ ج ۴، ص ۹۶)
[6] ایضاً، العرفی جرمن نمبر (مطبوعہ کویت ۱۹۶۳ء) ج ۴، ص ۱۲۲۔

اور ابن الحاج کا شمار کیا ہے[1] محمد فرید وجدی لکھتے ہیں:

"ابو القاسم بن بشکوال "کتاب الصلہ" میں فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض طلب علم کے لیے اندلس تشریف لائے، تو انہوں نے قرطبہ میں علماء کی ایک جماعت سے علم حاصل کیا اور حدیث کا بڑا ذخیرہ جمع کیا۔ حدیث شریف کی طرف اُن کی بہت توجہ تھی اور حدیث کے جمع و ضبط کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ وہ علم میں حد یقین کو پہنچے ہوئے تھے۔ اعلیٰ درجہ کی ذکاوت و فطانت اور بلند فہم و فراست کے مالک[2] تھے۔ مسائل فقہ میں حضرت امام مالک کے مقلد تھے۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں:

والقاضی عیاض بن موسیٰ بن عیاض، العلامہ ابو الفضل الیحصبی السبتی المالکی الحافظ احد الاعلام۔[3]

منصبِ قضا

ایک عرصے تک سبتہ میں پھر غرناطہ میں قاضی رہے[4]۔ آپ کے شاگرد ابن بشکوال فرماتے ہیں: قرطبہ میں تشریف لائے تو ہم نے اُن سے اکتسابِ فیض کیا۔ فقیہ محمد بن حمادہ سبتی فرماتے ہیں: حضرت قاضی عیاض اٹھائیس سال کی عمر میں مناظرہ کرنے لگے اور پینتیس سال کی عمر میں منصبِ قضا پر فائز ہوئے۔[5]

---

[1] شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، بستان المحدثین، ص ۲۴۶

[2] محمد فرید وجدی: دائرہ معارف القرآن الرابع عشر (دار المعرفۃ، بیروت) ج ۶، ص ۹۴

[3] الذہبی، العبر، ج ۴، ص ۱۲۲

[4] ایضاً، ص ۱۲۳

[5] ایضاً، تذکرۃ الحفاظ، ج ۴، ص ۹۷، ۹۶

تلامذہ

حضرت قاضی عیاض مالکی قدس سرہ، سے ان گنت علماء نے علم فضل حاصل کیا۔ چند شاگردوں کے نام یہ ہیں:

عبداللہ بن احمد العصیری، ابوجعفر بن القصیر الغرناطی، ابوالقاسم خلف بن بشکوال[1]، حافظ الحدیث، فقیہ ابو محمد الاشیری عبداللہ بن محمد المغربی[2]، ابو بکر عبداللہ بن طلحہ، بن احمد بن عطیۃ المحاربی الغرناطی المالکی۔[3]

شعر و شاعری

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، چونکہ حضرت قاضی عیاض، علوم حدیث، فقہ، نحو، کلام عرب اور عرب کے ایام و انساب کی معرفت میں مہارت تامہ رکھتے تھے، اس لئے بڑے دل آویز شعر کہتے تھے[4]

چند اشعار ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں، قرطبہ سے روانگی کے وقت فرمایا:

أَقُولُ وَقَدْ جَدَّ ارْتِحَالِي وَغَرَّدَتْ ۔۔۔ حُدَاتِي وَزُمَّتْ لِلْفِرَاقِ رَكَائِبِي

میں یہ اشعار اُس وقت کہہ رہا ہوں، جب کوچ کا عزم مصمم ہوگیا ہے، میرے حدی خوان نغمہ سرا ہو چکے ہیں اور فراق کے لئے میری سواریوں کو نکیل ڈالی جا چکی ہے

وَقَدْ غَشِيَتْ مِنْ كَثْرَةِ الدَّمْعِ مُقْلَتِي ۔۔۔ وَصَارَتْ هَوَاءً مِنْ فُؤَادِي تَرَائِبِي

میری آنکھیں کثرت گریہ کے سبب بینائی کھو چکی ہیں اور فرطِ غم سے خانۂ دل اس طرح ویران ہوا کہ ساتھیوں کا خیال بھی میرے دل سے محو ہو گیا ہے۔

---

[1] الذہبی: العبر، ص ۹۸

[2] ایضاً، ص ۱۷۵ [3] ایضاً، ص ۳۰۳

[4] شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی: بستان المحدثین، ص ۳۴۴

رَعَی اللّٰہُ جِیْرَانًا بِقُرْطُبَةَ الْعُلٰی وَسَقّٰی رِبَاھَا بِالْعِھَادِ السَّوَاکِبِ

اللہ تعالیٰ قرطبہ عالیہ کے ہمسایوں کی حفاظت فرمائے اور اُس کے ٹیلوں کو مسلسل بارش سے سیراب فرمائے۔

غَدَوْتُ بِھِمْ مِنْ بِرِّھِمْ وَاحْتِفَائِھِمْ کَاَنِّیْ فِیْ اَھْلِیْ وَبَیْنَ اَقَارِبِیْ[1]

اُن کی نیکی اور ہمدردی کے سبب مجھے یوں محسوس ہوا کہ گویا میں اعزہ واقربا میں ہوں۔

ایک دفعہ حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ ایک کھیت کے پاس سے گزرے جس میں گل لالہ کے چند پودے لہلہا رہے تھے، انہوں نے برجستہ ایک قطعہ کہا، جس میں عجیب تشبیہ بیان فرمائی ہے

اُنْظُرْ اِلَی الزَّرْعِ وَقَامَاتِہٖ تَحْکِیْ وَقَدْ مَاسَتْ اَمَامَ الرِّیَاحْ

کَتِیْبَةً خَضْرَاءَ مَھْزُوْمَةً شَقَائِقُ النُّعْمَانِ فِیْھَا جِرَاحْ

کھیتی اور اُس کے پودوں کی قدوقامت کو دیکھو، جن کے سُرخ پھُول، زخموں کی مانند ہیں اور جو ہواؤں کے سامنے خم کھاتے ہوتے یوں معلوم ہوتے ہیں جیسے سبز پوش لشکر شکست کھا کر (اور زخمی ہو کر) بھاگ رہا ہو۔

تصانیف

فقیہ محمد بن حمادہ سبتی فرماتے ہیں:

حضرت قاضی عیاض کے زمانہ میں سبتہ میں اُن سے زیادہ کثیر التصانیف کوئی نہ تھا۔ . . . . انہوں نے اپنے شہر میں وہ بُلندی اور برتری حاصل کی، جس دن تک ان کے شہر والوں میں سے

---

[1] شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، بستان المحدثین، ص ۲۷۴

کوئی بھی نہ پہنچ سکا، مگر علم و فضیلت نے اُن میں تواضع اور خشیتِ الٰہیہ کو اور زیادہ کر دیا۔ [1]

ابن خلکان فرماتے ہیں:

قاضی عیاض حدیث اور علوم حدیث، نحو، لغت، کلام عرب اور ان کے ایام و انساب میں اپنے وقت کے امام تھے۔ [2]

آپ کی تصانیف مبارکہ کے نام ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) [3]

(۲) ترتیب المدارک وتقریب المسالک فی ذکر فقہاء مذہب مالک۔

(۳) العقیدہ۔

(۴) شرح حدیث اُمِّ زرع (حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام "بغیۃ الرائد لما تضمنہ حدیث ام زرع من الفوائد" بیان کیا ہے)

(۵) جامع التاریخ اندلس اور مغرب کے بادشاہوں کی جس میں سبتہ کی تاریخ اور وہاں کے علماء کا تذکرہ بھی ہے۔

(۶) مشارق الانوار فی اقتفاء صحیح الآثار، موطا امام مالک، بخاری شریف اور مسلم شریف کی شرح کی حیثیت رکھتی ہے۔

(۷) اکمال المعلم فی شرح مسلم، امام ابو عبد اللہ محمد بن علی المازری (م ۵۳۶ھ)

---

[1] الذہبی: تذکرۃ الحفاظ، ج ۴، ص ۹۷

[2] المصطفٰے، ابن خلکان وفیات الاعیان (مطبوعہ دار الثقافۃ، بیروت) ج ۳ ص ۴۸۳

[3] علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اس کا نام "الشفاء فی شرف المصطفٰے" نقل کیا ہے۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون ج ۲، ص ۱۰۵۲ میں الشفاء فی تعریف (بتعریف) حقوق المصطفٰے نقل کیا ہے۔

کی شرح "المعلم بفوائد کتاب مسلم" کا تکملہ ہے۔

(۸) التنبیہات المستنبطۃ فی شرح مشکلات المدونۃ والمختلطۃ، فوائد حدیث پر مشتمل ہے، اس میں امام ابو عبداللہ عبدالرحمٰن بن القاسم (م ۱۹۱ھ) کی تصنیف المدونۃ فی فروع المالکیۃ پر معروضات بھی ہیں۔ [1]

یہ کتاب تنبیہات کے نام سے مشہور ہوئی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اس فن میں اس جیسی اور کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ [2]

(۹) الاعلام بحدود قواعد الاسلام۔

(۱۰) الغنیہ، اپنے مشائخ کا تذکرہ۔

(۱۱) الالماع فی ضبط الروایۃ و تقیید السماع۔

(۱۲) المعجم فی شرح ابن سکرۃ، حضرت شیخ ابو علی الحسین بن محمد السرقسطی الاندلسی الصدفی (م ۵۱۴ھ) اور اُن کے مشائخ کا تذکرہ [3]

(۱۳) نظم البرہان علی صحۃ جزم الاذان۔

(۱۴) مقاصد الحسان فی ما یلزم الانسان۔

(۱۵) غنیۃ الکاتب و بغیۃ الطالب [4]

(۱۶) العیون الستۃ فی اخبار سبتۃ [5]

(۱۷) الاجوبۃ المخیرۃ عن الاسئلۃ المحیرۃ

---

[1] حاجی خلیفہ: کشف الظنون، ج ۲، ص ۱۶۴۴

[2] شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، بستان المحدثین، ص ۳۴۵

[3] حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ج ۲، ص ۱۷۳۶

[4] شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، بستان المحدثین، ص ۳۴۵

[5] عمر رضا کحالہ: معجم المؤلفین (مکتبۃ المثنیٰ، بیروت) ج ۸، ص ۱۶

(۱۸) اخبار القرطبیین۔
(۱۹) السیف المسلول علی من سب اصحاب الرسول۔
(۲۰) الصفا بتحریر الشفاء۔
(۲۱) مطالع الافہام فی شرح الاحکام [1]
(۲۲) غریب الشہاب [2]

وصال

حضرت امام علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ تمام زندگی دین متین اور حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمات جلیلہ انجام دینے کے بعد ۵۴۴ھ/ ۱۱۴۹ھ میں مراکش میں داخل انعام جنت ہوئے۔ آپ کے فرزند ارجمند ابو عبداللہ محمد بن عیاض قاضی دانیہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) کا بیان ہے کہ ان کا وصال ۹ جمادی الآخری بروز جمعہ، نصف شب کے وقت ہوا[3] بعض حضرات کا کہنا ہے کہ انہیں ایک یہودی نے زہر دیا تھا، جس کے اثر سے ان کی وفات ہوئی۔

شفاء شریف

امام علامہ قاضی عیاض قدس سرہ العزیز کی جملہ تصانیف بیش بہا خزانے ہیں۔ علماء وفضلاء نے انہیں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے اور ان سے استفادہ کیا ہے۔ امام علامہ محی الدین بن شرف النووی، شرح مسلم میں جگہ جگہ ان

[1] اسمٰعیل باشا البغدادی، ہدیۃ العارفین (مکتبۃ المثنیٰ، بغداد) ج ۱، ص ۸۰۵
[2] حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ج ۲، ص ۱۲۰۷
[3] مقدمہ شفاء شریف مع حاشیہ علامہ شمنی، مطبوعۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر، (بحوالہ الدیباج المذہب، للعلامۃ برہان الدین ابن فرحون المالکی)

کا حوالہ دیتے ہیں۔ امام بدرالدین عینی عمدۃ القاری میں اور حافظ الحدیث علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں جابجا ان سے فوائد ونکات احادیث میں خوشہ چینی کرتے نظر آتے ہیں۔ شارحین حدیث جہاں "قال القاضی" کہتے ہیں، وہاں قاضی عیاض ہی مُراد ہوتے ہیں، لیکن سب سے زیادہ مقبولیت تصنیف مبارک الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو حاصل ہوئی محققین محدثین نے اس سے استناد کیا اور بعد کے سیرت نگاروں نے اسے مأخذ کی حیثیت دی، بلاشبہ یہ کتاب دِلوں کا نُور اور ایمان کی رونق ہے اور کیوں نہ ہو، جبکہ اس میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شمائل وفضائل صحیح اور مستند احادیث سے بیان کئے گئے ہیں۔

بارگاہِ رسالت میں شفاء شریف کی مقبولیت

کسی کتاب کی مقبولیت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ وہ بارگاہِ رسالت میں مقبول ہو جائے۔ شفاء شریف کے لئے سب سے بڑا امتیاز یہی ہے کہ ایک دفعہ آپ کے بھتیجے نے دیکھا کہ آپ، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سونے کے تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر اُن پر ہیبت طاری ہو گئی۔ حضرت قاضی عیاض قدس سرہٗ نے ان کی حالت کو محسوس کیا اور فرمایا، بھتیجے! میری کتاب شفاء شریف کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور اُسے اپنے لئے دلیل راہ بناؤ۔ گویا یہ اشارہ تھا کہ مجھے یہ منصب وکرامت اس کتاب کی بدولت مِلا ہے۔[1]

علماء اعلام نے نظم ونثر میں اس کتاب کی تعریف وتوصیف کی ہے۔ شہرۂ آفاق مؤرخ علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ المشہور بہ حاجی خلیفہ فرماتے ہیں:

---

[1] الذہبی: تذکرۃ الحفاظ ج ۴، ص ۹۸

وھو کتاب عظیم النفع کثیر الفائدۃ لم یؤلف مثلہ فی الاسلام شکر اللہ سبحانہ و تعالیٰ سعی مؤلفہ وقابلہ برحمتہ وکرمہ۔ [1]

"اس کتاب کا نفع عظیم اور فائدہ بہت زیادہ ہے۔ تاریخ اسلام میں اس جیسی کتاب کوئی نہیں لکھی گئی۔ اللہ تعالیٰ اس کے مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اپنے رحم وکرم سے نوازے۔"

لسان الدین خطیب تلمسانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

شِفَاءُ عِیَاضٍ لِلصُّدُوْرِ شِفَاءٌ ۔۔۔ وَلَیْسَ بِفَضْلٍ قَدْ حَوَاہُ خَفَاءٌ

شفاء قاضی عیاض دلوں کی شفاء ہے ۔۔۔ اور جس فضیلت پر یہ مشتمل ہے، وہ مخفی نہیں

ھَدِیَّۃُ بِرٍّ لَمْ یَکُنْ لِجَزِیْلِھَا ۔۔۔ سِوَی الْاَجْرِ وَالذِّکْرِ الْجَمِیْلِ کِفَاءٌ

یہ ایک نیک شخصیت کا ہدیہ ہے، جس کی عظمت کا بدلہ صرف ثواب اور ذکر جمیل ہے

وَفٰی لِنَبِیِّ اللّٰہِ حَقَّ وَفَائِہٖ ۔۔۔ وَاَکْرَمُ اَوْصَافِ الْکِرَامِ وَفَاءٌ

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ وفا کا حق ادا کر دیا اور کریموں کا بہترین وصف وفا ہی ہے۔

وَجَاءَ بِہٖ بَحْرًا یَّفُوْقُ بِفَضْلِہٖ ۔۔۔ عَلَی الْبَحْرِ طَعْمٌ طَیِّبٌ وَّصَفَاءٌ

وہ ایسا سمندر لائے ہیں، جو اپنی برتری کے اعتبار سے پانی کے سمندر پر فائق، خوش مزہ اور صاف ہے۔

وَحَقُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ بَعْدَ وَفَاتِہٖ ۔۔۔ رَعَاہُ وَاِغْفَالُ الْحُقُوْقِ جَفَاءٌ

انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کے حق کی رعایت کی ہے اور آپ کے حقوق سے غفلت جفاء ہے۔

---

[1] حاجی خلیفہ: کشف الظنون، مطبوعہ مکتبۃ المثنیٰ، بغداد، ج ۲، ص ۱۰۵۳

هُوَ الْاَثَرُ الْمَحْمُوْدُ لَيْسَ يَنَالُهٗ　　دُثُوْرٌ وَّلَا يُخْشٰى عَلَيْهِ عَفَاءُ

وہ ایسی یادگار ہے جو پرانی نہیں ہوتی اور اس کے فنا ہونے کا خوف بھی نہیں کیا جا سکتا۔

حَرَصْتُ عَلَى الْاِطْنَابِ فِيْ نَشْرِ فَضْلِهٖ　　وَتَمْجِيْدِهٖ لَوْ سَاعَدَتْنِيْ وَفَاءُ[1]

اگر وفا نے میری ہمنوائی کی، تو میں اس کی فضیلت اور بزرگی کو بھرپور طریقے پر پھیلانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

حضرت علامہ ابوالحسین زیدی فرماتے ہیں:

كِتَابُ الشِّفَاءِ شِفَاءُ الْقُلُوْبِ　　قَدِ ائْتَلَقَتْ شَمْسُ بُرْهَانِهٖ

کتاب شفا (بلاشبہ) دلوں کی شفا ہے　　جس کے برہان کا سورج پوری طرح جگمگا رہا ہے

فَاَكْرِمْ بِهٖ ثُمَّ اَكْرِمْ بِهٖ　　وَاَعْظِمْ مَدَى الدَّهْرِ مِنْ شَانِهٖ

تو اس کی عزت و تکریم کرتا رہ،　　اور زندگی بھر اس کی عظمت و شان بیان کرتا رہ

اِذَا طَالَعَ الْمَرْءُ مَضْمُوْنَهٗ　　رَسٰى فِي الْهُدٰى اَصْلُ اِيْمَانِهٖ

جب کوئی اس کے مضمون کا مطالعہ کرتا ہے　　تو اس کے ایمان کی جڑ ہدایت میں مضبوط ہو جاتی ہے

وَجَلٰى بِرَوْضِ التُّقٰى نَاشِقًا　　اَرَائِجُ اَزْهَارِ اَفْنَانِهٖ

وہ تقویٰ ونظافت کا ایسا باغ لائے ہیں،　　جس کی شاخوں کے پھولوں کی خوشبوئیں مہکتی رہتی ہیں۔

وَنَالَ عُلُوْمًا تُرَقِّيْهِ فِيْ　　ثُرَيَّا السَّمَاءِ وَكَيْوَانِهٖ

انہوں نے ایسے علوم پا لئے، جو　　انہیں آسمان کے ثریا اور زحل تک لے جاتے ہیں

فَلِلّٰهِ دَرُّ اَبِي الْفَضْلِ اِذْ　　جَرٰى فِي الْوَرٰى نَيْلُ اِحْسَانِهٖ

حضرت ابوالفضل (قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ) کی خوبی خدا کے لئے جن کا فیضِ احسان تمام مخلوق میں جاری ہے۔

---

[1] شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی: بستان المحدثین، ص ۳۴۳، ۳۴۴

يُقَرِّرُ قَدْرَ نَبِيِّ الْهُدٰى وَخَيْرِ الْاَنَامِ بِتِبْيَانِهٖ

وہ اپنے مدلل بیان سے نبیِّ ہدایت اور افضل الخلق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت وشان بیان کرتے ہیں۔

فَجَازَاهُ رَبِّيْ خَيْرَ الْجَزَاءِ وَجَادَ عَلَيْهِ بِغُفْرَانِهٖ

میرا رب اُنہیں بہترین جزا عطا فرمائے، اور اُنہیں اپنی مغفرت سے نوازے

وَمِنْهُ الصَّلٰوةُ عَلَى الْمُجْتَبٰى وَاَصْحَابِهٖ ثُمَّ اَعْوَانِهٖ

اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب ترین ہستی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور آپ کے اصحاب و معاونین پر رحمت کاملہ نازل ہوتی رہے۔

مَدَى الدَّهْرِ لَا يَنْقَضِيْ دَائِمًا وَلَا يَنْتَهِيْ طُوْلَ اَزْمَانِهٖ[1]

جو آخر زمانہ تک کبھی ختم نہ ہو، اور طویل زمانہ تک اس کی انتہا نہ ہو

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَمَّا رَاَيْتُ كِتَابَ الشِّفَاءِ فِيْ شَمَائِلِ صَاحِبِ الْاِصْطِفَاءِ[2]

جب میں نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شمائل کے بیان میں کتاب الشفاء دیکھی۔

بعض ادبار نے کہا،

عُوِّضْتَ جَنَّاتِ عَدْنٍ يَا عِيَاضُ عَنِ الشِّفَاءِ الَّذِيْ اَلَّفْتَهٗ عِوَضٌ

اے قاضی عیاض! آپ کو شفا کی تالیف کے عوض جنات عدن دی جائیں۔

جَمَعْتَ فِيْهِ اَحَادِيْثًا مُصَحَّحَةً فَهُوَ الشِّفَاءُ لِمَنْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ

آپ نے اس میں صحیح حدیثیں جمع کر دی ہیں، اس لئے وہ ہر اُس شخص کے لئے عینِ شفا ہے، جس کے دل میں مرض ہے۔

---

[1] حاجی خلیفہ: کشف الظنون، ج ۲، ص ۱۰۵۵

[2] بقیہ عبارت اور حوالہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

علامہ یوسف ابن اسمٰعیل نبہانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمِنْهُمْ مَنْ تَوَسَّطَ وَكَانَ مَذْهَبُهُ حُسْنَ الْاِقْتِصَارِ فَمِنَ الْمُخْتَصِرِيْنَ الْاِمَامُ الْبَارِعُ الْقَاضِيْ عِيَاض وَحَسْبُكَ بِكِتَابِهِ الشِّفَاءِ الَّذِيْ سَارَ فِي الْاٰفَاقِ وَوَقَعَ عَلٰى قَبُوْلِهِ الْاِتِّفَاق - (الانوار المحمدیہ من المواهب اللدنیہ ص ۴ الجلد الاول، مطبوعہ مکتبۃ الشبنو ترکی)

"بلند پایہ امام قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختصار کے ساتھ، سیرتِ پاک پر کتاب لکھی مشہور آفاق اور بالاتفاق مقبول کتاب شفا پڑھنے کے لئے بہت کافی ہے۔"

حضرت مُلا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَجْمَعَ مَا صُنِّفَ فِيْ بَابِهٖ مُجْمَلًا مِنَ الْاِسْتِيْفَاءِ لِعَدَمِ اِمْكَانِ الْوُصُوْلِ اِلٰى اِنْتِهَاءِ الْاِسْتِقْصَاءِ قَصَدْتُ اَنْ اَخْدِمَهٗ بِشَرْحٍ - [1]

"جب میں نے منتخب ترین ہستی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے شمائل کے بیان میں کتاب شفاء دیکھی جو اس موضوع پر اجمالاً احاطہ کرنے والی کتابوں میں سے جامع ترین ہے، کیونکہ کما حقہٗ احاطہ تک تو رسائی ممکن ہی نہیں، تو میں نے شرح کے ساتھ اس کی خدمت کا ارادہ کیا۔"

حضرت علامہ احمد شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاسْمُهٗ مُوَافِقٌ لِمُسَمَّاهُ فَاِنَّ السَّلَفَ الصَّالِحِيْنَ

---

[1] علی بن سلطان محمد القاری الامام، شرح شفاء (برحاشیہ نسیم الریاض) مطبوعہ بیروت ج ۱ ص ۲

قَالُوْا اِنَّهٗ جُرِّبَ قِرَاءَتُهٗ لِشِفَاءِ الْاَمْرَاضِ وَفَكِّ عُقَدِ الشَّدَائِدِ وَفِيْهِ اَمَانٌ مِّنَ الْغَرَقِ وَالْحَرَقِ وَالطَّاعُوْنِ بِبَرَكَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاِذَا صَحَّ الْاِعْتِقَادُ حَصَلَ الْمُرَادُ۔ [1]

"شفاء شریف کا اسم اس کے مسمّٰی کے موافق ہے، کیونکہ سلف صالحین فرماتے ہیں کہ اس کا پڑھنا بیماریوں کی شفاء اور مشکلات کی گرہوں کے کھولنے میں مجرب ہے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے اس میں ڈوبنے، جلنے اور طاعون کی مصیبتوں سے امان ہوتی ہے اور اگر اعتقاد صحیح ہو تو مُراد حاصل ہو جاتی ہے۔"

شفاء شریف کا مأخذ اور جرح و تعدیل

علامہ خفاجی فرماتے ہیں کہ شفاء شریف کا مأخذ شفاء ابن سبع ہے اس کی اتباع میں شفاء قاضی عیاض میں بھی بعض ضعیف حدیثیں آگئی ہیں اور اور بہت کم لوگ ایسے ہیں، جنہوں نے انہیں موضوع قرار دیا ہے ۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء میں ان تمام حدیثوں کی نشان دہی کی ہے۔ ایسے مقامات پر ہم نے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جس کی قاری کو ضرورت ہو۔ [2]

مضامین شفا

شفاء شریف چار قسموں پر مشتمل ہے۔

---

[1] احمد شہاب الدین الخفاجی الامام العلامہ: نسیم الریاض، ج ۱، ص ۵۲،
[2] ایضاً ، ج ۱، ص ۴
(مطبوعہ بیروت)

قسم اوّل: اللہ تعالیٰ کی جانب سے قول وفعل کے ذریعے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبۂ عظیمہ کی عظمت کا اظہار۔

اس قسم میں چار باب ہیں:

پہلا باب: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ثناءِ جمیل ـــــ اس باب میں دس فصلیں ہیں۔

دُوسرا باب: اللہ تعالیٰ نے حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صورت و سیرت کی تکمیل فرمائی ـ اس باب میں ستائیس فصلیں ہیں۔

تیسرا باب: احادیثِ صحیحہ، جن سے بارگاہِ الٰہی میں حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رفعتِ شان کا پتہ چلتا ہے، اس میں بارہ فصلیں ہیں

چوتھا باب: وہ آیات ومعجزات جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے دستِ مبارک پر ظاہر فرمائے۔ اس باب میں تیس فصلیں ہیں:

قسم ثانی: حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وہ حقوق جو تمام مخلوق پر واجب ہیں ـ اس قسم میں چار باب ہیں،

پہلا باب: حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور آپ کی اطاعت فرض ہے، اس باب میں پانچ فصلیں ہیں۔

دوسرا باب: محبوبِ ربّ ذوالجلال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور آپ سے اخلاص لازم ہے۔ اس باب میں چھ فصلیں ہیں۔

تیسرا باب: حضور سید العالمین امام الاوّلین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر لازم ہے ـ اس باب میں سات فصلیں ہیں۔

چوتھا باب: حضور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کا حکم ـ اس باب میں دس فصلیں ہیں۔

قسمِ ثالث: وہ امور جو حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے لئے جائز ہیں اور وہ امور جو ممتنع ہیں۔ یہ قسم کتاب کی جان اور پہلے ابواب کا نتیجہ ہے اور پہلے ابواب تمہید کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس قسم میں دو باب ہیں۔

پہلا باب: اُمورِ دینیہ میں، اس میں سولہ فصلیں ہیں۔

دوسرا باب: امورِ دُنیاویہ میں، اس میں نو فصلیں ہیں۔

قسمِ رابع: سرورِ دوسرا، محبوبِ کبریا، صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی شانِ اقدس میں تنقیص کرنے یا گالی بکنے والے کا حکم۔

اس قسم میں تین باب ہیں،

پہلا باب: وہ اُمور جو حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے حق میں نقص اور سبّ (گالی) ہیں۔ اس باب میں دس فصلیں ہیں۔

دوسرا باب: بارگاہِ اقدس کے گستاخ کا حکم اور اُس کی سزا۔

تیسرا باب: بارگاہِ الٰہی جل مجدہٗ، رسولانِ گرامی (علیہم السّلام)، ملائکہ، کتبِ سماویہ، اہل بیت کی شان میں گالی بکنے والے کا حکم

اس باب میں پانچ فصلیں ہیں، [1]

شروح وتعلیقات

شفاء شریف کی مقبولیتِ عامہ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے افاضل کی بہت بڑی جماعت نے اس پر شروح اور حواشی لکھے ہیں۔ اس کتاب سے استفادہ کرنے والوں کا شمار ہی مشکل ہے۔ ذیل میں کشف الظنون کے حوالے سے شروح اور تلخیصات کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے:

---

[1] حاجی خلیفہ: کشف الظنون، ج ۲، ص ۱۰۵۲

۱۔ شیخ محمد بن احمد اسنوی شافعی (م ۷۶۳ھ) نے شفاء کا اختصار کیا۔

۲۔ شیخ اُستاذ ابو عبداللہ محمد بن حسن بن مخلوف الراشدی المعروف بابرکان نے تین شرحیں لکھیں، بڑی شرح الغنیہ دو جلدوں میں، الغنیہ الوسطیٰ، اور چھوٹی شرح ایک ایک جلد میں لکھی۔

۳۔ حافظ عبداللہ بن احمد بن سعید بن یحییٰ الزموری نے شرح لکھی۔

۴۔ ابو عبداللہ محمد بن علی بن ابی الشریف الحسنی التلمسانی نے بہترین شرح المنھل الاصفیٰ فی شرح ماتمس الحاجۃ الیہ من الفاظ الشفاء لکھی یہ شرح مذکورالصدر دوسری اور تیسری شرح سے ماخوذ تھی اور ۱۴ صفر ۹۱۷ھ میں مکمل ہوئی۔

۵۔ شمس الدین محمد بن محمد الدلجی الشافی العثمانی (م ۹۴۷ھ) نے الاصطفا لبیان معانی الشفا کے نام سے شرح لکھی اور ۱۲ شوال المکرم ۹۳۵ھ میں مکمل کی۔

۶۔ امام ابوالحسن علی بن محمد بن القبرش الشافعی نے ۸۶۲ھ میں شرح لکھی۔

۷۔ عمر العرضی نے چار جلدوں میں شرح لکھی۔

۸۔ ابوذر احمد بن ابراہیم الحلبی (م ۸۸۴ھ) نے شرح لکھی، لیکن اسے مکمل نہ کرسکے۔

۹۔ امام ابوالمحاسن عبدالباقی الیمانی نے الاکتفاء فی شرح الفاظ الشفاء لکھی۔

۱۰۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء لکھی

۱۱۔ حافظ برہان الدین ابراہیم محمد الحلبی (م ۸۴۱ھ) المقتفیٰ فی حل الفاظ الشفاء لکھی

۱۲۔ علامہ تقی الدین ابوالعباس احمد بن محمد الشمنی (م ۸۷۲ھ) نے

مزیل الخفاء عن الفاظ الشفاء کے نام سے حاشیہ لکھا اور (۸۷۰ھ) میں مکمل کیا۔

۱۳- محمد بن خلیل بن ابوبکر، ابوعبداللہ الحلبی المعروف القباقبی الحنفی نے زبدۃ المقتفی فی تحریر الفاظ الشفاء ۸۴۹ھ میں لکھی۔ نمبر ۱۲ اور نمبر ۱۳ دونوں شرحیں علامہ برہان الدین حلبی کی شرح سے ماخوذ ہیں۔

۱۴- علامہ شہاب الدین احمد بن حسین بن رسلان الرملی الشافعی (م ۸۴۴ھ) نے حاشیہ لکھا۔

۱۵- عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل بن ابراہیم بن جماعۃ الکنانی القدسی (م ۸۶۱ھ) نے بعض الفاظ کی شرح لکھی۔

۱۶- سید قطب الدین عیسیٰ الصفوی۔ ان کی شرح بطریق مزج ہے۔

۱۷- علامہ زین الدین بن الاشعاقی الحلبی

۱۸- علامہ رضی الدین محمد بن ابراہیم المعروف بابن الحنبلی الحلبی نے موارد الصفاء وموائد الشفاء لکھی۔

۱۹- علامہ قطب الدین محمد ابن محمد بن الخیضری (م ۸۹۴ھ) نے الصفا بتحریر الشفاء لکھی۔

۲۰- امام ابوالمحاسن عبدالباقی الیمانی (م ۷۴۳ھ) نے الاکتفاء فی شرح الفاظ الشفاء لکھی۔ [1]

۲۱- علامہ یوسف بن ابی الفتح الدمشقی الامام السلطانی المعروف بالسقیفی (م ۱۰۵۷ھ)

۲۲- محمد بن عبدالسلام البنانی نے نداء الحیاض فی شرح الشفاء للقاضی عیاض لکھی۔

---

[1] حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ج ۲، ص ۱۰۵۴-۵

۲۳- الحاج نجیب العینتابی، مدرس مدینہ منورہ (م ۱۲۱۹ھ) [1]

۲۴- الشیخ حسن العدوی الحمزاوی، المدد الفیاض لکھی۔ [2]

۲۵- علامہ احمد شہاب الدین الخفاجی نے نسیم الریاض فی شرح الشفاء للقاضی عیاض لکھی۔

۲۶- علامہ علی بن سلطان محمد القاری (ملا علی قاری) نے شرح شفا لکھی۔

اس وقت آخری دو شرحیں، مقبول اور متداول ہیں۔ شرح الشفاء حضرت ملا علی قاری۔ نسیم الریاض کے حاشیہ پر چھپی ہوئی چار جلدوں میں دستیاب ہے۔

شفاء شریف ۱۲۷۶ھ میں مصر میں پتھر پر چھپی۔ اس کے حاشیہ پر علامہ سیوطی کی شرح مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء اور علامہ حسن العدوی الحمزاوی کی شرح المدد الفیاض چھپی۔ ۱۲۹۰ھ میں پہلی جلد مطبع خلیل آفندی میں، اور دوسری جلد ۱۲۱۲ھ میں مطبع عثمانیہ میں چھپی اور فاس میں بالترتیب ۱۳۰۵ھ اور ۱۳۱۲ھ میں چھپی [3] اس کے بعد متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ مطبع مصطفے البابی الحلبی، مصر سے علامہ شمنی کے حاشیہ کے ساتھ چھپ چکی ہے۔ پاکستان میں بھی مصری ایڈیشن کا عکس چھپ چکا ہے۔

اُردو میں شفا شریف کے متعدد تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ اس وقت حضرت مولانا غلام معین الدین نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ترجمہ ہمارے سامنے ہے جو انہوں نے ادارہ سوادِ اعظم، لاہور کی طرف سے دو جلدوں میں شائع کیا تھا۔

---

[1] اسماعیل باشا بغدادی: ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون (مکتبۃ المثنیٰ، بغداد) ج ۲، ص ۵۲ [2] یوسف الیان سرکیس، معجم المطبوعات العربیۃ والمعربۃ (مکتبۃ المثنیٰ، بغداد) ج ۲، ص ۱۳۹۷ [3] ایضاً،

مکتبہ نبویہ، لاہور کے باہمت اراکین کی پیہم کوششیں لائق صد مبارکباد ہیں کہ انہوں نے مختصر عرصہ میں اہل سُنّت وجماعت کا بیش قیمت لٹریچر، بڑی مقدار میں دیدہ زیب انداز میں پیش کیا ہے، اور اب شفاء شریف کا اُردو ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ پہلی جلد کا ترجمہ مولانا محمد عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اور دوسری جلد کا ترجمہ مولانا علامہ اطہر نعیمی دام ظلہٗ خطیب جامع مسجد آرام باغ، کراچی (خلف الرشید حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی قدس سرہٗ) نے کیا ہے۔ یہ دونوں صاحب علم وقلم حضرات علمی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں ہیں۔ ترجمہ کی عمدگی کے لئے ان دونوں شخصیتوں کا نام ہی ضمانت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ترجمہ کو بھی اصل کی طرح شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور ترجمہ واشاعت میں حصہ لینے والے مخلصین کو دُنیا وآخرت میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین! بحرمتِ سیدالعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلّم!

۱۷ ربیع الاوّل ۱۳۹۹ھ
۱۵ فروری ۱۹۷۹ء

محمد عبدالحکیم شرف قادری

مُقدمہ شفا قاضی عیاض (اُردو) مطبوعہ مکتبہ نبویہ، لاہور

اُستاذ الاساتذہ شیخ الحدیث مولانا علامہ غلام رسول رضوی فیصل آباد

اُستاذ الافاضل حضرت مولانا علامہ غلام رسول رضوی مدظلہ العالی ۲۳ اپریل ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء کو ضلع امرتسر کے ایک گاؤں پسیا میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد چوہدری نبی بخش جٹ واہلہ دیندار اور زمیندار تھے۔ ان کی آرزو تھی کہ میرا بیٹا عالمِ دین بنے۔ ان کی دُعاؤں کا اثر تھا کہ ان کے صاحبزادے عالم ہی نہیں، عالم گر بنے۔ اور اُن کا فیض پورے پاکستان، بلکہ دوسرے ممالک تک پہنچ رہا ہے۔

مڈل تک سکول کی تعلیم حاصل کی، قرآن پاک پڑھا، چار سال تک صرف و نحو، فقہ اور اصولِ فقہ کی کتابیں مدرسہ نعمانیہ، مسجد خیر الدین، امرتسر میں پڑھیں، الفیہ ابن مالک، مولوی محمد شریف سے پڑھا۔ ایک دن آپ کے بھتیجے نے کہا کہ یہ بزرگ دیوبندی ہیں، ان کے عقائد صحیح نہیں ہیں۔ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی نے صراطِ مستقیم میں نماز میں اپنی ہمت کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف مبذول کر دینے کو بیل اور گدھے کے تصور میں غرق ہو جانے سے بدرجہا بدتر لکھا ہے۔ آپ نے ایک دوسرے طالب علم نبی بخش عرف کاکا سے پوچھا، تو اُس نے کہا: ہاں! بڑے لکھے گئے ہیں، کیا کریں؟

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر آپ جامعہ فتحیہ، اچھرہ، لاہور آگئے، جہاں استاذ الاساتذہ ملک التدریس مولانا علامہ عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ سے سراجی، ملا حسن، مسلم الثبوت، تفسیر بیضاوی، جلالین، میبذی، مقامات، حماسہ، متنبی، حسامی اور اقلیدس وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ محسن اہل سنت، اُستاذ الکل حضرت مولانا علامہ مہر محمد اچھروی رحمہ اللہ تعالیٰ سے میر زاہد ملا جلال، رسالہ قطبیہ، غلام یحییٰ، شرح چغمینی، متن متین، عبد الغفور، شرح عقائد نسفی، شرح عقائد جلالی، صدرا،

شمس بازغہ، امورِ عامہ، خیالی، شفاء، ابن سینا، توضیح تلویح، ہدایہ اخیرین، قاضی مبارک اور حمد اللہ وغیرہ کتب کے علاوہ دورہ حدیث کی کتابیں بھی پڑھیں۔

حضرت علامہ مہر محمد اچھروی رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے بتایا کہ وہ راسخ العقیدہ سُنّی تھے، جامعہ فتحیہ، اچھرہ میں دیوبندی طلباء بھی پڑھتے تھے۔ ایک سُنّی طالب علم نے ایک نعتیہ مصرع پڑھا:

"طیبہ کو جانے والے میرا سلام کہنا"

ایک دیوبندی طالب علم نے اس کے مقابلے میں پڑھا:

"دیوبند کو جانے والے میرا سلام کہنا"

اس پر ہنگامہ ہو گیا، حضرت استاذ صاحب نے فرمایا: "تم کافر ہو گئے ہو توبہ کرو۔"

یہ بھی انہوں نے بیان فرمایا کہ حضرت علامہ اچھروی کے سامنے بیان کیا گیا کہ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث نقل کر کے اس کا خود ساختہ مطلب بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ ہر بڑا اور چھوٹا خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ اس پر حضرت استاذ صاحب نے فرمایا:

"اس خبیث کی قبر میں خوب پٹائی ہو رہی ہو گی۔"

حضرت علامہ غلام رسول رضوی مدظلہ العالی نے پنجاب بھر کے اس ممتاز دارالعلوم میں چار سال کے عرصے میں دورۂ حدیث سمیت فوقانی علوم کی تکمیل کی اور امتیازی حیثیت میں پاس ہوتے۔ طالب علمی کے زمانے میں ہی اہل علم کی نگاہوں میں مقتدر اور معروف تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جامعہ فتحیہ اچھرہ میں اکتسابِ علم کے زمانے میں دوسرے طلبہ کو منطق، فلسفہ اور ادب وغیرہ کی کتابیں پڑھایا کرتے تھے اور تدریسی مہارت رکھتے تھے۔

زمانہ طالب علمی ہی میں دارالعلوم حزب الاحناف، لاہور کے سالانہ اجلاس کے

موقع پر حضرت محدثِ اعظم مولانا محمد سردار احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی جو بریلی شریف سے تشریف لائے تھے، ان سے بعض احادیث کے بارے میں گفتگو ہوئی، جس سے وہ بہت خوش ہوئے اور جواہر البحار کی ایک جلد میں سے ایک رسالہ تعریف اہل الایمان بان نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لایخلو منہ مکان و زمان"۔[1] (اہل ایمان کو یہ بیان کرنا کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سے کوئی جگہ اور کوئی زمانہ خالی نہیں ہے) پڑھنے کے لئے دیا، جس کے مطالعہ سے حضرت علامہ رضوی مدظلہ بہت متاثر ہوئے۔ حضرت محدثِ اعظم (قدس سرہٗ) نے فرمایا: اس رسالہ کے مطالعہ کرانے کا مقصد یہ تھا کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کا مسئلہ کوئی جدید مسئلہ نہیں، بلکہ آج سے سینکڑوں برس پہلے علماء سلف کا یہی عقیدہ تھا، جو دورِ اختلاف سے پہلے گزر چکے ہیں۔

حضرت علامہ غلام رسول رضوی مدظلہ العالی نے یوں تو زمانۂ طالب علمی ہی میں تدریس کا آغاز کر دیا تھا، لیکن فراغت کے بعد تدریس کا باقاعدہ آغاز ۱۹۴۰ء میں کیا۔ ایک سال جامعہ حنفیہ فریدیہ، بصیر پور، چھ سال (۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۷ء تک) جامعہ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سال جامعہ رضویہ، ہارون آباد ایک سال جامعہ احیاء العلوم بورے والا اور چار سال دار العلوم حزب الاحناف لاہور میں تدریس کے فرائض انجام دیتے۔

---

[1] علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ رسالہ جواہر البحار (عربی) کی جلد ۲، ص ۱۲۵ - ۱۱۱ میں نقل کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ یہ رسالہ حضرت علامہ علی نور الدین حلبی، صاحب سیرت حلبیہ کا ہے، حال ہی میں فاضل عزیز ممتاز احمد سدیدی نے جو جامع ازہر شریف مصر میں زیر تعلیم ہیں، یہی رسالہ الگ چھپا ہوا بھیجا ہے۔ اس کے مقدمہ نگار نے بیان کیا ہے کہ یہ رسالہ سیدی حسین بن محمد شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۹۶۶ھ) کا لکھا ہے جو صاحب سیرت سے بھی کسی قدر پہلے بزرگ ہیں۔ ۱۲ شرف قادری

جن دنوں شرقپور شریف میں پڑھا رہے تھے، ان ہی ایام میں رمضان المبارک کی تعطیلات میں حضرت محدثِ اعظم مولانا محمد سردار احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہمراہ بریلی شریف گئے اور ان سے بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف اور نسائی شریف، پڑھی اور سندِ حدیث حاصل کی۔ ان ہی دنوں میں حضرت مفتی اعظم مولانا محمد مصطفےٰ رضا خاں رحمہ اللہ تعالیٰ کی زیارت اور اُن کے ایمانی اور رُوحانی ارشادات سننے کا موقع ملا۔ حضرت مفتیٔ اعظم، امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے صاحبزادے اور جانشین تھے، علم و عمل اور اتباعِ شریعت کا پیکر، روحانیت اور معرفت کی دُنیا کے تاجدار تھے۔ اُن کے رُوحانی ارشادات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اُن کے دستِ اقدس پر بیعت ہو گئے۔ حضور مفتیٔ اعظم نے آپ کو جامعہ رضویہ مظہر اسلام مسجد بی بی جی مرحومہ کی سندِ حدیث عنایت فرمائی۔

جب حضور مفتیٔ اعظم حرمین شریفین کی زیارت کے لئے ۱۹۴۵ء میں گئے تو مدینہ منورہ شرفہا اللہ تعالیٰ میں شرفِ خلافت سے مشرف فرمایا۔ یہ بڑی سعادت تھی کہ مرکزِ اسلام سے خلافت عنایت ہوئی۔ حضور مفتی اعظم نے فرمایا کہ میں حضرتِ والدِ محترم کے تمام اوراد و وظائف اور تعویذات کی اجازت دیتا ہوں۔

جب آپ حزب الاحناف میں پڑھایا کرتے تھے، ان ہی دنوں جامع مسجد خراسیان اندرون لوہاری دروازہ، لاہور میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دیا کرتے تھے، ان ہی دنوں حضرت محدثِ اعظم مولانا علامہ محمد سردار احمد رحمہ اللہ تعالیٰ دربار داتا صاحب پر حاضری دے کر ٹانگے پر اسٹیشن جا رہے تھے، لوہاری دروازہ کے سامنے سے گزرتے ہوئے فرمایا: اس جگہ ایک رضوی ہونا چاہیے۔ نور محمد صاحب نے بتایا مولانا علامہ غلام رسول رضوی ایک مدرسہ بنانا چاہتے ہیں، حالانکہ اس وقت یہ خیال بھی نہ تھا، حضرت محدثِ اعظم نے پوچھا کیا یہ صحیح ہے؟ حضرت علامہ رضوی نے عرض کیا،

جی ہاں! ایک ولی کامل کی زبان سے نکلے ہوئے یہ کلمات رنگ لائے اور ۱۲ شوال ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء کو جامعہ نظامیہ رضویہ کی بنیاد رکھی گئی۔

ابتداءً مولانا حاجی محمد علی خطیب جامع مسجد تکیہ سادھواں، لاہور، قاری محمد حنیف ملتانی، مولانا محمد یار سیالوی، چودھری نظام دین ٹھیکیدار، شیخ محمد شریف وغیرہم گیارہ افراد کی میٹنگ ہوئی اور ابتدائی چندہ ایک سو اسی روپے ہوا۔ تین روزہ جلسے کا اہتمام کیا گیا، جس میں محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد، شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی، مناظر اسلام مولانا محمد عمر اچھروی، رحمہم اللہ تعالیٰ اور سلطان الواعظین ابوالنور مولانا محمد بشیر کوٹلی لوہاراں مدظلہ نے خطاب کیا۔ بعدازاں اہل محلہ نے بھی تائید کی۔ انجمن کے صدر پیکر اخلاص حاجی فیض محمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ قرار پائے اور ابتداءً چالیس طلباء نے داخلہ لیا۔

جامعہ نظامیہ رضویہ کی ابتدا جامع مسجد خراسیاں میں کی گئی اور مسجد کے متصل باغیچی نہال چند میں تدریس شروع کی گئی جو نشے کے عادیوں کا اڈہ اور پہلوانوں کا اکھاڑہ تھی، یہاں ٹینٹ لگا کر علوم دینیہ کی تدریس کا آغاز کیا گیا، بعدازاں مشکلات اور مصائب کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا، جن سے عہدہ برآ ہونا حضرت علامہ رضوی مدظلہ کے فولادی اعصاب ہی کا کام تھا تفصیل کے لئے دیکھئے جائزہ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، مرتبہ حضرت مولانا محمد منشا تابش قصوری مدظلہ، البتہ یہ تذکرہ بے محل نہ ہوگا کہ راقم غالباً ۱۹۵۷ء میں اس مدرسہ میں داخل ہوا۔ میرا مشاہدہ ہے کہ حضرت علامہ رضوی مدظلہ صبح کی نماز پڑھا کر قرآن پاک کا درس دیتے۔ اس کے بعد اسباق کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ایک بجے تک پندرہ بیس اسباق پڑھا کر اس خطہ زمین کے حصول کے لئے سرکاری دفاتر کے چکر لگاتے۔ ظہر کے بعد ایک سپاہی محمد حسن کو شرح جامی پڑھاتے بعض

اوقات عصر کے بعد بھی پڑھاتے تھے۔

راقم آپ کی شفقت و عنایت کو بھلا نہیں سکتا۔ جس کا سلسلہ تا حنوز جاری ہے میں ان دنوں کنز الدقائق اور نور الانوار پڑھتا تھا۔ یہ اسباق ایک ایسے مدرس کے پاس چلے گئے، جو میرے سامنے فارغ ہو کر آتے تھے۔ میری طالب علمانہ بیوقوفی کہیے کہ میں نے ان سے پڑھنے سے انکار کر دیا۔ حضرت استاذ صاحب تک یہ بات پہنچی، تو انہوں نے مجھے علیحدگی میں فرمایا: یہ اسباق میں تمہیں پڑھایا کروں گا۔ چنانچہ اپنے گھر بلا کر مجھے پڑھاتے رہے۔ ایک دفعہ غالباً ملا حسن کی عبارت پڑھنے کی میری باری تھی، میں عبارت پڑھے جا رہا تھا کہ حضرت اُستاذِ گرامی نے یہ کہتے ہوئے مجھے روک دیا کہ مجھے پتا ہے کہ تمہیں عبارت آتی ہے، کچھ ایسی شفقت سے یہ کلمات فرمائے کہ آج بھی میرے ذہن میں تازہ ہیں۔

ایک اور واقعہ بھی سُن لیجیے کہ حضرت مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی کے پاس میرے اسباق میں سے کافیہ اور شرح تہذیب تھے۔ مفتی صاحب مدظلہ بہت محنت کے ساتھ پڑھاتے تھے اور کافیہ میں تو سوال و جواب کا سلسلہ بہت دراز ہوتا تھا۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں پوری طرح ان کی تقریر کو نہ تو سمجھ پاتا تھا اور نہ ہی یاد کر سکتا تھا، تاہم کچھ سمجھ بوجھ پیدا ہو گئی تھی۔ شرح جامی حضرت اُستاذِ گرامی علامہ رضوی مدظلہ کے پاس شروع ہوئی۔ چند اسباق کے بعد یہ کتاب ایک دوسرے استاذ کے پاس منتقل ہو گئی جو نئے نئے آتے تھے۔ حضرت اُستاذِ گرامی مدظلہ نے مجھے شرح جامی کی شرح سوال باسولی عنایت کی کہ اس کا مطالعہ کیا کرو، میں اس کا مطالعہ کرتا اور نئے استاذ کے سامنے کئی سوالات پیش کر دیتا، انہوں نے دو دن تو جوابات دیئے، تیسرے دن کہنے لگے: تم کونسی کتاب کا مطالعہ کرتے ہو؟ میں نے کہا: سوال باسولی کا، انہوں نے فرمایا: میرے پاس اس کے سوالات کا جواب نہیں ہے۔

اسی دن میں نے شرح جامی پڑھنا چھوڑ دی، چند دن بعد وہ اُستاذ صاحب چلے گئے اور شرح جامی پھر حضرت اُستاذِ گرامی کے پاس آگئی، اسے میری بے وقوفی کہیے یا خود اعتمادی کہ میں نے پھر بھی شرح جامی نہیں پڑھی، بلکہ اپنے ساتھیوں کو جو مقام سمجھ نہ آتا تھا، وہ بزعمِ خود اُنہیں سمجھایا کرتا تھا، حُسنِ اتفاق کہ اسی سال میں بندیال چلا گیا۔ حضرت استاذ الاساتذہ مولانا علامہ عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ کے پاس میرے مطلوبہ اسباق میں سے کوئی بھی شروع نہ تھا۔ ناچار ان کے فرمانے پر شرح جامی، مختصر المعانی اور تکملہ عبد الغفور میں شرکت کی، ان کے پاس پڑھنے کا اثر یہ ہوا کہ ذہن سے غلط فہمی یکسر ختم ہوگئی اور احساس ہوا کہ پڑھنے کے بعد بھی اگر شرح جامی سمجھ میں آجائے، تو بڑی بات ہے۔

حضرت اُستاذِ گرامی نے تمام عمر علوم دینیہ کی تدریس میں صرف کر دی اور اساتذہ میں اتنا بلند مقام حاصل کیا، جو بہت کم لوگوں کو میسر ہوتا ہے۔ حضرت شیخ القرآن علامہ عبد الغفور ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے خطابات میں فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت سرفہرست دو ہی مدرس ہیں:

(۱) ملک التدریس مولانا علامہ عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ العالی

(۲) استاذ الافاضل مولانا علامہ غلام رسول رضوی مدظلہ العالی

جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں درسِ نظامی کی تمام کتابیں پڑھائی جاتی تھیں، بعض شاگردوں نے حضرت استاذِ گرامی کی خدمت میں عرض کیا کہ یہاں دورۂ حدیث کا بھی اہتمام ہونا چاہیے۔ حضرت نے فرمایا، لائل پور (فیصل آباد) میں حضرت محدثِ اعظم دورۂ حدیث پڑھا رہے ہیں، اس لیے یہاں دورہ شروع نہیں کیا جا سکتا، البتہ فنون کی تکمیل پر طلباء کو فنون کی دستارِ فضیلت عنایت کیا کرتے تھے۔

یکم شعبان المعظم ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء کو حضرت محدثِ اعظم پاکستان مولانا

محمد سردار احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتقال ہوا تو جامعہ رضویہ مظہر اسلام، فیصل آباد میں حدیث شریف پڑھانے کے لئے نگاہِ انتخاب حضرت استاذِ گرامی پر مرکوز ہوگئی۔ چنانچہ آپ نے جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کا انتظام اپنے لائق و فائق شاگرد حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی مدظلہ کے سپرد کیا اور خود جامعہ رضویہ کی مسندِ حدیث پر فائز ہوئے اور اٹھائیس سال تک حدیث شریف پڑھانے کے بعد ۱۹۹۰ء میں اپنے قائم کردہ مدرسہ (تاریخ قیام: یکم محرم الحرام ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء) دارالعلوم سراجیہ رسولیہ، اعظم آباد، فیصل آباد میں منتقل ہوگئے، جہاں آج بھی تشنگانِ علم کو سیراب کرنے کے ساتھ تصنیف و تالیف اور اشاعت کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔

حضرت استاذِ گرامی کو چند مرتبہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ اس وقت جامعہ نظامیہ رضویہ کے دفتر کے سامنے تہ خانے کے سیڑھیوں کے پاس سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ حضرت محدثِ اعظم پاکستان آپ کے سامنے دوزانو بیٹھے ہیں، استاذِ گرامی کی زبان پر بے ساختہ یہ کلمات جاری ہوگئے:

عَقِیْدَتُنَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعْلَمُ کُلَّ ذَرَّۃٍ ذَرَّۃٍ۔

"ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم ایک ایک ذرّے کو جانتے ہیں۔"

یہ سن کر حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم خاموش رہے۔ یہ خواب حضرت محدثِ اعظم پاکستان کے سامنے بیان کیا، تو انہوں نے فرمایا: "یہاں علمی چرچا ہوگا۔"

پھر کچھ عرصہ کے بعد جامع مسجد خراسیاں کی جنوبی دیوار کے پاس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہٖ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ مسجد کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہیں۔ حضرت اُستاذِ گرامی تقریباً تین فٹ کے فاصلے پر آپ کے پیچھے دست بستہ کھڑے ہیں، اچانک پیچھے مڑ کر دیکھتے ہیں تو نیم کے درخت کے نیچے پاس موٹے بان کی ایک چارپائی بچھی ہوئی ہے اور اس پر حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ مسجد خراسیاں میں خطابت کا پہلا سال تھا اور اس وقت جامعہ نظامیہ رضویہ کا تصور بھی نہ تھا۔

ایک دفعہ خواب میں دیکھتے ہیں کہ حضرت محدثِ اعظم، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہٖ وسلم کی مبارک آنکھوں میں سُرمہ لگا رہے ہیں۔ اس کی تعبیر حضرت محدثِ اعظم قدس سرہٗ نے یہ بیان کی کہ یہاں سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہٖ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ہو رہا ہے۔

الحمدللہ! اس وقت حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی مدظلہٗ کے زیرِ انتظام جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور اور شیخوپورہ میں تعلیم اور تعمیر کا کام وسیع پیمانے پر ہو رہا ہے اور ملک بھر کے مدارس میں جامعہ نظامیہ رضویہ نمایاں ترین مقام کا حامل ہے۔

حضرت اُستاذِ گرامی کی تمام زندگی درس و تدریس میں صرف ہوئی ہے۔ بلاشبہ ہزاروں علماء آپ سے فیض یاب ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے اس مختصر مقالے میں تمام شاگردوں کے نام تحریر نہیں کئے جاسکتے۔ چند معروف تلامذہ کے نام پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ یہ شاگرد پاکستان اور دوسرے ممالک میں اہم دینی خدمات انجام دے رہے ہیں اور کچھ دارِ فانی سے رحلت کر گئے ہیں:

(۱) مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی، ناظمِ اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، شیخوپورہ

(۲) مولانا عبدالقادر شہید، بانی جامعہ قادریہ رضویہ، فیصل آباد

(۳) مولانا معین الدین شافعی، مہتمم جامعہ قادریہ رضویہ، فیصل آباد

(۴) مولانا حافظ محمد احسان الحق رحمہ اللہ تعالیٰ، سابق مدرس جامعہ رضویہ، فیصل آباد

(۵) مولانا مفتی محمد امین ناظمِ اعلیٰ جامعہ امینیہ رضویہ، محمد پورہ، فیصل آباد

(۶) مولانا محمد سعید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سابق خطیب حضرت داتا گنج بخش، لاہور

(۷) مولانا محمد باقر رحمہ اللہ تعالیٰ سابق صدر مدرس دار العلوم حنفیہ فریدیہ، بصیرپور

(۸) مولانا محمد ہاشم علی، مدرس دار العلوم حنفیہ فریدیہ، بصیرپور

(۹) مولانا محمد حبیب اللہ (برادر حضرت فقیہ اعظم مولانا محمد نور اللہ نعیمی، بصیرپور)

(۱۰) مولانا صاحبزادہ غلام نقشبند، سجادہ نشین آستانہ عالیہ اکبریہ، پیر کریاں، پاکپتن شریف

(۱۱) مولانا پیر محمد اشرف قادری رحمہ اللہ تعالیٰ سجادہ نشین آستانہ عالیہ کھرپیڑ شریف ضلع قصور

(۱۲) مولانا سید محمد عبد اللہ شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ، بانی ابرار العلوم، ملتان

(۱۳) مولانا حاجی پیر عبد الواحد نقشبندی، جہلم شریف

(۱۴) مولانا محمد گل احمد عتیقی، صدر مدرس جامعہ شیخ الحدیث، فیصل آباد

(۱۵) مولانا پیر محمد افضل قادری، ناظمِ اعلیٰ جماعتِ اہل سنت، پاکستان

(۱۶) مولانا محمد شمس الزماں قادری، ناظمِ اعلیٰ غوث العلوم، لاہور

(۱۷) مولانا غلام محمد سیالوی، ناظمِ اعلیٰ شعبۂ امتحانات تنظیم المدارس، کراچی

(۱۸) مولانا الحاج محمد علی نقشبندی، ناظمِ اعلیٰ جامعہ رسولیہ شیرازیہ، لاہور

(۱۹) مولانا مفتی ہدایت اللہ، ناظمِ اعلیٰ ہدایت القرآن، ملتان

(۲۰) مولانا غلام یٰسین، امریکہ

(۲۱) مولانا محمد صدیق، انگلینڈ

(۲۲) مولانا محمد طیب، انگلینڈ

(۲۳) مولانا محمد بوستان، انگلینڈ

(۲۴) مولانا سید معظم الدین، خواجہ آباد، میانوالی
(۲۵) مولانا صاحبزادہ عبدالمالک، ناظم اعلیٰ جامعہ اکبریہ، میانوالی
(۲۶) مولانا میاں محمد ناظم اعلیٰ جامعہ صدیقیہ، میانوالی
(۲۷) مولانا غلام محمد مدرس جامعہ امدادیہ مظہریہ، بندیال شریف
(۲۸) مولانا محمد عبدالوہاب صدیقی ابن مناظر اسلام مولانا محمد عمر اچھروی، لاہور
(۲۹) مناظر اسلام مولانا محمد عبدالتواب صدیقی، لاہور
(۳۰) مولانا محمد بشیر احمد، ساہیوال
(۳۱) مولانا منظور احمد صدر مدرس جامعہ فریدیہ، ساہیوال
(۳۲) مولانا غلام رسول ایس پی، ضلع ساہیوال
(۳۳) مولانا مفتی غلام نبی ناظم اعلیٰ جامعہ حنفیہ رضویہ، عارف والا ضلع ساہیوال
(۳۴) مولانا فقیر محمد، پاکپتن شریف، ضلع ساہیوال
(۳۵) مولانا میاں غلام محمد خلف رشید جناب مولانا محمد صدیق بھوشریف
(۳۶) مولانا میاں خیر محمد خلف رشید حضرت مولانا محمد صدیق بھوشریف
(۳۷) مولانا سید نذر حسین شاہ، صدر جمعیۃ العلماء پاکستان، فیصل آباد
(۳۸) مولانا مفتی محمد گل رحمٰن قادری، انگلینڈ
(۳۹) مولانا بشیر احمد سیالوی جہلمی، انگلینڈ
(۴۰) مولانا غلام نبی نقشبندی، ناظم اعلیٰ جامعہ نقشبندیہ، گکھڑ
(۴۱) مولانا معین الدین ناظم اعلیٰ جامعہ نقشبندیہ، ڈسکہ
(۴۲) مولانا محمد فضل سبحان قادری، ناظم اعلیٰ جامعہ قادریہ بغدادیہ، مردان
(۴۳) مولانا پیر محمد ناظم اعلیٰ جامعہ غوثیہ معینیہ، پشاور
(۴۴) مولانا عتیق الرحمٰن ناظم اعلیٰ جامعہ احیاء العلوم، بورے والا

(۴۵) مولانا علی محمد، ناظمِ اعلیٰ جامعہ فیض العلوم، وہاڑی

(۴۶) مولانا صاجزادہ سید عابد حسین شاہ، سجادہ نشین آستانہ عالیہ علی پور شریف

(۴۷) مولانا محمد یار سیالوی، لاہور

(۴۸) مولانا مفتی سید مزمل حسین شاہ، ناظم اعلیٰ جامعہ حسینیہ، لاہور

(۴۹) مولانا سید عباس علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ، فاروق آباد

(۵۰) مولانا محمد عبدالرشید قادری، ناظمِ اعلیٰ جامعہ رضویہ، سمندری

(۵۱) مولانا محمد فضل رسول، ناظمِ اعلیٰ جامعہ رضویہ، سرگودھا

(۵۲) مولانا صاجزادہ بشیر الدین، مردلہ شریف ضلع سرگودھا

(۵۳) مولانا مفتی محمد اشفاق، خطیب مرکزی جامع مسجد، خانیوال

(۵۴) مولانا محمد سعید احمد، مدرس جامعہ نقشبندیہ، شیخ کالونی، فیصل آباد

(۵۵) مولانا قاضی محمد مظفر اقبال، ٹکسالی دروازہ، لاہور

(۵۶) مولانا مفتی محمد عبدالعلیم، شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ، لاہور

(۵۷) مولانا شیخ احمد، ناظمِ اعلیٰ جامعہ شمسیہ نظامیہ، چنیوٹ

(۵۸) مولانا سید عباس علی شاہ، مدرس جامعہ رضویہ، ماڈل ٹاؤن، لاہور

(۵۹) مولانا محمد سلیمان رضوی، ناظمِ اعلیٰ انوار رضا، راولپنڈی

(۶۰) مولانا انوار الاسلام، بانی مکتبہ حامدیہ، لاہور

(۶۱) مولانا علامہ غلام مصطفیٰ، سمندری

(۶۲) مولانا علامہ محمد طفیل، بانی جامعہ شمس العلوم، کراچی

(۶۳) مولانا مفتی علی احمد سندیلوی، مفتی جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

(۶۴) محمد عبدالحکیم شرف قادری، مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور (راقم الحروف)
تقریباً پانچ ہزار طلبہ نے آپ سے معقولات و منقولات اور تفسیر و حدیث کا درس

حاصل کیا۔ حضرت پیر طریقت مولانا قاضی محمد فضل رسول رضوی مدظلہ العالی سجادہ نشین آستانہ عالیہ محدثِ اعظم پاکستان، فیصل آباد بھی حضرت کے شاگردوں میں سے ہیں۔ فقیر کو ابتدائی دور میں اُن کا ہم درس ہونے کا شرف حاصل ہے
حضرت اُستاذِ گرامی مدظلہ العالی کے اعصاب بحمداللہ تعالیٰ بہت مضبوط ہیں، شب و روز تدریسی اور انتظامی معاملات انجام دینے کے باوجود ان کا تصنیف و تالیف کا کام حیرت انگیز ہے۔ قیامِ پاکستان سے پہلے منطق کی مشہور اور دقیق ترین کتاب قاضی مبارک پر حواشی لکھے، ان کی کتابت بھی ہو چکی تھی، انتقالِ وطن کے وقت جہاں دیگر ساز و سامان ضائع ہوا، وہیں یہ حواشی بھی ضائع ہو گئے۔ سلّم العلوم اور کنزالدقائق پر بھی حواشی لکھے، جو تاہنوز چھپ نہیں سکے، البتہ اصولِ فقہ کی مشہور درسی کتاب مسلّم الثبوت پر آپ کا عربی حاشیہ ایک دفعہ مکتبہ حامدیہ، لاہور سے شائع ہوا، اربابِ علم نے اسے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا۔ اب دوبارہ آپ نے خود شائع کر دیا ہے
حضرت نے جواہر البحار کا ترجمہ بھی کیا، جس کی پہلی جلد آپ ہی کے ترجمہ کے ساتھ چھپ چکی ہے، اہل بیت اطہار کے فضائل پر مشہور کتاب نور الابصار کا ترجمہ دو جلدوں میں تنویر الازہار کے نام سے چھپ چکا ہے۔

تفہیم البخاری آپ کی نہایت ضخیم اور اہم تصنیف تفہیم البخاری ہے، جو آپ نے دس سال کی محنت شاقہ کے بعد گیارہ جلدوں میں مکمل کی ہے۔ اس میں بخاری شریف کے ترجمہ کے علاوہ جا بجا مختصر طور پر وضاحتی نوٹ بھی لکھے ہیں، جن میں مذہب حنفی کی ترجیح، حلِ مشکلات، حلِ لغات، ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اور مسلک اہل سنّت کی تائید و توثیق کی گئی ہے
الحمدللہ! اس کتاب کو خاصی مقبولیت حاصل ہوئی ہے اور اس کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں، اس کی اشاعت اور تقسیم کا کام آپ خود ہی انجام دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کے

صاحبزادے جناب حبیب الرحمن بڑی محنت کر رہے ہیں۔

تفہیم الفرقان (تفسیر القرآن) تفہیم البخاری مکمل کرنے کے بعد آپ نے قرآن پاک کی تفسیر شروع کی مارچ ۱۹۹۶ء تک چھبیس پاروں کی تفسیر مکمل کر چکے ہیں، اللہ تعالیٰ اس تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ملتِ اسلامیہ کو حضرت کے فیوض و برکات سے تا دیر فیضیاب فرمائے۔

انگریزی دور میں یہ قانون پاس ہوا کہ اٹھارہ بیس سال سے کم عمر لڑکے لڑکی کی شادی نہیں ہونی چاہیئے۔ امیرِ ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے برملا اس قانون کی مخالفت کی اور سینکڑوں نوعمر بچوں کا نکاح پڑھایا۔ اسی دور میں حضرت اُستاذِ گرامی کا نکاح رشتہ داروں میں کیا گیا، بعد میں علیحدگی ہو گئی۔ بعد میں دو شادیاں شرقپور شریف کے قیام کے دوران ہوئیں۔ دوسری شادی حضرت محدثِ اعظم پاکستان رحمہ اللہ تعالیٰ کی صاحبزادی سے ہوئی، جن سے تین صاحبزادیاں اور چار صاحبزادے پیدا ہوئے: (۱) صاحبزادہ پیر فضلِ حق جنہوں نے میدانِ سیاست میں خوب نام کمایا (۲) صاحبزادہ فضل الرحمن (۳) صاحبزادہ حبیب الرحمن (۴) صاحبزادہ فضلِ امام

حضرت شیخ الحدیث والتفسیر مولانا علامہ غلام رسول رضوی مدظلہ العالی موجودہ دور میں معقولات و منقولات کے امام، زہد و تقویٰ کے پیکر، سراپا شفقت و محبت اور انتھک عالمِ دین ہیں۔ راقم ان کی عنایات اور نوازشوں کے حق سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔

آپ جماعت اہلِ سنت پاکستان، صوبہ پنجاب کے صدر رہ چکے ہیں اور حکومتِ پاکستان کی قومی کمیٹی کے علاوہ اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔ [۱] اللہ تعالیٰ تا دیر آپ کا سایۂ رحمت سلامت رکھے۔ آمین!

---

[۱] یہ مقالہ حضرت اُستاذِ گرامی مدظلہ کے مکتوبِ گرامی ۲۵ فروری ۱۹۹۰ء اور ان کے انٹرویو کی روشنی میں مرتب کیا گیا۔ کاش کوئی محقق آپ کی حیات و خدمات پر تفصیلی طور پر قلم اُٹھائے۔
۱۲ شرف قادری

سیف اللہ المسلول معین الحق شاہ فضلِ رسول قادری بدایونی

قدس سرہ العزیز

آپ معقول و منقول کے جامع اور شریعت و طریقت کے شیخِ کامل تھے۔ عمرِ عزیز کا بہت بڑا حصہ خلقِ خدا کے جسمانی و روحانی امراض کے علاج میں صرف کیا، ان گنت افراد آپ سے فیض یاب ہوئے۔ اس کے علاوہ تحریر و تقریر کے ذریعے مسلکِ اہلِ سنت و جماعت کے تحفظ کے لئے قابلِ قدر کوششیں کیں۔

اس دور میں کچھ لوگ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی کتاب التوحید سے بری طرح متاثر ہو گئے اور شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدست اسرارہم کے مسلک سے منحرف ہو کر فتنۂ نجدیت کے پھیلانے میں بڑے زور شور سے مصروف ہو گئے — اس فتنے کے سدِ باب کے لئے علمائے اہلِ سنت و جماعت نے اپنی اپنی جگہ ناقابلِ فراموش کوششیں کیں جن میں اُستادِ مطلق مولانا محمد فضلِ حق خیر آبادی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بھتیجے اور شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کے صاحبزادے مولانا شاہ مخصوص اللہ دہلوی، مولانا محمد موسیٰ دہلوی، مولانا منور الدین دہلوی (مولانا ابوالکلام آزاد کے والد کے نانا) اور معین الحق شاہ فضلِ رسول قادری بدایونی وغیرہم نے نمایاں طور پر احقاقِ حق کا فریضہ ادا کیا۔ بے شمار سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان کا تحفظ فرمایا اور لاتعداد افراد کو راہِ راست دکھائی۔ مولوی محمد رضی الدین بدایونی لکھتے ہیں:

"بالخصوص ہنگامِ اقامت، ملک دکن میں وہابیہ و شیعہ بکثرت آپ کے دستِ مبارک پر تائب ہو کر شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے اور نیز جماعتِ کثیر مشرکین کو آپ کی ہدایت و برکت سے شرفِ اسلام حاصل

ہوا۔ تمام مشائخِ کرام و علمائے عظام بلادِ اسلام کے آپ کو آپ کے عصر میں شریعت و طریقت کا امام مانتے ہیں۔ [1]

آپ کا سلسلۂ نسب والد ماجد کی طرف سے جامع القرآن حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اور والدہ ماجدہ کی طرف سے رئیس المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک پہنچتا ہے۔ آپ کے واجد ماجد مولانا شاہ عین الحق عبد المجید قدس سرہ العزیز (متوفی ۱۲۶۳ھ) کے ہاں متواتر صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ لہٰذا آپ کی والدہ ماجدہ بہ کمالِ اصرار کہا کرتی تھیں کہ مرشدِ برحق شاہ آلِ احمد اچھے میاں مارہروی رحمہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نرینہ اولاد کے لئے دُعا کی گزارش کریں، لیکن شاہ عین الحق پاس ادب کی بناء پر ذکر نہ کرتے۔ جب حضرت شاہ فضلِ رسُول کی ولادت کا وقت قریب آیا تو حضرت شاہ آلِ احمد اچھے میاں رحمہ اللہ تعالیٰ نے خود فرزند کے پیدا ہونے کی بشارت دی۔ [2]

چنانچہ ماہِ صفر المظفر (۱۲۱۳ھ/ ۹-۱۷۹۸ء) آپ کی ولادت ہوئی۔ [3]

حضرت اچھے میاں رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق آپ کا نام فضلِ رسُول رکھا گیا اور تاریخی نام ظہورِ محمدی منتخب ہوا۔ [4]

صرف و نحو کی ابتدائی تعلیم جدِ امجد حضرت مولانا عبد الحمید سے اور کچھ والد ماجد مولانا شاہ عبد المجید سے حاصل کی۔ بارہ برس کی عمر میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے

---

[1] محمد رضی الدین بدایونی، تذکرۃ الواصلین حصۂ اوّل، مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ۱۹۴۵ء، ص ۲۵۵

[2] ایضاً: ۲۵۰

[3] رحمٰن علی: تذکرہ علمائے ہند، اُردو، مطبوعہ کراچی، ص ۲۸۰

[4] محمد رضی الدین بدایونی: تذکرۃ الواصلین، ص ۲۵۰

نوٹ: تذکرہ علمائے ہند، مطبوعہ کراچی میں تاریخی نام ظہورِ محمد لکھا ہے یہ غلط ہے کیونکہ اس کے مطابق سنِ ولادت ۱۲۰۳ھ ہونا چاہیے۔ تاریخی نام ظہورِ محمدی (۱۲۱۳ھ) ہے۔

پا پیادہ لکھنؤ کا سفر کیا اور فرنگی محل لکھنؤ میں ملک العلماء بحر العلوم قدس سرہٗ کے جلیل القدر شاگرد مولانا نور الحق قدس سرہ (متوفی ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا نے خاندانی عزت وعظمت اور ذہانت کے پیش نظر اپنی اولاد سے بھی زیادہ توجہ مبذول فرمائی۔ حتیٰ کہ آپ چار سال میں تمام علوم وفنون سے فارغ ہو گئے۔ ۱

جمادی الاخریٰ (۱۲۲۸ھ) کو حضرت مخدوم شاہ عبد الحق ردولوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار اقدس کے سامنے عرس کے موقعہ پر مولانا عبد الواسع لکھنوی، مولانا ظہور اللہ فرنگی محلی اور دیگر اجلۂ علماء کی موجودگی میں رسم دستار بندی ادا کی اور وطن جانے کی اجازت دی۔ ۲

وطن آکر مارہرہ شریف حاضر ہوئے۔ حضور اچھے میاں آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور دعائیں دے کر فرمایا: اب فن طب کی تکمیل کر لینی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہاری ذات سے ہر طرح کا دینی ودنیاوی فیض جاری کرنا منظور ہے۔ چنانچہ آپ نے ڈھول پور میں حکیم ببر علی موہانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے طب کی تکمیل کی۔

ابھی آپ ڈھول پور ہی میں تھے کہ حضور اچھے میاں قدس سرہٗ کے انتقال پر ملال کا سانحہ پیش آگیا۔ وصال سے قبل تنہائی میں شاہ عین الحق عبد المجید قدس سرہٗ کو طلب فرما کر طرح طرح کی بشارتوں سے نوازا۔ اور شاہ فضل رسول قادری کے دست شفا کی مبارک باد دی۔ ۳

والد ماجد کے بلانے پر ڈھول پور سے واپس وطن پہنچے اور مدرسہ قادریہ کی

---

۱ محمد رضی الدین بدایونی: تذکرۃ الواصلین، ص ۲۵۱

۲ ماہنامہ پاسبان، الٰہ آباد، امام احمد رضا نمبر (مارچ واپریل ۱۹۶۲ء) ص ۴۸

۳ محمد رضی الدین بدایونی، تذکرۃ الواصلین، ص ۲۵۱

بنیاد رکھی، جہاں سے اہلِ شہر کے علاوہ دیگر بلاد کے لوگوں نے بھی فیض حاصل کیا۔ پھر صلہ رحمی کے خیال سے ملازمت کا ارادہ کیا۔ ریاست بنارس وغیرہ میں قیام کیا لیکن درس و تدریس کا سلسلہ کہیں منقطع نہ ہوا۔

اس عرصے میں کئی بار والد ماجد کی خدمت میں بیعت کی درخواست کی ہر دفعہ معاملہ دوسرے وقت ٹال دیا جاتا۔ بالآخر معلوم ہوا کہ مقصد یہ ہے کہ جب تک دُنیاوی تعلق ختم نہیں کیا جاتا، حصولِ مقصد میں تاخیر رہے گی۔ چنانچہ تعلقاتِ دنیاویہ ختم کرکے حاضر ہوئے اور حصولِ مدعا کی درخواست کی۔ والدِ ماجد نے قبول فرماکر فصوص الحکم شریف اور مثنوی مولانا رُوم کا بالاستیعاب درس دیا۔ کچھ عرصہ بعد آپ پر جذب کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اکثر اوقات ہولناک جنگلوں میں گزارتے۔ کئی سال تک یہ حالت جاری رہی، پھر جاکر سلوک کی طرف رجوع ہوا۔[1]

آپ کو والدِ گرامی کی طرف سے سلسلۂ عالیہ قادریہ کے علاوہ سلسلۂ چشتیہ، نقشبندیہ، ابوالعلائیہ اور سلسلہ سہروردیہ میں اجازت و خلافت حاصل تھی۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزارِ اقدس پر معتکف تھے کہ اچانک مدینہ طیبہ کی زیارت کا شوق ایسا غالب ہوا کہ سفر خرچ کا فکر کئے بغیر پیادہ پا بمبئی روانہ ہوگئے۔ دو ماہ کا سفر تائیدِ ایزدی سے اس قدر جلد طے ہوا کہ آپ ساتویں دن بمبئی پہنچ گئے، حالانکہ زخموں کی وجہ سے کچھ دن راستے میں قیام بھی کرنا پڑا۔

بمبئی سے سفرِ مبارک کی اجازت حاصل کرنے کے لئے والد ماجد کی خدمت میں عریضہ لکھا۔ انہوں نے بہ کمال خوشی اجازت مرحمت فرمائی۔ حرمین شریفین پہنچنے کے بعد عبادت و ریاضت کے شوق کو اور جلا ملی ــــ شب و روز یادِ الٰہی میں بسر کرتے اور خلقِ خدا کی خدمت کے لئے پوری طرح کمربستہ رہے۔

---

[1] محمد رضی الدین بدایونی، تذکرۃ الواصلین، ص ۲۵۲

مولوی محمد رضی الدین بدایونی لکھتے ہیں :

"جو کچھ ریاضتیں آپ نے ان اماکنِ متبرکہ میں ادا فرمائیں۔ بجز قدمائے اولیاء کرام کے دوسرے سے مسموع نہ ہوئیں۔ حرمین شریفین کی راہ میں پیادہ پا سفر فرمایا اور یتیموں مسکینوں کے آرام پہنچانے میں اپنے اوپر ہر قسم کی تکلیف گوارا کی۔"[1]

اسی مبارک سفر میں حضرت شیخ مکہ عبداللہ سراج اور حضرت شیخ مدینہ عابد مدنی سے علمِ تفسیر و حدیث کا استفادہ کیا۔ اسی سال کامل جذبۂ ارادت سے بغداد شریف حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضۂ مبارکہ پر حاضر ہوئے اور بیشمار فیوض و برکات حاصل کئے۔ درگاہِ غوثیہ کے سجادہ نشین نقیب الاشراف حضرت سید علی نے آپ کو از خود اجازت و خلافت مرحمت فرمائی[2] اور ان کے بڑے صاحبزادے حضرت سید سلیمان نے آپ کے تلمذ کا شرف حاصل کیا اور اجازت حاصل کی۔[3]

جب آپ واپس وطن پہنچے، تو والد ماجد اسی سال کی عمر میں حرمین شریفین کی زیارت کا قصد فرما کر بمقام بڑودہ پہنچ چکے تھے، حاضر ہو کر گزارش کی کہ اس عمر میں آپ نے اس قدر طویل سفر کا ارادہ فرمایا ہے، لہٰذا میں مفارقت گوارا نہیں کر سکتا۔ وہیں سے والدہ ماجدہ کی خدمت میں عریضہ لکھ کر اجازت طلب کی اور والد ماجد کے ساتھ پھر سوئے حرمین شریفین روانہ ہو گئے۔ اس سفر میں عبادات و ریاضات کے علاوہ والدِ محترم کی خدمت کا حق ادا کر دیا اور اُن کی دعاؤں سے پوری طرح بہرہ ور ہوئے۔[4]

---

[1] محمد رضی الدین بدایونی : تذکرۃ الواصلین ص ۲۵۳

[2] رحمان علی ، تذکرہ علمائے ہند ص ۲۸۰

[3] محمد رضی الدین بدایونی ، تذکرۃ الواصلین ص ۲۵۳

[4] ایضاً ، ص ۲۵۲

مولانا کی ذات والا صفات مرجع انام تھی، اُن کے پاس کوئی علاج معالجے کے لئے آتا اور کوئی مسائل شریعت دریافت کرنے حاضر ہوتا۔ کوئی ظاہری علوم کی گتھیاں سلجھانے کے لئے شرف باریابی حاصل کرتا، تو کوئی باطنی علوم کے عقدے حل کرانے کی غرض سے دامنِ عقیدت واکرتا۔ غرض وہ علم وفضل کے نیرِ اعظم اور شریعت و طریقت کے سنگم تھے جہاں سے علم وعرفان کے چشمے پھوٹتے تھے۔ وہ ایک شمعِ انجمن تھے، جن سے ہر شخص اپنے ظرف اور ضرورت کے مطابق کسبِ ضیاء کرتا تھا۔

ذیل میں وہ استفتاء نقل کیا جاتا ہے جو ہند کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کے دربار سے بعض اختلافی مسائل کی تحقیق کے لئے مولانا شاہ فضلِ رسول قادری کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔ اصل استفتاء طویل اور فارسی میں ہے، لہٰذا اختصار کے ساتھ اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

استفتاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرح متین اس شخص کے متعلق جو یہ کہتا ہے کہ دن متعین کر کے محفل میلاد شریف منعقد کرنا گناہ کبیرہ ہے اور محفل مولود شریف میں قیام کرنا شرک ہے اور فاتحہ پڑھنا طعام وشیرینی پر حرام ہے اور اولیاء اللہ سے مراد چاہنا شرک ہے اور حسب دستور قدیم ختم میں پانچ آیتوں کا پڑھنا بدعت سیئہ ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم مبارک کا معجزہ حق نہیں ہے اور کہتا ہے تعزیہ کا بالقصد اور بلا قصد دیکھنا کفر ہے اور ہولی کا دیکھنا اور دسہرے میں سیر کرنا اگرچہ بلا ارادہ ہو تو وہ کافر ہو جائے گا اور اس کی عورت پر طلاق ہو جائے گی۔ اور کعبہ شریف ومدینہ منورہ کے خطے میں کوئی بزرگی نہیں ہے، اس وجہ سے کہ اس زمین میں ظلم ہوا ہے اور سننے میں آیا ہے کہ وہاں کے باشندگان ظالم ہیں۔ مدینہ منورہ

میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا اور مکہ معظمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ مکرمہ سے باہر کیا۔

پس ایسی صورت میں ان لوگوں کی اقتدار اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا یا مسلمانوں کو ان سے بیعت ہونا درست ہے یا نہیں؟ اور شرع شریف کا ایسے لوگوں پر کیا حکم ہے؟ اور نیز ان کے متبعین پر کیا حکم ہے؟ فقط!

نقل مہر حضرت ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی بادشاہ دین پناہ وفقہ اللہ لما یحبہ ویرضاہ

محمد بہادر شاہ	بادشاہ غازی
ابو ظفر سراج الدین	

حضرت سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی نے پندرہ صفحات میں تفصیل سے جواب لکھا اور مسلک اہل سنت وجماعت کو دلائل سے بیان کیا۔ اس فتوی پر اجلہ علماء نے تصدیقی دستخط فرمائے۔ [1]

آپ نے خدمتِ خلق، عبادت وریاضت، درس وتدریس، وعظ وتبلیغ کے مشاغل کے باوجود تصنیف وتالیف کی طرف بھی توجہ فرمائی۔ سفر وحضر میں آپ کا دریائے فیض بکمال استحضار کے ساتھ جاری رہتا۔ آپ نے اعتقادیات، درسیات طب اور فقہ وتصوف میں قابل قدر کتابیں لکھی ہیں مشہور تصانیف درج ذیل ہیں:

سیف الجبار، بوارق محمدیہ تصحیح المسائل، المعتقد المنتقد، فوز المؤمنین، تلخیص الحق، احقاق الحق، شرح فصوص الحکم، رسالہ طریقت، حاشیہ میر زاہد رسالہ قطبیہ، حاشیہ میر زاہد ملا جلال، طب الغریب، تثبیت القدمین، شرح احادیث ملتقطہ ابواب صحیح مسلم، فصل الخطاب۔ حرز معظم۔

---

[1] ماہنامہ پاسبان امام احمد رضا نمبر، الٰہ آباد (شمارہ مارچ واپریل ۱۹۶۲ء) ص ۵۰-۵۱ بحوالہ اکمل التاریخ، جلد دوم، ص ۱۵۴ تا ۱۶۹۔

چند کتب کا قدرے تفصیلی تعارف پیش کیا جاتا ہے :

(۱) **المعتقد المنتقد** : (عربی) عقائد اہل سنت و جماعت پر نہایت اہم کتاب ہے، اس میں بعض نئے اٹھنے والے فتنوں کی بھی سرکوبی کی گئی ہے۔ مکہ معظمہ میں ایک بزرگ کی فرمائش پر لکھی۔ اس پر بڑے بڑے نامور علماء مثلاً مجاہد آزادی، استاذ مطلق مولانا محمد فضل حق خیر آبادی، مفتی محمد صدر الدین خاں آزردہ، صدر الصدور دہلی شیخ المشائخ مولانا شاہ احمد سعید نقشبندی اور مولانا حیدر علی مولف منتہی الکلام وغیرہم نے گرانقدر تقریظیں لکھیں اور نہایت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔

مولانا حکیم محمد سراج الحق خلف رشید مجاہد عظیم مولانا فیض احمد بدایونی نے اس پر حاشیہ لکھا اور جب یہ کتاب بریلی شریف سے شائع ہوئی تو امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہٗ نے المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد کے نام سے قلم برداشتہ نہایت وقیع حاشیہ تحریر کیا۔ المعتقد المنتقد اس لائق ہے کہ اسے درسیات میں شامل کیا جائے۔ مکتبہ حامدیہ، گنج بخش روڈ، لاہور کی طرف شائع ہو چکی ہے۔

(۲) **بوارق محمدیہ** : المعروف بہ سوط الرحمٰن علیٰ قرن الشیطان (فارسی)

مولوی محمد رضی الدین اس کی تصنیف کا باعث یوں بیان کرتے ہیں :

"بالخصوص ردِ وہابیہ میں جس قدر بلیغ کوشش بحکم اولیاء کرام آپ نے فرمائی، وہ مخفی نہیں ہے۔ چنانچہ جب آپ بمقام دہلی روضہ مبارک حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ میں مزار مبارک پر مراقب تھے۔ عین مراقبہ میں آپ نے دیکھا کہ حضور جناب خواجہ صاحب رونق افروز ہیں اور دونوں دستِ مبارک پر اس قدر کتب کا انبار ہے کہ آسمان کی طرف حد نظر تک کتاب پر کتاب نظر آتی ہے۔ آپ نے عرض کیا

کہ اس قدر تکلیف حضور نے کس لیے گوارا فرمائی ہے؟ ارشادِ مبارک ہوا کہ تم یہ بار اپنے ذمّے لے کر شیاطینِ وہابیہ کا قلع قمع کر دو۔ بہ مجرد اس ارشادِ مبارک کے آپ نے مراقبہ سے سر اٹھایا اور تعمیل ارشادِ والا ضروری خیال فرما کر اسی ہفتہ میں کتاب مستطاب بوارقِ محمدیہ تالیف فرمائی۔ [1]

اس کتاب کو علماء و مشائخ نے نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ مولانا غلام قادر بھیروی (متوفی ۱۳۲۶ھ) نے "الشوارق الصمدیہ" کے نام سے خلاصہ و ترجمہ کیا، جو عرصہ ہوا شائع ہو چکا ہے۔ اس کی وقعت اور مقبولیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی (م ۱۳۵۶ھ) نے بھی اسے بطورِ حوالہ ذکر کیا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

"صاحب بوارقِ محمدیہ صفحہ ۱۲۱ میں لکھتے ہیں۔" [2]

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"در بوارق مے نویسد امام احمد وغیرہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہم آں روایت کردہ اند۔" [3]

ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

"ایں جا بر ذکر چندے از انفاسِ متبرکہ حضرت خاتم المحدثین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ نقل نمودہ است آں بارا مولانا فضل رسول قادری حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکتفا نمودہ می آید۔" [4]

---

[1] محمد رضی الدین بدایونی: تذکرۃ الواصلین ص ۲۵۴

[2] حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی قدس سرہٗ: اعلاء کلمۃ اللہ، طبع چہارم، ص ۱۳۹

[3] ایضاً: ص ۱۶۳

[4] ایضاً: ص ۱۹۵

حضور اعلیٰ گولڑوی قدس سرہ نے جا بجا بوارقِ محمدیہ کے حوالہ جات نقل کرکے اور اُن پر اعتماد کا اظہار کرکے اس کی قبولیت و صداقت پر مُہرِ تصدیق ثبت فرمادی ہے۔

مولوی اسمٰعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں بیانِ توحید کے لئے بہت سخت زبان استعمال کی ہے، جس کا خود انہوں نے ایک موقعہ پر اعتراف بھی کیا تھا۔ عقیدۂ توحید کی بنیادی حیثیت سے انکار کرکے کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا لیکن ایسا اندازِ بیان یقیناً قابلِ تردید ہوگا جس میں شانِ اُلوہیت کے عظمت کے اظہار کے لئے شانِ رسالت کو نظر انداز کر دیا جائے اور تنقیص شان کا ارتکاب کیا جائے۔ بُتوں کے حق میں وارد ہونے والی آیات کو انبیاء و اولیاء کی ذواتِ مقدسہ پر چسپاں کیا جائے۔ وہ توحید ہرگز قابلِ قبول نہیں، جو شانِ رسالت کی تنقیص پر مشتمل ہو۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہٗ نے اس حقیقت کو بڑے واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں،

"الحاصل مابین اصنام و ارواح مکمل فرقیست بیّن و امتیازیست باہر پس آیات وارده فی حق الاصنام را بر انبیاء و اولیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین حمل نمودن کما فی تقویۃ الایمان تحریفے است قبیح و تخریبے است شنیع۔" [1]

ترجمہ: "الحاصل بُتوں اور کاملین کی ارواح میں فرق ظاہر و باہر ہے، لہٰذا اُن آیات کو انبیاء و اولیاء پر چسپاں کرنا، جو بتوں کے حق میں وارد ہیں جیسا کہ تقویۃ الایمان میں ہے، قبیح تحریف اور بدترین تخریب ہے۔" [1]

دیگر علماء اسلام کی طرح مولانا شاہ فضلِ رسول قادری بدایونی نے بوارقِ محمدیہ اور سیف الجبار وغیرہ کتب میں تقویۃ الایمان کی اسی قسم کی عبارات پر محض جذبۂ دینی کے تحت عالمانہ تنقید کی ہے۔

---

[1] حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہٗ اعلاء کلمۃ اللہ ص ۱۷۱

(۳) سیف الجبار (اُردو) متعدد دفعہ چھپ چکی ہے۔

ہماری معلومات کے مطابق آخری دفعہ دارالعلوم منظرِ اسلام بریلی شریف کے شعبۂ تبلیغ کی طرف سے شائع ہوئی ہے، اس کا تاریخی نام سیف الجبار علی الاعداء للابرار (۱۲۶۵ھ) ہے۔ اس میں فتنۂ نجدیت کی ابتداء اس کے پھیلاؤ، حرمین شریفین اور دیگر مقامات کے مسلمانوں پر نجدیوں کے لرزہ خیز مظالم کا تفصیلی نقشہ پیش کیا گیا ہے۔

تاریخی اعتبار سے یہ کتاب اہمیت رکھتی ہے، کیونکہ مصنف نے نجدی مظالم کے اثرات بچشم خود ملاحظہ کئے تھے، ایک جگہ فرماتے ہیں:

"زیدیہ مذہب، سیدوں ساکن نواح حماد حدیدہ نے مذہب نجدیہ اختیار کر کے مکان کو فوج سے خالی دیکھ کر پھر تاخت و تاراج کیا اور ہر ایک مکان میں ایک ایک امیرالمومنین ہو گیا، عجیب ظلم برپا کیا۔ راقم نے ۱۲۵۷ھ میں اسی حال پر چھوڑا۔" [۱]

محمد ابن عبدالوہاب نجدی کے بارے میں مولوی حسین احمد مدنی کی رائے قابلِ ملاحظہ ہے، لکھتے ہیں:

صاحبو! محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتدائے تیرھویں صدی میں نجد عرب سے ظاہر ہوا اور چونکہ خیالاتِ باطلہ اور عقائدِ فاسدہ رکھتا تھا، اس لئے اس نے اہل سنت و جماعت سے قتل و قتال کیا اور ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا۔ ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا گیا۔ ان کے قتل کو باعثِ ثواب و رحمت شمار کرتا رہا۔ اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکالیفِ شاقہ پہنچائیں، سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی و بے ادبی کے الفاظ استعمال

---

[۱] مولانا فضلِ رسول: سیف الجبار، ص ۴۷

کئے۔ بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کے تکالیفِ شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا اور ہزاروں آدمی اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ الحاصل وہ ایک ظالم و باغی خونخوار، فاسق و فاجر شخص تھا"[1]

شاہ فضل رسول قادری نے مولوی اسمٰعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی کو قریب سے دیکھا۔ ان کے عقائد اور عزائم کا بنظرِ غائر جائزہ لیا۔ ان کے طور و طریق کو بخوبی جانچا اور پھر ضمیر کی آواز کو بلا کم و کاست تحریر کر دیا۔ فرماتے ہیں،

"فاحشہ رنڈیوں کی بھی پیش کش (نذر) لینے میں تامل نہ تھا، یہاں تک کہ جو فرنگیوں کے گھروں میں تھیں، چنانچہ بنارس کا ریذیڈنٹ الگنسن بروک نام اُس کے گھر میں ایک فاحشہ تھی، بڑی اختیار والی اور صاحب مقدور مرید ہوئی اور دس ہزار روپے نذر کئے اور اُس کے مرید ہونے سے ریذیڈنٹ نے بہت خاطر داری کی کہ سید صاحب نے اس کو اپنی بیٹی فرمایا تھا"

راقم بھی وہاں موجود تھا۔[2]

سیف الجبار میں تقلید کی حقیقت اور امام الائمہ سراج الامہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب بڑے دل نشین پیرائے میں ذکر کئے گئے ہیں۔

محمد بن عبد الوہاب نجدی کی کتاب التوحید (صغیر) ۷ محرم بروز جمعہ ۱۲۲۱ھ کی صبح علمائے مکہ مکرمہ کے سامنے پیش ہوئی۔ اس وقت نجدی لشکر طائف میں قتل و غارتگری اور مسجد ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما منہدم کر کے مکہ مکرمہ جانے کا قصد کر رہے تھے۔ علماء مکہ مکرمہ نماز جمعہ کے بعد جمع ہوئے اور کتاب التوحید کا مطالعہ کر کے اس کا رد کیا۔ مولانا احمد بن یونس باعلوی اس تردید کو ضبطِ تحریر میں لائے

---

[1] مولوی حسین احمد مدنی؛ الشہاب الثاقب ص ۵۰

[2] مولانا فضل رسول قادری؛ سیف الجبار ص ۷۲، ۷۳

نماز عصر تک اُس کے ایک باب کا رد مکمل ہوا تھا کہ طائف کے مظلوموں کا ایک گروہ مسجد حرام میں پہنچ گیا اور مشہور ہو گیا کہ نجدیہ کا لشکر حرم شریف میں پہنچ کر قتل و غارت کرنے والا ہے۔ اس عام اضطراب کی وجہ سے دوسرے باب پر نظر نہ کی جا سکی۔

مولانا شاہ فضل رسول قادری نے سیف الجبار کے آخر میں کتاب التوحید کا پہلا باب اور اس پر علماء مکہ مکرمہ کا رد بمع ترجمہ نقل کر دیا ہے۔ جا بجا تقویۃ الایمان کی عبارتیں نقل کی ہیں، جن سے یہ عجیب و غریب حقیقت سامنے آتی ہے کہ تقویۃ الایمان اسی کتاب التوحید' کا ترجمہ اور شرح ہے۔ علماء مکہ کی تقریظات کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی اور مولانا شاہ محمد فضل حق خیر آبادی (رحمہم اللہ تعالیٰ) کی عبارات نقل کی ہیں، جن سے یہ امر کھل کر سامنے آ جاتا ہے کہ یہ حضرات نہ تو کتاب التوحید کے معتقد ہیں، اور نہ تقویۃ الایمان کے مندرجات سے متفق، ان کے عقائد وہی ہیں جو اس وقت کے علماء مکہ مکرمہ اور علماء اہل سنت و جماعت کے ہیں۔

شاہ فضل رسول قادری رحمہ اللہ تعالیٰ پر عام طور پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ "انہوں نے انگریز کی حکومت کے دور میں منصب افتاء، قضا اور صدر الصدوری کے ذریعہ اقتدار حکومت کو بحال اور مضبوط تر کیا۔"[1]

تعجب ہے کہ جب علماء دیوبند میں سے مولوی محمد احسن نانوتوی، مولوی محمد مظہر، مولوی محمد منیر، مولوی ذوالفقار علی، مولوی فضل الرحمٰن، مولوی مملوک علی اور مولوی محمد یعقوب نانوتوی وغیرہم بھی "سرکار انگریز کے ملازم تھے"[2] تو فرنگی حکومت کے اقتدار کو مضبوط تر کرنے کا الزام علماء اہل سنت پر ہی کیوں عائد کیا جاتا ہے؟

---

[1] پروفیسر محمد ایوب قادری: مقدمہ حیات سید احمد شہید (مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۸ء) ص ۱۸

[2] ایضاً: مولوی محمد احسن نانوتوی، ص ۲۶

پھر یہ نکتہ بھی غور طلب ہے کہ اگر علماء منصب افتاء، قضاء اور صدر الصدوری کو قبول نہ کرتے، تو ان مناصب پر فائز ہو کر فیصلہ کرنے والے ہندو ہوتے یا انگریز۔ کیا یہ اچھا ہوتا کہ علماء ان مناصب کو قبول نہ کرتے اور مسلمان اپنے مقدمات کے فیصلوں کے لئے ہندو یا انگریز کی کچہریوں میں مارے مارے پھرتے؟

اسی سلسلے میں ہمارے کرم فرما پروفیسر محمد ایوب قادری نے ایک اور بات کہی ہے:

"مولانا فضل رسول بدایونی کی تصانیف کے بارے میں ایک بات ہم نے خاص طور پر نوٹ کی ہے کہ ان کی اکثر تصانیف کسی نہ کسی سرکاری ملازم کی اعانت سے شائع ہوئی ہیں۔" [1]

بر تقدیر تسلیم ہمارے نزدیک مولانا پر یہ کوئی اعتراض نہیں ہے کہ "ان کی اکثر تصانیف کسی نہ کسی سرکاری ملازم کی اعانت سے شائع ہوئی ہیں۔ بلکہ انگریز دوستی یا انگریز سے ساز باز بیشک جرم اور قابل اعتراض امر ہے، فقط سرکاری ملازم ہونا کوئی جرم کی بات نہیں ہے، بشرطیکہ کسی خلاف اسلام امر میں ان کا تعاون نہ کیا جائے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ نے مولوی عبدالحی کو ملازمت کی اجازت دے کر اس قسم کے شبہات کو ختم کر دیا تھا۔ سرکاری ملازمت سے ہر شخص کے بارے میں یہ رائے قائم کر لینا کہ یہ انگریز کا خیر خواہ، وفادار اور محب ہے، کسی طرح بھی صحیح نہیں، کیونکہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں اکثر و بیشتر انہی علماء نے کھل کر حصہ لیا، جو انگریز کے دور اقتدار میں صدر الصدور اور افتاء وغیرہ کے مناصب پر فائز تھے۔

پھر یہ بھی ایک فکر انگیز حقیقت ہے کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی کی مشہور کتاب تقویۃ الایمان پہلے پہل رائل ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ سے شائع ہوئی۔ اگر کسی کتاب کو سرکاری ملازم شائع کرے، تو ضروری نہیں کہ اس میں حکومت کا ایماء شامل ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ

---

[1] پروفیسر محمد ایوب قادری، مقدمہ "حیات سید احمد شہید"، ص ۱۸

کتاب سرکاری پالیسی کے مطابق ہو، لیکن جب کسی کتاب کو رائل ایشیاٹک سوسائٹی ایسا سرکاری ادارہ شائع کرے، تو معمولی سی سمجھ بوجھ والا آدمی بھی یہ کہے بغیر نہیں رہ سکے گا کہ وہ کتاب یقیناً سرکاری پالیسی کے مطابق ہوگی، مخالف ہرگز نہیں ہو سکتی۔

یہ امر بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اگر مولانا فضل رسول قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصانیف کو کسی ذریعہ سے بھی سرکاری حمایت حاصل ہوتی تو بعض دیگر مصنفین کی طرح اُن کی تصنیفات بھی کثرت سے طبع ہوتیں، حالانکہ تقویۃ الایمان وغیرہ کتابیں جس کثرت سے اشاعت پذیر ہوئیں ــ مولانا شاہ فضلِ رسول قادری کی کتابیں اس کثرت سے شائع نہیں ہوئیں۔

مولانا شاہ فضلِ رسول قادری قدس سرہٗ نے کتنے واضح الفاظ میں انگریزی اقتدار سے نفرت و استحقار کا اظہار کیا ہے اور انگریز کے اقتدار کو دین میں فتنہ و فساد کے پیدا ہونے کا سبب قرار دیا ہے۔ درج ذیل اقتباس سے بآسانی معلوم کیا جا سکتا ہے، فرماتے ہیں:

> "جاننا چاہیئے کہ ہندوستان میں بسبب ہو جانے کفر کے حکومت (انگریزی اقتدار) اور نہ رہنے اسلام کی سلطنت کے دینِ اسلام میں فتنے اور شرع کے احکام میں رخنے پڑ گئے۔" [2]

دوسری جانب مولوی اسمٰعیل دہلوی کا بیان ملاحظہ ہو تاکہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ مولانا فضلِ رسول قادری بدایونی اور دیگر علماء اہل سنت پر انگریز دوستی کے الزام میں کتنی سچائی ہے؟ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے ایک موقعہ پر کہا:

---

[1] پروفیسر محمد شجاع الدین (متوفی ۱۹۶۵ء) صدر شعبۂ تاریخ دیال سنگھ کالج لاہور نے پروفیسر خالد بزمی (لاہور) کے نام ایک مکتوب میں اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ تقویۃ الایمان کو انگریز نے چھپوا کر مفت تقسیم کیا تھا۔ (ملاحظہ ہو، ماہنامہ تبصرہ، لاہور، جولائی ۱۹۶۵ء ص ۶)

[2] فضلِ رسول قادری، بدایونی، مولانا: سیف الجبار، ص ۶۷

"انگریزی سرکار گو منکرِ اسلام ہے، مگر مسلمانوں پر کوئی ظلم و تعدی نہیں کرتی نہ اُن کو فرائضِ مذہبی اور عبادات لازمی سے روکتی ہے۔ ہم اُن کے ملک میں اعلانیہ وعظ کہتے ہیں اور ترویج مذہب کرتے ہیں۔ وہ کبھی مانع و مزاحم نہیں ہوتی، بلکہ اگر کوئی ہم پر زیادتی کرتا ہے، تو اس کو سزا دینے کو تیار ہیں۔ ہمارا اصل کام اشاعت توحید الٰہی اور احیائے سُنن سیّد المرسلین (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہے، سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں۔ پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور اصولِ مذہب کے خلاف بلا وجہ طرفین کا خون گرادیں۔" [1]

مولانا شاہ فضلِ رسول قادری قدس سرہ کے بارے میں ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے: مولانا حیدر علی ٹونکی نے اس سلسلے میں ایک خاص بات یہ لکھی ہے کہ مولوی فضل رسول بدایونی نے مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی کی شہادت (۱۲۴۶ھ) کے بیس سال بعد وہابیوں کے رد میں کتابیں لکھنی شروع کیں۔ ظاہر ہے پنجاب کے انگریزوں کے قبضہ میں آجانے کے بعد مجاہدین کا مقابلہ براہِ راست انگریز سے تھا۔ [2]

مولوی اسمٰعیل دہلوی نے جب تقویۃ الایمان لکھ کر مسلکِ اہلِ سنت و جماعت کے خلاف عقائد و افکار کا اظہار کیا، تو اکثر و بیشتر علماء تحفظ دین و مسلک کی خاطر میدان میں اُتر آئے۔ بعض نے ان سے اور ان کے ہم خیال علماء سے مناظرہ کیا مثلاً مولانا شاہ مخصوص اللہ دہلوی، مولانا محمد موسیٰ (صاحبزادگان حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی) منطق و کلام کے مسلّم الثبوت اُستاذ مولانا محمد فضل حق خیرآبادی، مولانا رشید الدین خاں اور علمائے پشاور وغیرہم بے شمار علماء نے تصنیف و تالیف

---

[1] منشی محمد جعفر تھانیسری؛ سوانح احمدی ص ۱۷۱

[2] پروفیسر محمد ایوب؛ مقدمہ حیات سید احمد شہید، ص ۲۴

کے ذریعے تردید کی، بعض نے تقریری طور پر ردّ و ابطال پر اکتفا کیا۔ لُطف کی بات یہ ہے کہ ان میں اکثر و بیشتر حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی کے صاحبِ علم و فضل شاگرد تھے، بلکہ خود حضرت شاہ صاحب نے تقویۃ الایمان پر اظہارِ ناراضگی فرمایا؛

"حضرت مولانا شاہ محمد فاخر الٰہ آبادی قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ جب اسمٰعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان لکھی اور سارے جہان کو مشرک و کافر بنانا شروع کیا تو اُس وقت حضرت شاہ صاحب آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے اور بہت ضعیف بھی تھے۔ افسوس کے ساتھ فرمایا کہ میں تو بالکل ضعیف ہو گیا ہوں، آنکھوں سے بھی معذور ہوں، ورنہ اس کتاب اور اس عقیدہ فاسدہ کا رد بھی تحفہ اثنا عشریہ کی طرح لکھتا کہ لوگ دیکھتے۔[1]

حضرت مولانا شاہ فضلِ رسول قادری بدایونی قدس سرہ ان علماء میں سے تھے جنہوں نے اس نئے فتنے کی تردید کے لئے بھرپور تقریری کام کیا اور جب ضرورت محسوس ہوئی تو تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا اور ایسی کتابیں لکھیں جنہیں اہلِ علم سر آنکھوں پر جگہ دیتے ہیں۔ مولانا کی ساری زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد ان کی کوششوں میں حفاظتِ دین کے سوا اور کوئی مقصد نظر نہیں آئے گا۔ کیا اس بات کا ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی ابتدائی زندگی میں تقریر کے ذریعے عقائدِ باطلہ کی تردید نہیں کی ۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت ص ۲۹ تالیف ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری قدس سرہٗ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا طالب علمی کے زمانہ ہی سے ردِّ وہابیت کی ابتدا کر چکے تھے۔

---

[1] مولانا محمد ظفر الدین بہاری: ماہنامہ پاسبان، امام احمد رضا نمبر، ص ۱۹، ۲۰

یہاں اس بات کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی، سید صاحب اور ان کے رفقاء کو انگریزوں سے کوئی مخاصمت نہ تھی اور نہ وہ انگریزوں سے جہاد کا ارادہ ہی رکھتے تھے۔ ؎

آپ کے تلامذہ کرام کا سلسلہ بہت وسیع ہے۔ جس شخصیت نے طویل مدت تک سفر و حضر میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا ہو۔ اس کے شاگردوں کا شمار لازماً دشوار ہوگا۔ چند فضلاء کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے، جنہوں نے آپ کے بحرِ علم سے استفادہ کیا،

مولانا شاہ محی الدین ابن شاہ فضل رسول قادری (م ۱۲۷۰ھ) مولانا محب الرسول شاہ محمد عبدالقادر بدایونی ابن مولانا شاہ فضل رسول قادری (م ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) مجاہدِ آزادی مولانا فیض احمد بدایونی، قاضی القضاۃ مولانا مفتی اسد اللہ خان الٰہ آبادی (م ۱۳۰۰ھ) استاد مولوی رحمٰن علی مؤلف تذکرہ علمائے ہند مولانا عنایت رسول چڑیا کوٹی ؎ مولانا شاہ احمد سعید دہلوی (م ۱۲۷۷ھ) مولانا کرامت علی جونپوری (م ۱۲۹۰ھ) مرید سید احمد بریلوی، مولانا سید عبدالفتاح گلشن آبادی، مولانا عبدالقادر حیدرآبادی (م ۱۳۲۹ھ) مولانا سید اشفاق حسین (م ۱۳۱۸ھ) مولانا خرم علی بلہوری (م ۱۲۷۳ھ) مولانا حکیم محمد ابراہیم سہارنپوری، سید بنیاد شاہ سنبھلی، مولانا سید خادم علی، مولانا سید ارجمند علی، مولانا سید اولاد حسن خلف سید آل حسین، مولانا غلام حیدر،

؎ اس سلسلے میں "مقالات سرسید حصہ شانزدہم مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور" کے حاشیہ پر شیخ اسمٰعیل پانی پتی کا نوٹ ص ۲۴۸ تا ۲۵۲ اور ص ۳۱۸ تا ۳۱۹ قابل ملاحظہ ہے۔ نیز سید صاحب کی تحریک کی صحیح پوزیشن سمجھنے کے لئے جناب وحید احمد مسعود بدایونی کی تحقیقی کتاب "سید احمد شہید کی صحیح تصویر" مطبوعہ لاہور، ملاحظہ کی جائے۔ ؎ نامور فاضل مولانا محمد فاروق چڑیا کوٹی (م ۱۹۰۹ء) استاذ شبلی نعمانی، مولانا عنایت رسول کے چھوٹے بھائی اور شاگرد تھے۔

مولانا جلال الدین رئیس سوتھ محلہ، مولانا فصاحت اللہ متولی، مولانا امانت حسین دانش مند، مولانا بہادر شاہ دانشمند وغیرہ وغیرہ۔

آپ کے مریدین کا سلسلہ عرب و عجم میں پھیلا ہوا ہے بے شمار لوگ مذاہب باطلہ اور عقائدِ فاسدہ سے تائب ہو کر آپ کے دستِ حق پر بیعت ہوئے۔

آپ کے مُریدین کے چند نام یہ ہیں:

مولانا محب الرسول شاہ محمد عبد القادر بدایونی خلف رشید شاہ فضل رسول قادری، مولانا حکیم سراج الحق صاحب ابن مولانا فیض احمد بدایونی (م ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۵ء) مولانا سید آل نبی حسنی حسینی شاہجہانپوری (۱۲۰۸ھ) مولانا حکیم عبد العزیز، مولانا عبید اللہ بدایونی مدرس مدرسہ محمدیہ بمبئی (م ۱۳۱۵ھ) ملا اکبر شاہ افغانی، مولانا عون الحق حافظ محمد ضیاء الدین حیدر آباد دکن، قاضی حمید الدین خاں مچھلی بندر، شیخ محمد صدیق متوطن بریلی۔ شیخ عبد الرحیم رئیس بدایوں۔ شیخ عبد الہادی ملقب شاہ سالار وغیرہ وغیرہ۔

جب آپ کی عمر ۷۰ برس ہوئی، تو آپ کے شانوں کے درمیان پشت پر زخم نمودار ہوا۔ ایک دن قاضی شمس الاسلام عباسی جو آپ کے والد ماجد کے مرید تھے، عیادت کے لئے حاضر تھے، آپ نے فرمایا:

"قاضی صاحب! بمقتضائے وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ آج آپ سے کہتا ہوں کہ دربارِ نبوت سے استیصال فرقہ وہابیہ کے لئے مامور کیا گیا۔ الحمد للہ! کہ فرقہ باطلہ اسمٰعیلیہ و اسحاقیہ کا رد پورے طور پر ہو چکا، دربارِ نبوت میں میری یہ سعی قبول ہو چکی، میرے دل میں اب کوئی آرزو باقی نہ رہی، میں اس دارِ فانی سے جانے والا ہوں"[1]

---

[1] ماہنامہ پاسبان، امام احمد رضا نمبر، ص ۵۳

آخری دنوں میں کمزوری بہت زیادہ ہوگئی تھی، مگر عبادت و ریاضت اور تہجد کے لئے شب بیداری میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا۔ ۲، جمادی الاخری (۱۲۸۹ھ ۱۸۷۲ء) بروز جمعرات خلف رشید مولانا شاہ محمد عبدالقادر قادری بدایونی کو بُلا کر نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت کی۔ ظہر کے وقت اسمِ ذات کے ذکرِ خفی میں مصروف تھے کہ اچانک دو دفعہ بلند آواز سے اللہ اللہ کہا۔ ایک نور دہن مبارک سے چمکا اور بلند ہوکر غائب ہوگیا اور ساتھ ہی رُوح قفسِ عنصری سے اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کرگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رحلت کے وقت ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ پھر بھی ہزارہا افراد نے جنازہ میں شرکت کی۔ مغرب کے بعد عیدگاہ شمسی میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور شب جمعہ والد ماجد کے روضہ میں مدفون ہوئے۔ [1]

مولوی عبدالسلام سنبھلی نے یہ قطعۂ تاریخ کہا ہے ؎

معدنِ فضلِ الٰہی حضرتِ فضلِ رسول — پیشوائے اہلِ عرفاں سرورِ اہلِ قبول

واقفِ اسرارِ شرع و کاشفِ استارِ دیں — ماہرِ کامل بہر فن از فروعش تا اصول

سطوتِ تقریرِ او بگداخت جانِ منکراں — ہیبتِ تحریرِ او انداخت در کج خول

جامع علم و ولایت دافعِ آثارِ جہل — قامعِ بنیادِ کفر و رافعِ اوجِ قبول

رفت از دنیا و دنیا از غمِ او تیرہ شد — کرد روشن منزلِ اوّل بانوارِ نزول

ایں جہاں را سنگ ماتم بر جبینِ تیرہ ساخت — آں جہاں را گوہرِ مقصود در دستِ وصول

خواستم تاریخِ وصلِ وے نویسم ناگہاں

شد بمن الہام از روحش "انا فضلِ رسول" [2]

(۱۲۸۹ھ)

---

[1] محمد رضی الدین بدایونی؛ تذکرۃ الواصلین، ص ۲۵۴

[2] رحمان علی؛ تذکرہ علمائے ہند، کراچی ص ۳۸۱

مولانا معین الدین نے درج ذیل تاریخِ وصال کہی ہے:

حضرتِ فضلِ رسول نامدار | با فضیلت باکرم با افتخار
کَانَ فِیْ عِلْمٍ وَّ فَضْلٍ کَامِلاً | فضلہ کالشمسِ فی نصف النہار
واقفِ اسرارِ علم و معرفت | مُرشدِ دیں سرِّ حق را رازدار
دو کم از ماہِ جمادی الاخریٰ | راہِ دارِ آخرت کرد اختیار
وقتِ رحلت داشت شغلِ ذکرِ حق | بُود از دم ضربِ اذکار آشکار
ناگہاں آورد با جہرِ تمام | اسمِ ذاتِ پاکِ حق بر لب دوبار
اللہ اللہ گفت و جاں دادہ بحق | کرد بر نامِ خدا جاں را نثار

گشت مفہوم آں زماں از شش جہت
لفظ اللہ از در و دیوار و دار

امام علامہ قطب زمانہ ابو عبداللہ سید محمد بن سلیمان جزولی قدس سرہ

دلائل الخیرات اور صاحبِ دلائل

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور تقدیس و تنزیہ جس طرح حضور نبی اکرم سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان کی، وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ مخلوقِ خدا میں سے کوئی شخصیت اس مقام کو نہیں پہنچی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ اکرم، شفیعِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمتِ شان کا چرچا کرنے کا جو اہتمام کیا ہے، وہ بھی آپ ہی کا خاصہ ہے کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہے۔ آپ کا اسمِ مبارک احمد اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ آپ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی تعریف و ثناء کرنے والے ہیں، جبکہ آپ کا اسمِ گرامی محمد اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ہی وہ ہستی ہیں، جن کی اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ تعریف کی ہے۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الانشراح ۹۴/۴)

" اور ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کیا۔"

کلمۂ طیبہ، اذان، خطبہ، تشہد، غرض جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، اس کے حبیبِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بھی ذکر ہے۔ مولانا جمیل الرحمٰن قادری کہتے ہیں ؎

اذانوں میں خطبوں میں، شادی و غم میں
غرض ذکر ہوتا ہے ہر جا تمہارا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ہمارے پاس جبریل امین تشریف لائے، اور کہنے لگے، میرا اور آپ کا رب فرماتا ہے، آپ جانتے ہیں کہ میں نے آپ کا ذکر

کس طرح بلند کیا؟ اِذَا ذُکِرْتُ ذُکِرْتَ مَعِیَ۔
"جب میرا ذکر کیا جائے گا، تو میرے ساتھ تمہارا ذکر بھی کیا جائے گا۔"[1]

قرآن کریم میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر جمیل کو فروغ دینے کا اہتمام فرمایا کہ اہل ایمان کو آپ پر درود وسلام بھیجنے کا حکم دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ○ (الاحزاب ۳۳/۵۶)

"بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں، اس غیب بتانے والے (نبی) پر، اے ایمان والو ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔"

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر کی رفعت کے لئے درود شریف کے حکم کے علاوہ اور کوئی صورت نہ بھی ہوتی، تو بھی کائنات میں ہر سو آپ کے ذکر کا چرچا ہوتا ہے

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کا ہے سایہ تجھ پر
بول بالا ہے تیرا، ذِکر ہے اُونچا تیرا

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص نے ایک دفعہ مجھ پر درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے اور اس کے دس گناہ معاف فرماتا ہے اور اس کے دس درجے بلند فرماتا ہے۔ (نسائی شریف، مشکوٰۃ شریف)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) میں آپ پر بکثرت درود شریف بھیجتا ہوں،

---

[1] عیاض بن موسیٰ اندلسی، امام قاضی، الشفاء (طبع ملتان) ج ۱، ص ۱۲

میں آپ پر کتنا درود شریف بھیجوں ؟ فرمایا جتنا چاہو۔ عرض کیا (فرائض و واجبات ادا کرنے کے بعد) چوتھائی وقت درود بھیجوں ؟ فرمایا : جتنا چاہو، اگر اس سے زیادہ وقت صرف کرو، تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ عرض کیا : نصف وقت ؟ فرمایا ؛ جیسے تمہاری مرضی، اگر اس سے زیادہ ہو، تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ عرض کیا : دو تہائی وقت ؟ فرمایا : جیسے چاہو، اگر اس سے زیادہ ہو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا : میں تمام وقت آپ پر درود شریف بھیجوں گا، فرمایا : تب تو تمہارے مقاصد پورے کئے جائیں گے اور گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (ترمذی شریف، مشکوٰۃ شریف ص ۸۶)

حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ؛

"دعا زمین و آسمان کے درمیان موقوف رہتی ہے، مقام قبولیت تک نہیں پہنچتی یہاں تک کہ تم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجو" (ترمذی شریف، مشکوٰۃ شریف ص ۸۷)

اللہ تعالیٰ کے حکم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں اہل ایمان و محبت پورے اخلاص و کمال ذوق و شوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود و سلام کے تحفے اور ہدیئے پیش کرتے ہیں اور دنیا و آخرت کی سعادتیں، برکتیں اور نعمتیں حاصل کرتے ہیں۔ درود و سلام پیش کرنے کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہونا چاہیے کہ ہمارے درود و سلام کی بدولت حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مراتب و درجات بلند ہوں، کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا عظیم فضل ہے ؛ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○ (النساء ۴/۱۱۳) آپ کے درجات تو ہر لحظہ رو بترقی ہیں۔ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (الضحیٰ ۹۳/۴) بعد والی حالت آپ کے لئے پہلی حالت سے بہتر ہے، بلکہ مقصد یہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو رحمتیں اور برکتیں

اور فیوض، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وارد ہوتے ہیں۔ آپ کے وسیلہ جلیلہ سے ہم فقیروں اور بے نواؤں پر بھی وارد ہوں اور ہم بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے مستحق ہوں۔

یاد رہے کہ درود و سلام پیش کرنے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ کچھ مخصوص کلمات ہی ادا کئے جائیں۔ ملتِ اسلامیہ کے علماء اور اولیاء مختلف کلمات اور صیغوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حبیبِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ ناز میں عقیدت و محبت کے گلدستے پیش کرتے رہے ہیں، اور قیامت تک پیش کرتے رہیں گے۔

درود شریف کے فضائل پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اسی طرح درود پاک کے مختلف کلمات اور صیغوں کے مجموعے بھی کثیر تعداد میں مرتب کئے گئے ہیں، ان میں سب سے زیادہ جسے مقبولیت حاصل ہوئی، وہ دلائل الخیرات ہے۔ آئندہ سطور میں پہلے صاحب دلائل الخیرات کا مختصر تذکرہ پیش کیا جائے گا، پھر دلائل الخیرات کا تعارف پیش کیا جائے گا۔

صاحب دلائل الخیرات رحمہ اللہ تعالیٰ

امام علامہ قطب زمانہ ابو عبد اللہ سید محمد بن سلیمان جزولی سملالی حسنی رحمہ اللہ تعالیٰ ۸۰۷ھ/۱۴۰۴ء میں[1] بمقام سوس اقصیٰ (مراکش) میں پیدا ہوئے۔ آپ حسنی سادات میں سے تھے اور بربر قوم کے قبیلہ جزولہ کی شاخ سملالہ سے تعلق رکھتے تھے۔ کچھ عرصہ وطن میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد فاس چلے گئے اور مدرسۃ الصفارین میں داخل ہو گئے، جہاں ان کا رہائشی حجرہ آج بھی محفوظ ہے[2] کہتے ہیں کہ انہوں نے فاس ہی میں کتاب مبارک دلائل الخیرات لکھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے جامع قرویین (فاس) کے کتب خانہ کی کتابوں سے استفادہ کرکے یہ کتاب ترتیب دی۔

---

[1] خیر الدین زرکلی: الاعلام (طبع بیروت) ج ۶، ص ۱۵۱

[2] محمد بن شنب: دائرۃ المعارف (پنجاب یونیورسٹی لاہور) ج ۷، ص ۲۲۷

پھر فاس سے ساحل تشریف لائے، تو یکتائے زمانہ شیخ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ امغار الصغیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے اور چودہ سال تک خلوت گزینی اختیار کر کے عبادت و ریاضت اور منازلِ سلوک طے کرنے میں مصروف رہے۔ پھر آسفی میں خلقِ خدا کی رہنمائی اور مریدین کی تربیت کا کام شروع کیا۔ بے شمار لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ آپ کا چرچا دُور دراز تک پہنچا۔ حیرت انگیز خوارق اور بڑی بڑی کرامات ظاہر ہوئیں۔ مُریدین کی تعداد بارہ ہزار سے تجاوز کر گئی۔ [1]

حضرت شیخ، احکامِ الٰہیہ اور رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سُنّت پر سختی سے کاربند تھے، کثرت سے اوراد و وظائف ادا کرتے تھے، عوام الناس کے بے پناہ ہجوم کو خطرہ محسوس کرتے ہوئے حاکمِ وقت نے اُنہیں آسفی سے نکال دیا، چنانچہ آپ آفوغال تشریف لے گئے، اور رُشد و ہدایت کا کام شروع کر دیا۔

علامہ فاسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

آپ کی برکت سے انوار جگمگا اٹھے، اسرار آشکارا ہونے لگے، فقراء ہر طرف پھیل گئے، بلادِ مغرب میں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں صلوٰۃ و سلام کے نغمے گونجنے لگے۔ آپ کی شہرت ہر سو پھیل گئی اور ہر طرف آپ کے مریدین دکھائی دینے لگے۔ بندگانِ خدا اور شہروں کو نئی زندگی مل گئی۔ مغرب میں طریقت کے آثار مٹ چکے تھے اور انوار ماند پڑ چکے تھے۔ آپ نے طریقت کی تجدید فرمائی اور بہت سے مشائخ کو خلافت سے نوازا [2]

حضرت شیخ دعوتِ دین اور رُشد و ہدایت کے لئے اپنے خلفاء کو مختلف شہروں

---

[1] یوسف بن اسمٰعیل نبہانی، علامہ، جامع کرامات الاولیاء (مصطفیٰ البابی مصر) ج ۱، ص ۲۷

[2] محمد مہدی فاسی، علامہ، مطالع المسرات (الطبعۃ التازیۃ) ص ۳

میں بھیجتے تھے، جو اپنے مریدین اور معتقدین کے ہمراہ جگہ جگہ تشریف لے جاتے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت اور ذکرِ الٰہی کی دعوت دیتے۔ آپ کے کثیر التعداد خلفاء سے صرف دو حضرات کے نام ملتے ہیں (۱) شیخ ابو عبداللہ محمد الصغیر السہلی۔
(۲) شیخ ابو محمد عبدالکریم المنذاری رحمہما اللہ تعالیٰ

حضرت شیخ جزولی مذہباً مالکی تھے[۱] انہیں فقہ مالکی کی مشہور کتاب المدونۃ زبانی یاد تھی، طریقۃً شاذلی تھے۔[۲]

آپ کی تصانیف میں درج ذیل کتب کے نام ملتے ہیں؛

۱۔ دلائل الخیرات وشوارق الانوار فی ذکر الصلوٰۃ علی النبی المختار: یہ کتاب سینٹ پیٹربرگ میں ۱۸۴۲ء میں چھپی۔ کئی بار قاہرہ اور قسطنطنیہ میں چھپ چکی ہے۔ (پاک وہند میں بے شمار مرتبہ چھپ چکی ہے)

۲۔ حزب الفلاح: بابرکت دعا، اس کا مخطوطہ برلن (۳۸۸۶) گوتھا (عدد ۸۲۰) اور لائڈن (عدد ۲۲۰۰۳) میں موجود ہے۔

۳۔ حزب الجزولی، جو آجکل حزب سبحان الدائم لایزول کہلاتی ہے اور شاذلیوں میں متداول ہے اور مقامی زبان میں ہے۔[۳]

آسفی کے حاکم نے یہ خیال کرکے کہ یہ وہی فاطمی ہیں، جن کا انتظار کیا جارہا ہے، یعنی امام مہدی ہیں، آپ کو زہر دے دیا۔[۴] چنانچہ ۱۶ ربیع الاول ۸۷۰ھ/۱۴۶۵ء کو آفرغال میں صبح کی نماز کی پہلی رکعت کے دوسرے سجدے یا دوسری رکعت کے پہلے

---

[۱] اسماعیل باشا بغدادی: ہدیۃ العارفین (مکتبۃ المثنیٰ، بغداد) ج ۲، ص ۲۰۴
[۲] خیرالدین زرکلی: اعلام (طبع بیروت) ج ۶، ص ۱۵۱
[۳] محمد بن شنب: دائرۃ المعارف (پنجاب یونیورسٹی، لاہور) ج ۷، ص ۲۲۸
[۴] ایضاً: ج ۷، ص ۲۲۸

سجدے میں آپ کا وصال ہوا۔ اسی دن نماز ظہر کے وقت آپ کی تعمیر کردہ مسجد کے وسط میں آپ کو دفن کیا گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ورضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔ کہتے ہیں کہ آپ کی اولاد نہیں تھی۔ [1]

آپ کے وصال کے ۷۷ سال بعد سلطان ابوالعباس احمد المعروف بالاعرج مراکش میں داخل ہوا، تو اُس نے آپ کے جسدِ مبارک کو لے جا کر مراکش کے قبرستان ریاض العروس میں دفن کیا اور اس پر گنبد تعمیر کیا، یہ مقبرہ آج بھی موجود ہے [2]

جب آپ کا جسدِ خاکی نکالا گیا، تو طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ وصال سے پہلے آپ نے حجامت بنوائی تھی، اس کا اثر بدستور موجود تھا۔ ایک شخص نے آپ کے چہرے پر انگلی رکھی، تو اُس کی حیرت کی انتہا رہی، اس جگہ سے خون ہٹ گیا اور جب انگلی اٹھائی، تو پھر اپنی جگہ لوٹ آیا جیسے کہ زندوں میں ہوتا ہے۔ مراکش میں آپ کے مزارِ اقدس پر عظیم ہیبت وجلالت پائی جاتی ہے۔ لوگ بڑی تعداد میں حاضر ہوتے ہیں اور دلائل الخیرات پڑھتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بکثرت درود وسلام پیش کرنے کی برکت سے آپ کی قبرِ انور سے کستوری کی خوشبو آتی ہے۔

دلائل الخیرات

اس کتاب کا پورا نام ہے "دلائل الخیرات وشوارق الانوار فی ذکر الصلوٰۃ علی النبی المختار" حاجی خلیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں،

یہ کتاب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود وسلام پر

---

[1] محمد مہدی الفاسی، علامہ: مطالع المسرات، ص ۳

[2] محمد بن شنب: دائرۃ المعارف پنجاب یونیورسٹی لاہور، ج ۹، ص ۲۲۵

مشتمل ہے اور (آیَۃٌ مِّنْ آیَاتِ اللّٰہِ) اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ مشرق و مغرب اور خاص طور پر روم کے شہروں میں باقاعدگی سے پڑھی جاتی ہے۔ [1]

علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمہ اللہ تعالیٰ، مطالع المسرات کے حوالے سے شیخ جزولی رحمہ اللہ تعالیٰ کا تذکرہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں،

"ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ جزولی اکابر اولیاء اللہ میں سے تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اسی لئے سیدنا محمد حبیب مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مقام و مرتبہ کی طرح، ہر علاقے اور ہر زمانے میں امتِ محمدیہ، ان کی اس کتاب، دلائل الخیرات کی طرف متوجہ اور متفق ہے۔ [2]

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ میں نے درود شریف کے موضوع پر کئی کتابیں لکھی ہیں، تاہم:

بہت ہی ضروری ایک کام رہ گیا اور وہ ہے دلائل الخیرات کی خدمت، کیونکہ یہ کتاب درود شریف کے موضوع پر بہت ہی مشہور اور کثیر الاشاعت ہے، اس کی ترتیب بہت عمدہ اور اس کا نفع بہت عظیم ہے۔

حضرت مصنف کے زمانے سے لے کر آج تک بڑے بڑے علماء نے اس کی شرحیں اور حواشی لکھے ہیں، خصوصاً امام فاسی نے کئی جلدوں میں اس کی شرح لکھی۔ پھر ایک ہی جلد میں اس کی تلخیص کی، جو چھپ چکی ہے۔ [3]

---

[1] محمد مہدی الفاسی، علامہ: مطالع المسرات ص ۴

[2] یوسف بن اسمٰعیل نبہانی، علامہ: الدلالات الواضحات (مصطفیٰ البابی مصر، طبع ثانیہ) ص ۲۲

[3] ایضاً، ص ۴

سببِ تالیف

عارف باللہ شیخ احمد صاوی مصری نے صلوات الشیخ الدردیر کی شرح میں بیان کیا اور علامہ نبہانی کے شیخ، علامہ حسن عدوی نے دلائل الخیرات کے حاشیہ میں اسے نقل کیا کہ امام جزولی نے فاس میں دلائل الخیرات لکھی۔ اس تالیف کا سبب یہ ہوا کہ ایک دن نماز کا وقت ہوگیا، امام جزولی وضو کرنے کے لئے اٹھے تو کنوئیں سے پانی نکالنے کے لئے کوئی چیز میسر نہ تھی۔ شیخ پریشان تھے کہ کیا کریں؟ اتنے میں ایک بلند مکان سے بچی نے دیکھا تو کہنے لگی: آپ وہی شخصیت ہیں جن کی نیکی کی بڑی تعریف کی جاتی ہے، اس کے باوجود آپ پریشان ہیں کہ کنوئیں سے پانی کس چیز کے ذریعے نکالیں۔ اس لڑکی نے کنوئیں میں تھوک دیا۔ کنوئیں کا پانی ابل کر باہر آگیا اور زمین پر بہنے لگا۔ شیخ نے وضو کرنے کے بعد اُسے کہا کہ میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم نے یہ مرتبہ کیسے حاصل کیا؟ اُس نے کہا:

بِكَثْرَةِ الصَّلَاةِ عَلٰى مَنْ كَانَ اِذَا مَشٰى فِى الْبَرِّ
الْاَقْفَرِ تَعَلَّقَتِ الْوُحُوْشُ بِاَذْيَالِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [1]

اس ذاتِ اقدس پر کثرت سے درود بھیجنے کی بدولت جو جنگل میں چلتے تو وحشی جانور ان کے دامن سے لپٹ جاتے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یہ سُن کر شیخ نے قسم کھائی کہ میں دربارِ رسالت میں پیش کرنے کے لئے درود و سلام کی کتاب ضرور لکھوں گا۔

مشائخ عظام نہ صرف دلائل الخیرات کو بطورِ ورد پڑھتے رہے ہیں، بلکہ اپنے مشائخ سے باقاعدہ اجازت بھی حاصل کرتے رہے ہیں۔ علامہ نبہانی کے شیخ، علامہ حسن عدوی مصری اپنے حاشیہ بلوغ المسرات علیٰ دلائل الخیرات میں فرماتے ہیں کہ اس کتاب کی فضیلت و شرافت

---

[1] یوسف بن اسمٰعیل نبہانی، علامہ: الدلالات الواضحات ص ۱۰

کے لئے یہ امر کافی ہے کہ اس کی مقبولیت اور افادیت حیرت انگیز ہے اور بعض عارفین نے اسے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حاصل کیا ہے۔ چنانچہ سیدی محمد مغربی تلسانی اور سیدی محمد اندلسی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دلائل الخیرات حاصل کی۔[۱]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دلائل الخیرات کی سند حضرت شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم کردی رحمہ اللہ تعالیٰ سے حاصل کی۔[۲]

حرمین شریفین میں علمی اور عملی کمالات کے جامع ایسے حضرات ہوتے ہیں جو نہ صرف دلائل الخیرات کے باقاعدہ عامل ہوتے تھے، بلکہ اہلِ محبت و معرفت ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے نسخوں کی تصحیح کرتے تھے اور ان سے اجازت بھی لیتے تھے، ایسے حضرات شیخ الدلائل کے محترم لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔

مولانا علامہ عبد الحی لکھنوی قدس سرہٗ ۱۲۸۱ھ میں دلائل کی تصحیح کے لئے مدینہ منورہ میں شیخ الدلائل علی بن یوسف ملک الباشلی الحریری المدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔[۳]

علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی قدس سرہ نے ۱۳۲۲ھ میں مسجدِ نبوی کے امام شیخ الدلائل سید محمد سعید مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ کو تین نشستوں میں باریک بینی سے دلائل الخیرات پڑھ کر سنائی اور تحریری اجازت حاصل کی۔[۴]

شیخ الدلائل مولانا عبد الحق الہ آبادی مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۲۸۲ھ میں حرمین شریفین

---

[۱] یوسف بن اسمٰعیل نبہانی، علامہ: الدلالات الواضحات ص ۸-۷

[۲] احمد بن عبد الرحیم، شاہ ولی اللہ: الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ (طبع فیصل آباد) ص ۱۶۴

[۳] عبد الحی لکھنوی، علامہ: نفع المفتی والسائل (مجتبائی، لاہور) ص ۱۱۷

[۴] یوسف بن اسمٰعیل نبہانی، علامہ: الدلالات الواضحات، ص ۵

پہنچے اور پچاس سال تک طالبانِ علم و عرفان کو سیراب کرتے رہے۔ [1]

۱۳۲۳ھ میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی حرمین شریفین حاضر ہوئے تو شیخ الدلائل سیّد امین ابن رضوان قدس سرہ سے اجازت و خلافت حاصل کی۔ [2]

۱۳۲۴ھ میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو شیخ الدلائل سید محمد سعید ابن علامہ سید محمد مغربی قدس سرہما نے آپ سے حدیث مسلسل بالاولیۃ سُنی اور ان تمام علوم و فنون اور سلاسل کی اجازت و خلافت حاصل کی جن کی امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کو اپنے مشائخ سے اجازت حاصل تھی۔ [3] یاد رہے کہ یہی وہ شیخ الدلائل ہیں جن سے علامہ نبہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۱۳۲۲ھ میں دلائل الخیرات کی اجازت حاصل کی تھی جیسے کہ چند سطور پہلے ذکر ہوا۔

نسخوں کا اختلاف

امام جزولی رحمہ اللہ تعالیٰ دلائل الخیرات کی تالیف کے بعد مسلسل نظر و فکر کرتے رہے، جونہی انہیں کوئی لفظ بہتر نظر آیا، انہوں نے پہلے لفظ کی جگہ وہ لکھ دیا، چونکہ لوگ کثرت سے نقلیں حاصل کیا کرتے تھے۔ کسی نے تبدیلی سے پہلے نقل حاصل کی اور کسی نے بعد میں، اس دلائل کے نسخے مختلف ہو گئے۔ تاہم معاملہ آسان ہے۔ ایک نسخہ بہتر ہے، تو دوسرا بہترین ہے۔ تاہم سب سے زیادہ قابلِ اعتماد نسخہ مصنّف رحمہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر خلیفہ ابو عبداللہ محمد الصغیر السہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے، جو حضرت مصنّف کے وصال سے آٹھ سال پہلے ۶ ربیع الاول ۸۶۲ھ/۱۴۵۸ء بروز جمعہ شریف مکمل ہوا، اور

---

[1] محمود احمد قادری، مولانا شاہ: تذکرہ علمائے اہل سنت (سُنی دار الاشاعت، فیصل آباد) ص ۱۷۵

[2] ایضاً: ص ۱۷۳

[3] احمد رضا خاں بریلوی، امام: الاجازات المتینۃ، رسائل رضویہ (طبع لاہور)، ج ا ص ۴۴۳

[4] محمد المہدی الفاسی، علامہ: مطالع المسرات ص ۱۰، ۹

اس پر حضرت مصنف کے دستخط بھی تھے[1] علامہ فاسی اس نسخے کا حوالہ دیتے ہوئے العتیقہ (قدیمہ) السہلیہ اور کبھی المعتمدہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

شروح

دلائل الخیرات کی کئی شرحیں اور حواشی لکھے گئے ہیں، لیکن بقول حاجی خلیفہ علیہ الرحمہ معتبر ترین شرح علامہ فاسی کی ہے[2] چند شروح اور حواشی کے نام درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ مطالع المسرات: فاس، مراکش کے رہنے والے امام علامہ محمد المہدی الفاسی (م ۱۰۵۲ھ) نے پہلے کئی جلدوں میں عربی شرح لکھی، پھر ایک جلد میں اس کا اختصار کیا۔ راقم نے اس کا اُردو ترجمہ شروع کیا تھا، نصف تک پہنچا تھا کہ اشعۃ اللمعات کے ترجمہ کا کام ذمے لگ گیا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کاموں کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

۲۔ بلوغ المسرات علیٰ دلائل الخیرات: علامہ نبہانی کے شیخ، علامہ حسن عدوی مصری (رحمہما اللہ تعالیٰ) کا حاشیہ[3] بزبانِ عربی۔

۳۔ شرح شیخ زروق مغربی رحمہ اللہ تعالیٰ، عربی[4]

۴۔ مزرع الحسنات (فارسی)

۵۔ الدلالات الواضحات: علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی سابق رئیس محکمۃ الحقوق، بیروت نے دلائل پر مختصر حاشیہ لکھا ہے، جس میں مشکل الفاظ کے معانی اور نسخوں کا اختلاف بیان کیا ہے۔ ابتداء میں پندرہ فوائد پر مشتمل بہت ہی مفید مقدمہ لکھا ہے۔ آخر میں

---

[1] یوسف بن اسمٰعیل نبہانی، علامہ: الدلالات الواضحات ص ۱۲

[2] حاجی خلیفہ: کشف الظنون ج ۱، ص ۷۶۰

[3] یوسف بن اسمٰعیل نبہانی، علامہ: الدلالات الواضحات ص ۷

[4] عطاء الرحمٰن شروانی ابتدائیہ دلائل الخیرات (مدینہ بک ڈپو، دہلی) ص ۲

ایمان افروز اکانوے خوابیں بیان کی ہیں اور سب سے آخر میں حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ مبارکہ قواعد العقائد بھی نقل کر دیا ہے۔

پاک و ہند میں اس کے کئی تراجم بزبان اُردو چھپے ہوتے ہیں۔ راقم نے بھی دلائل الخیرات کا اُردو ترجمہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لُطف وکرم سے امید ہے کہ اس مقدمہ کے ساتھ شائع ہو جائے گا۔ فقیر کو مُرشدِ کریم مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ ابو البرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ اور جانشین مفتیٔ اعظم مولانا اختر رضا خاں ازہری مدظلہ العالی نے دلائل الخیرات کی اجازت عطا فرمائی تھی، اللہ تعالیٰ مجھے باقاعدگی کے ساتھ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ترتیبِ کتاب اور پڑھنے کا طریقہ

امام جزولی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بسم اللہ شریف اور خطبہ کے بعد مقصدِ تالیف ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"اس کتاب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پاک اور اُس کے فضائل کا بیان کرنا مقصود ہے۔ ہم انہیں سندوں کا ذکر کئے بغیر بیان کریں گے تاکہ پڑھنے والے کے لئے یاد کرنا آسان ہو، اللہ تعالیٰ کا قرب چاہنے والے کے لئے یہ اہم ترین مقاصد میں سے ہیں"

اس کے بعد ایک فصل میں درود پاک کے فضائل بیان کئے ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں، کچھ فضائل اس مقالے کی ابتداء میں بیان کئے گئے ہیں۔

اسی فصل کے آخر میں امام جزولی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ جو حضرات آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہیں اور جو آپ کے بعد آئیں گے، وہ آپ کی بارگاہ میں درود شریف پیش کریں گے تو آپ کے ہاں اُن کا کیا حال ہوگا؟ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

اَسْمَعُ صَلَاۃَ اَھْلِ مَحَبَّتِیْ وَاَعْرِفُھُمْ وَتُعْرَضُ عَلَیَّ صَلَاۃُ غَیْرِھِمْ عَرْضًا۔

"ہم اپنی محبت والوں کا درود شریف سنتے ہیں اور انہیں پہچانتے ہیں اور دُوسروں کا درود شریف ہم پر پیش کیا جاتا ہے۔

اللہ اللہ! کیا خوش قسمتی ہے، ان محبین کی جن کا درود پاک سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنفسِ نفیس سماعت فرماتے ہیں، اگر وہ اس مقصد کے لئے اپنا سب کچھ بھی لٹا دیں تو بیچ ہے۔ حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

جاں می دہم در آرزو، اے قاصد آخر باز گو
در مجلسِ آں نازنیں حرفے کہ از ما می رسد

میں اس آرزو میں جان دیتا ہوں، اے قاصد! ہمیں اتنا تو بتا دے کہ اس بارگاہِ ناز میں ہماری کونسی بات پہنچتی ہے۔

اس کے بعد امام جزولی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دوسو ایک اسماءِ مبارکہ بیان کئے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ہر اسم مبارک سے پہلے سیدنا کا اضافہ کیا جائے اور ہر اسم مبارک کے ساتھ درود شریف پڑھا جائے۔ اس مسئلے پر علامہ نبہانی نے الدلالات الواضحات میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔

علامہ شیخ ابو عمران زناتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تلاش اور جستجو کے بعد دو سو ایک اسماءِ مبارکہ جمع کئے۔ وہی اسماءِ مبارکہ اسی ترتیب کے ساتھ حضرت فاضل مصنف نے نقل کر دیئے ہیں۔ یہ مبارک نام پوری کتاب میں متفرق مقامات پر مذکور ہیں، ابتداء میں یکجا ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت و جلالت کا پتا چلے، آپ کی محبت و تعظیم کو جلا ملے اور بارگاہِ رسالت میں بکثرت درود شریف پیش کرنے کا شوق پیدا ہو۔ امام سخاوی نے القول البدیع

میں ساڑھے چار سو سے زیادہ، امام سیوطی نے، تقریباً پانچ سو، امام زرقانی نے شرح مواہب میں آٹھ سو سے زیادہ اور علامہ نبہانی نے ایک قصیدے میں آٹھ سو تیس اسماء شریفہ بیان کئے ہیں[1]۔ جزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء، ورحمہم اللہ تعالیٰ۔

اسماء مبارکہ کے بعد بیت اللہ شریف اور روضۂ مبارکہ کی تصویر ہے تاکہ ان کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور اُن کا تصور نظروں میں جمایا جا سکے۔

اس کے بعد کتاب آٹھ حصوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ ہر حصے کو حزب کا نام دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے، تو ہر روز پوری دلائل الخیرات پڑھی جائے، نہیں تو دو دن یا چار دن میں پڑھی جائے۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو ہفتے میں مکمل کی جائے۔ پیر کے دن فَصْلُ كَيْفِيَّةِ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے شروع کی جائے، آئندہ پیر کو آٹھواں حزب پڑھ کر اسی دن پہلا حزب پڑھا جائے۔ درود شریف کے فضائل اور اسماء مبارکہ ہر روز پڑھے جائیں، تو بہتر، ورنہ کبھی کبھی پڑھ لیں تاکہ ذوق و شوق میں ترقی ہو۔

آداب

بندۂ مومن کے لئے اللہ تعالیٰ کے فرائض و واجبات، تلاوت قرآن کریم، ذکر الٰہی اور اتباعِ سنت کے بعد سب سے زیادہ اہم وظیفہ درود پاک ہے، جس کے دُنیاوی اور اُخروی بے شمار فوائد ہیں۔ دلائل الخیرات کی برکتیں حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان، اللہ تعالیٰ کے احکام بجالائے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل پیرا ہو، بندوں کے حقوق ادا کرے، مسواک کے ساتھ وضو کرے، پاک صاف کپڑے پہنے، خوشبو لگائے، قبلہ رُخ بیٹھ کر پورے

---

[1] یوسف بن اسمٰعیل نبہانی، علامہ: الدلالات الواضحات ص ۱۵-۱۶

درمیان اور اخلاص کے ساتھ دلائل شریف پڑھے۔

دلائل الخیرات کے بعض قدیم نسخوں میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں درود شریف پیش کرنے والے کا مقصد، اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق، آپ کی محبت، آپ کے دیدار کا شوق اور آپ کے عظیم مرتبہ کی تعظیم ہونا چاہیے اور یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ آپ ان تمام امور کے مستحق ہیں۔[1]

درود شریف کا فائدہ صرف پڑھنے والے کو ملتا ہے یا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی فائدہ ہوتا ہے؟ اس بارے میں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرت علامہ عبدالرحمٰن بن محمد الفاسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں بڑی عمدہ بات کہی ہے، وہ فرماتے ہیں؛

> ادب یہ ہے کہ انسان یہ ارادہ کرے کہ صرف مجھے ہی فائدہ ملے، جہاں تک اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا تعلق ہے تو اس کی کوئی حد نہیں ہے[2]
> (اس طرح علماء کے اقوال میں اختلاف نہیں رہے گا۔)

شیخ محقق، برکۃ المصطفےٰ فی الہند، شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں؛

> اگر تمہیں خواب میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی ہے، تو درود پاک پڑھتے وقت آپ کی بے مثل صورتِ مقدسہ کا تصور کرو اور اگر یہ سعادت حاصل نہیں ہے تو یہ تصور کرو کہ گویا حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی حیاتِ ظاہرہ میں تشریف فرما ہیں، اور میں تمام تر تعظیم و اجلال، ہیبت اور حیاء کے ساتھ آپ کی زیارت

---

[1] محمد المہدی الفاسی، علامہ: مطالع المسرات ص ۵۵؛

[2] ایضاً، ص ۵۵،

کرتے ہوئے درود شریف پیش کر رہا ہوں۔

یاد رہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیکھ رہے ہیں، اور تمہارا کلام سُن رہے ہیں، کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ موصوف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یہ ہے کہ اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ (جو میرا ذکر کرتا ہے، میں اُس کے قریب ہوتا ہوں) حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے اِس صفت سے کامل حصہ ہے۔

اور اگر یہ کیفیت بھی پیدا نہیں ہوتی اور تم نے روضۂ مبارکہ کی زیارت کی ہوتی ہے، تو اس کا تصور کر کے یہ خیال کرو کہ میں حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سینۂ اقدس کے سامنے کھڑا ہوں، اور اگر روضۂ شریفہ کی زیارت بھی نہیں کی، تو اُس تصور کے ساتھ ہمیشہ درود پڑھتے رہو کہ آپ سُن رہے ہیں اور پورے حضورِ قلب کے ساتھ درود شریف پڑھو، کیونکہ حضورِ قلب کے بغیر عمل کی وہ حیثیت ہے، جو بے رُوح جسم کی ہوتی ہے۔ (ملخصاً) [1]

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اور اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سچی محبت، اطاعت اور یاد کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری دین و دُنیا کی حاجتیں بر لائے۔ آمین!

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: مدارج النبوۃ فارسی (طبع سکھر) ج ۲، ص ۶۲۱-۶۲۲

شیخ الاسلام والمسلمین خواجہ محمد قمر الدین سیالوی

قُدِّسَ سِرُّہُ العزیز

عوام الناس کی منطق اور سوچ بھی عجیب و غریب ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک علماء دین اور اولیاء کرام ایک دوسرے سے جُدا اور الگ الگ ہوتے ہیں ـــــ عالمِ دین ولی نہیں ہوتا اور ولی علمِ دین سے بے بہرہ ہوتا ہے، یہ فکر کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ صحیح معنوں میں عالم دین وہی ہے جو علمِ دین کے ساتھ ساتھ زیورِ عمل سے بھی آراستہ ہو، اسی طرح علمِ دین کے بغیر کوئی شخص مقامِ ولایت پر فائز نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ اُس نے مروجہ طریقے سے علم پڑھا ہو، کیونکہ علم اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ جس پر کرم کر دے، اس کا سینہ علوم کا گنجینہ بن جاتا ہے۔ علم دین کے بغیر عبادت و ریاضت انجام دینے والا شخص شیطان کے ہاتھوں میں کھلونے کی حیثیت رکھتا ہے، وہ اسے جدھر چاہتا ہے اُلٹ پلٹ دیتا ہے۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر علماء محدثین، اللہ تعالیٰ کے ولی نہیں ہیں، تو میں نہیں جانتا کہ ولی کون ہے؟

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی قدس سرہ نہ صرف یہ کہ ایک علمی اور رُوحانی خانوادے کے فرد تھے، بلکہ شخصی طور پر اتنی عظمتوں کے جامع تھے کہ طبقہ علماء میں متبحر اور ممتاز فاضل شمار کئے جاتے تھے اور زمرۂ مشائخ میں جانِ محفل ہوا کرتے تھے۔ آپ کے والد ماجد حضرت خواجہ ضیاء الدین قدس سرہ جلیل القدر فاضل، مجاہدِ اسلام اور پیکرِ حریت و شجاعت تھے، تمام عمر آزادیٔ وطن کی خاطر انگریز حکومت سے برسرِ پیکار رہے اور تا زیست اپنی زمینوں کا لگان استعماری حکومت

کو ادا نہیں کیا۔ آپ کے جدِ امجد حضرت خواجہ محمد دین قدس سرہ مشائخ چشت اور اپنے والد ماجد کے صحیح جانشین، اوصافِ مشائخ کے جامع اور حد درجہ زیرک تھے اور آپ کے جدِ اعلیٰ، حضرت شمس العارفین خواجہ شمس الدین سیالوی قدس سرہ متقدمین مشائخ کی سچی یادگار اور پیر پٹھان حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہ کے خلیفۂ اجل تھے۔ جن کے خلفاء میں حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور حضرت خواجہ پیر حیدر شاہ جلالپوری قدس سرہما ایسے آسمانِ شریعت و طریقت کے نیرِ تاباں شامل تھے۔

حضرت شیخ الاسلام سیالوی کی ولادت باسعادت ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں سیال شریف ضلع سرگودھا میں ہوئی، حسنِ اتفاق سے اسی سال مسلم لیگ قائم کی گئی۔ سیال شریف سے تین میل جنوب کی طرف واقع قصبہ لوہلا کے حافظ کریم بخش رحمہ اللہ تعالیٰ سے قرآن پاک حفظ کیا۔ خداداد صلاحیتوں کا یہ عالم کہ نو سال کی عمر میں پورا قرآن پاک یاد کر لیا۔ فارسی اور عربی فنون کی کتابیں مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔ مولانا محمد حسین، ماڑی سخیرہ ضلع جھنگ (تلمیذ علامۃ العصر مولانا معین الدین اجمیری علیہ الرحمہ) مولانا جان محمد نظام آباد، ضلع سرگودھا، مولانا حفیظ اللہ، قصبہ محمد پورہ، مظفر گڑھ۔ مولانا محمد مٹھا، ڈیرہ غازی خاں۔ مولانا قمر الدین بستی جھدڑہ، میانوالی ـــ مولانا غلام مرتضیٰ قریشی، میانوالی۔ مولانا سلطان محمود، ٹھٹھی، میانوالی۔ یہ تمام اساتذہ دار العلوم ضیاء شمس الاسلام، سیال شریف میں مسندِ تدریس کی زینت رہے فنونِ عالیہ کی کچھ کتابیں مولانا محمد دین بدھوی سے پڑھیں۔ معانی اور بیان کی کچھ کتابیں اور ترمذی شریف ۱۹۲۷ء مولانا سلطان اعظم (چھچھ شریف) سے پڑھیں۔ اس وقت منطق و فلسفہ میں علامۃ العصر مولانا معین الدین اجمیری کا بڑا چرچا تھا۔ ان سے استفادہ کے لئے مدرسہ صوفیہ اجمیر شریف تشریف لے گئے ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے کہ حضرت خواجہ ضیاء الدین قدس سرہ کی دعوت پر علامہ اجمیری

سیال شریف تشریف لے آئے۔ چنانچہ آپ نے دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام میں ان سے منطق و فلسفہ اور ریاضی کی منتہی کتابیں پڑھیں اور صحاح ستہ کا درس لے کر ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء میں سند فراغت حاصل کی۔ اسی سال علامہ اجمیری، واپس اجمیر شریف چلے گئے [1]

حضرت شیخ الاسلام کی ذکاوت اور لطافتِ طبع کا ایک واقعہ مولانا عبدالشاہد خاں شروانی نے راقم کے نام تحریر کردہ مکتوب میں بیان کیا۔ علامہ اجمیری عینک استعمال کرتے تھے۔ ایک دن اتار کر زمین پر رکھ دیا۔ بوقتِ ضرورت تلاش کرتے ہوئے فرمایا: عینک؟ (یعنی عینک کہاں ہے؟) حضرت نے برجستہ فرمایا:

فِیْ مَا بَیْنِیْ وَ بَیْنَکَ (میرے اور آپ کے درمیان رکھی ہوئی ہے)

اس جواب سے علامہ اجمیری بہت محظوظ ہوتے اور بعد میں کئی دفعہ احباب کو یہ لطیفہ سنایا۔

۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۸ء میں حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوتے۔ مدینہ طیبہ میں اندلس کے قاضی شیخ ابوبکر البنانی نے ایک ملاقات میں آپ کو سندِ حدیث عطا فرمائی۔ اسی طرح مکہ مکرمہ میں مدرسہ صولتیہ کے شیخ الحدیث علامہ عمر و حمدان المکی نے بھی سندِ حدیث عنایت کی۔ [2]

حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی کے وصال کے بعد آپ نے آستانہ عالیہ سیال شریف کی مسندِ سجادگی کو رونق بخشی اور پیر سیال کی جانشینی کا حق ادا کر دیا۔ ہزاروں گم کردہ راہ آپ کی روحانی توجہ کی بدولت راہِ راست پر آگئے۔ بے حال نصیبوں نے دولتِ سکون حاصل کی۔ ان گنت نفوس آپ کے انفاسِ طیبہ کی بدولت

---

[1] غلام مہر علی، مولانا: الیواقیت المہریہ، ص ۱۳-۱۲

[2] ایضاً، ص ۱۳

اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے انوار سے جگمگا اُٹھے۔ سیدھے سادے مسلمانوں کے ایمان اور خوش عقیدگی کے تحفظ کی خاطر فرق باطلہ کی تردید میں سینہ سپر رہے، ان سے مناظرے کئے اور ان کے شکوک و شبہات کے مسکت اور شافی جوابات دیئے۔

انگریز بڑا شاطر تھا، اسے معلوم تھا کہ آستانہ عالیہ سیال شریف تحریک آزادی کا اہم ترین مرکز ہے۔ اس مرکز کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے آپ کے لئے ہز ہولی نس کا خطاب منظور کیا گیا۔ سلطنتِ برطانیہ کی طرف سے دیا جانے والا یہ سب سے بڑا مذہبی اعزاز تھا۔ یہ چٹھی جب آپ کو ملی، تو آپ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سُنّت پر عمل کرتے ہوئے اسے پُرزے پُرزے کر کے نذرِ آتش کر دیا اور جلال کے عالم میں فرمایا:

> حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی اور پیر پٹھان حضرت شاہ سُلیمان تونسوی سے وابستگی میرے لئے سب سے بڑا اعزاز ہے اس کے ہوتے ہوئے دُنیا کا ہر اعزاز میری نظروں میں ہیچ ہے۔ [1]

غلام نبی شیخ میرِ کارواں میں لکھتے ہیں:

حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ آلو مہاروی (رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں:

> ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں ایک شخص کو جمعیت کی ٹکٹ پر کھڑا ہونا تھا، جو سرمایہ دار طبقہ سے تعلق رکھتا تھا، اس نے جب حضرت خواجہ سے اس خواہش کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: یہ سیٹ تو ہم نے ایک دینی عالم کو دے دی ہے۔ چنانچہ وہ ناکام چلا گیا، لیکن کچھ دنوں بعد تین لاکھ کی خطیر رقم کا ایک چیک لایا اور کہنے لگا، حضرت اسے قبول

---

[1] محمد اکرم رضا، پروفیسر: حیات شیخ الاسلام (مکتبہ چشتیہ قادریہ، گوجرانوالہ) ص ۲۴

فرمالیں، لنگر کے خرچ آئے گا۔ یہ سن کر آپ طیش میں آگئے اور انتہائی جلال کے عالم میں فرمایا:

یہ لے جا —— یہ بوٹی کسی دُنیا کے کُتے کے آگے ڈال دینا۔

اس دن مجھے شیخ الاسلام کی عظمت کا احساس ہوا۔ [1]

حضرت شیخ الاسلام اپنی گوناگوں مصروفیات کے سبب باقاعدہ تدریس نہیں فرما سکے، لیکن حافظہ اس غضب کا تھا کہ سالہا سال پہلے پڑھی ہوئی کتابوں کے مضامین آپ کے پیشِ نظر رہتے تھے۔ آپ کے استادِ محترم علامۃ العصر مولانا معین الدین اجمیری نے ایک دفعہ آستانہ عالیہ اجمیر شریف کے سجادہ نشین سے فرمایا، حضرت صاحبزادہ محمد قمر الدین آیۃٌ مِن آیات اللہ ہیں، مگر افسوس کہ وہ پڑھا نہیں سکیں گے۔ [2]

ایک دوست نے بیان کیا کہ میں جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں سلم العلوم وغیرہ کتابیں پڑھا کرتا تھا۔ سیال شریف حاضر ہوا، تو حضرت شیخ الاسلام نے پوچھا کیا پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا، تو آپ نے فرمایا، مناطقہ کے نزدیک اداۃ اور کلمہ (حرف اور فعل) مسند الیہ واقع نہیں ہو سکتے۔ حالانکہ مِنْ حَرْفُ جَرٍّ اور ضَرَبَ فِعْلٌ مَاضٍ میں دونوں مسند الیہ واقع ہیں، اس کا کیا جواب ہے؟ طالب علموں کے شوق و ذوق میں اضافے کے لئے عموماً اس قسم کے سوالات پوچھ لیا کرتے تھے۔

عربی، فارسی، اردو اور پنجابی کے علاوہ پشتو میں بھی بلا تکلف گفتگو فرماتے تھے۔ انشاء عربی پر آپ کی قدرتِ کاملہ کا اعتراف غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

---

[1] غلام نبی شیخ: میرِ کارواں، ص ۵۴

[2] محمد اشرف سیالوی، شیخ الحدیث: ضیائے حرم (ستمبر ۱۹۸۱ء) ص ۴۷

عربی میں کمال درجہ کا شغف رکھتے تھے، بلا تکلف عربی زبان میں مضمون لکھنے کی مہارت تامہ آپ کو حاصل تھی۔ [1]

حضرت شیخ الاسلام پیر تھے، لیکن عام پیروں سے قطعاً مختلف تھے اُن کے نزدیک مشیخت کا یہ تصور نہیں تھا کہ نماز روزہ ادا کرو اور تسبیح کے دانوں کو گردش دیتے رہو، ان کے نزدیک شیخ اور پیر کا مقام یہ تھا کہ وہ قوم کی دینی، عملی، اخلاقی اور سیاسی راہنمائی کا فریضہ انجام دے بقولِ اقبال ؒ

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری

جب بھی قوم کو، کوئی مذہبی یا ملی مسئلہ درپیش ہوا، آپ نے ہر موڑ پر قائدانہ انداز میں راہنمائی فرمائی۔ تحریک پاکستان میں آپ نے بڑا وقیع اور موثر کردار ادا کیا ضلع سرگودھا کے بڑے بڑے با اثر جاگیردار انگریزی حکومت کے حامی اور وفادار تھے۔ دوسری طرف آستانہ عالیہ سیال شریف کے ساتھ عقیدت و نیاز کے گہرے مراسم بھی رکھتے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام نہ تو اُن کے اثر و رسوخ کو خاطر میں لائے اور نہ ہی اُن کے تعلقات کی پروا کی بلکہ علی الاعلان تحریک پاکستان کی حمایت کی اور اپنے لاکھوں مریدین اور نیازمندوں کو حکم دیا کہ مسلم لیگ کی حمایت کریں۔ جب سول نافرمانی کا آغاز ہوا، تو آپ اس وقت مسلم لیگ ضلع سرگودھا کے صدر تھے۔ سیاستدانوں کی یہ رائے تھی کہ یہ تحریک اس ضلع میں کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ حضرت نے بنفسِ نفیس اس تحریک میں شرکت کی اور اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا، تو آپ کے مریدین اور نیازمندوں کا جوش و خروش دیکھنے کے قابل تھا، وہ قطار اندر قطار پولیس کے آگے سینہ سپر ہو گئے اور اپنے مقدس خون سے ارضِ سرگودھا کو رنگین کر دیا۔ [2]

---

[1] سید احمد سعید کاظمی، علامہ: ضیائے حرم (ستمبر ۱۹۸۱ء) ص ۱۰۴

[2] محمد اکرم رضا، پروفیسر: حیات شیخ الاسلام، ص ۲۸

عوام کے بڑھتے ہوئے جوش کا راستہ روکنے کے لئے سرگودھا اور اس کے گرد و نواح میں آپ کی تقاریر پر پابندی عائد کر دی گئی آپ نے دوسرے دن ہی کمپنی باغ سرگودھا میں جلسۂ عام کا اعلان کر دیا۔ یہ اجلاس اپنے اجتماع اور جوش و ولولے کے لحاظ سے تاریخی اجتماع تھا۔ آپ نے خضر حیات ٹوانہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا،

اللہ تعالیٰ کے ننانوے ۹۹ نام ہیں، لیکن اُن میں خضر کا نام نہیں ہے، پھر تو کس مُنہ سے دھمکی دیتا ہے۔ پاکستان، خدا و رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کے نام پر حاصل ہو رہا ہے اور انشاءاللہ تعالیٰ پاکستان وجود میں آکر رہے گا۔ [1]

صوبہ سرحد میں گاندھی کے حامیوں کا بہت گہرا اثر تھا۔ خان برادران تحریکِ پاکستان کی مخالفت پر اُدھار کھائے بیٹھے تھے۔ سرحد کے ایک ایک شہر اور قریہ میں پُرجوش تحریک کے پرچم لہرا رہے تھے۔ ریفرنڈم کے موقع پر صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی ناکامی کا واضح خطرہ محسوس کیا جا رہا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو تحریکِ پاکستان کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم اور مشائخ کرام خصوصاً پیر صاحب مانکی شریف، پیر صاحب زکوڑی شریف ، پیر صاحب گولڑہ شریف اور پیر صاحب سیال شریف کی مساعی جمیلہ اور علماء کرام کی جد و جہد کا نتیجہ تھا کہ ریفرنڈم میں مسلم لیگ کا پرچم سربلند ہوا اور مخالفین پاکستان کو مُنہ کی کھانا پڑی۔ [2]

آل انڈیا سنی کانفرنس، علماء و مشائخ اہل سنت کی ملک گیر جماعت تھی، اس جماعت سے وابستہ ہزاروں علماء و مشائخ اپنی اپنی جگہ تحریکِ پاکستان کے لئے

---

[1] محمد اکرم رضا، پروفیسر: حیات شیخ الاسلام، ص ۲۷

[2] محمد کرم شاہ، ازہری جسٹس: ضیائے حرم (ستمبر ۱۹۸۱ء) ص ۱۴

کام کر رہے تھے ۔ ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء میں فاطمان باغ بنارس میں اس جماعت کی طرف سے ایک تاریخ ساز اجلاس ہوا جو تحریک پاکستان کے لئے سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے ۔ پانچ ہزار علماء و مشائخ اور ڈیڑھ لاکھ عوام ہر اجلاس میں شریک ہوئے ۔ حضرت شیخ الاسلام بھی اپنے مریدین اور احباب کے ہمراہ اس تاریخی اجلاس میں شریک ہوئے ۔ اسی اجلاس میں اسلامی حکومت کا لائحہ عمل مرتب کرنے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل کی گئی، جس میں حضرت شیخ الاسلام کا اسم گرامی بھی شامل تھا ۔ [1]

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہِ عنایت اور علماء و مشائخ کی جہدِ مسلسل کے نتیجے میں اسلامیانِ پاک و ہند قائدِ اعظم کی قیادت میں پاکستان کے حصول میں کامیابی سے ہمکنار ہوئے ۔

قیامِ پاکستان کے بعد بھی ہر دینی اور ملی تحریک میں آپ نے سرگرمی سے حصہ لیا ۔ تحریک جہادِ کشمیر، تحریک ختم نبوت، تحریک نظامِ مصطفےٰ کونسی وہ تحریک ہے جس میں آپ پیش پیش نہیں رہے ۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں آپ نے اپنے کاشانۂ مبارکہ کی خواتین کے تمام زیورات افواجِ پاکستان کی نذر کر دیئے اور کبھی اس کا اظہار نہ کیا ۔ [2]

قیامِ پاکستان کے بعد قوم کی بدقسمتی سے یکے بعد دیگرے ایسے حکمران آئے، جنہوں نے شہدائے پاکستان کے خون، اور عفت مآب خواتین کی قربانیوں کو پس پشت ڈال دیا اور نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ کا وہ مقصد پورا نہ کیا جس کے لئے پاکستان معرضِ وجود میں آیا تھا ۔

---

[1] محمد عبد الحکیم شرف قادری، اندھیرے سے اُجالے تک (مرکزی مجلس رضا لاہور) ص ۲۷۳

[2] محمد کرم شاہ، جسٹس، پیر: ماہنامہ ضیائے حرم (دسمبر ۱۹۸۱ء) ص ۴۰

۱۹۷۰ء کا سال وہ بلا خیز دور تھا، جب سوشلزم کی تحریک کسی وبا کی طرح پاکستان کے شہر شہر اور قریہ قریہ پھیل رہی تھی۔ بھاشانی نے ٹوبہ ٹیک سنگھ میں کسان کانفرنس منعقد کی، جس کے تحت ٹوبہ ٹیک سنگھ کو پاکستان کا لینن گراڈ بنانے کا منصوبہ طے کیا گیا، اور جلاؤ گھیراؤ کی اپیل کی گئی۔ علماء و مشائخ اہل سنت نے اسی شہر میں کل پاکستان سنی کانفرنس کا تاریخی اجلاس منعقد کیا، جس میں ہزاروں علماء و مشائخ اور لاکھوں عوام نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں طے کیا گیا کہ آئندہ الیکشن میں حصہ لیا جائے اور نظام مصطفےٰ کے نفاذ کیلئے فضا ہموار کی جائے۔ اسی اجلاس میں متفقہ طور پر حضرت شیخ الاسلام کو جمعیۃ العلماء پاکستان کا صدر منتخب کیا گیا۔ آپ نے مختصر عرصے میں پیرانہ سالی اور ناسازئ طبیعت کے باوجود پورے ملک میں طوفانی دورے کئے۔ نظام مصطفےٰ کا پرچم بلند کیا اور غیر اسلامی نظریات کے خس و خاشاک کو ہباءً منثورًا کر دیا۔ جمعیۃ العلماء پاکستان کے سات نمائندے قومی اسمبلی کے الیکشن میں کامیاب ہوئے اور صوبائی اسمبلیوں میں بھی خاصی کامیابی حاصل ہوئی۔

۲۳ ستمبر ۱۹۷۰ء کو حضرت شیخ الاسلام نے دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ، ہری پور میں جمعیۃ العلماء پاکستان، ہری پور کے زیر اہتمام ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا،

۱۸۵۷ء میں انگریز اپنی شاطرانہ چالوں سے کہیں مسلمانوں کو دبانے کی کوشش کر رہا تھا اور کہیں سکھوں کا زور توڑنے کے درپے تھا۔ چنانچہ انگریز کے ایماء پر ایک جماعت سکھوں کے ساتھ جنگ کے لئے علاقہ بالاکوٹ روانہ ہوئی تھی۔ انگریز کے خلاف اس وقت شہید آزادی مولانا فضل حق خیر آبادی اور دیگر علمائے اہل سنت نے دہلی کی جامع مسجد میں فتوائے جہاد پیش کیا، جس کی پاداش میں علمائے اہل سنت کو قید و بند، کالا پانی اور تختۂ دار تک پہنچایا گیا۔

تحریکِ پاکستان میں بھی علمائے اہلِ سُنّت نے بھرپور حصہ لیا۔ بنارس میں آل انڈیا سُنّی کانفرنس جس میں پانچ ہزار علماء و مشائخ نے شرکت کی۔ اس کے انعقاد سے تحریکِ پاکستان میں جان پیدا ہوگئی تھی، جس کا اعتراف قائدِاعظم محمد علی نے بھی کیا۔ پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔ علماء و مشائخ خانقاہوں اور مدارس میں گوشہ نشین ہوگئے۔ ہم نے دیکھا کہ تیئس سال کے عرصہ میں آئینِ اسلام کی بجائے مخالفِ اسلام آئین نافذ کئے گئے۔ اب کوشش کی جارہی ہے کہ مملکتِ خداداد پاکستان میں سرمایہ دارانہ اور سوشلزم ایسا ملحدانہ نظام رائج کیا جائے۔ ہماری جماعت وقت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے میدانِ عمل میں آگئی ہے۔ ہمارا مقصدِ وحید مُلکِ پاک میں کتاب و سُنّت کے آئین کا نفاذ ہے، جس وقت یہ آئین نافذ ہوگیا، ہم خانقاہوں، مدرسوں اور مسجدوں میں واپس چلے جائیں گے[1]

کچھ مُلاقاتیں اور کچھ یادیں

۲؍جنوری، ۲۹؍جمادی الاولیٰ ۱۹۵۷ء/ ۱۳۷۶ھ کو راقم بغرضِ تعلیم جامعہ رضویہ، فیصل آباد سے دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام، سیال شریف حاضر ہوا۔ مولانا صوفی حامد علی رحمہ اللہ تعالیٰ (لیہ) کے پاس نحومیر شروع کی۔ انہی دنوں حضرت شیخ الاسلام کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ کی تقریریں سنیں، آپ اپنے تمام تر فضل و کمال کے باوجود حد درجہ مشفق اور متواضع شخصیت تھے۔ حضرت قبلۂ عالم مہاروی کے پاپوش مبارک سر پر رکھ کر حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی کے مزار پر حاضر ہوتے، تو دیکھنے والوں پر رقت طاری ہوجاتی۔ ایک دفعہ نماز پڑھاتے ہوئے غالباً آپ کو سہو ہوگیا، تلاوت کرتے کرتے اس روانی سے دوسری جگہ سے قرأت

---

[1] رپورٹ راقم الحروف، رسالہ عقد الجید (مطبوعہ ہری پور، ۱۹۷۰ء) ص ۲

شروع کردی کہ عام مقتدیوں کو سہو کا احساس ہی نہ ہو سکا۔ راقم تین ماہ دارالعلوم میں زیرِ تعلیم رہا۔ آئندہ سال جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں داخلہ لے لیا۔

دوسری دفعہ ۱۹۶۳ء میں جب استاذِ گرامی حضرت مولانا عطا محمد گولڑوی مدظلہ، حرمین شریفین کے حج و زیارت کے لیے گئے تو راقم تقریباً تین ماہ دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام، سیال شریف میں تعلیم حاصل کرتا رہا۔ ان دنوں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد اشرف سیالوی مدظلہ سے مسلم الثبوت، حماسہ اور سراجی کا درس لیا۔

مجھے وہ منظر یاد ہے کہ جب حضرت شیخ الاسلام نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ پر عجیب کیف کا عالم طاری ہوتا، دیر تک نیت باندھنے میں مصروف رہتے۔ یوں معلوم ہوتا کہ خشیت اور اضطراب نے آپ کو بے چین کر رکھا ہے۔ تکبیر تحریمہ کے بعد بھی یہی کیفیت رہتی۔ یوں محسوس ہوتا کہ پورے جسم پر لرزہ طاری ہے۔ اللہ اللہ! دربارِ الٰہی میں حاضر ہونے کا کیا پُرسوز اور وجد آفریں انداز تھا۔

ستمبر ۱۹۷۰ء میں جب آپ ہری پور تشریف لے گئے، اس وقت مجھے بھی آپ کی مجلس میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے دیکھا کہ ایک صاحب نے روضۂ اقدس کے گنبد شریف کا بیج سینے پر لگا رکھا ہے۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا، یہ لوگ گنبدِ خضرا کی صحیح تعظیم و تکریم نہیں کرتے۔ کئی لوگوں کی اس کی طرف پُشت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بیت الخلاء میں چلے جاتے ہیں۔ میری تو یہ عادت ہے کہ جس کمرے میں گنبدِ خضرا کی تصویر آویزاں ہو، وہاں جوتے پہن کر نہیں جاتا۔ ایک دفعہ مجھے گردے کی سخت تکلیف تھی، کسی پہلو قرار نہیں ملتا تھا، اچانک میری نظر دیوار پر آویزاں گنبدِ خضرا کی تصویر پر پڑی، میں باادب کھڑا ہو گیا، بارگاہِ رسالت میں اپنی فریاد پیش کی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے دُعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور درد اُسی وقت موقوف ہو گیا۔

۷۵-۱۹۷۴ء کا واقعہ ہے کہ راقم حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد اشرف سیالوی مدظلہ کے ہمراہ بندیال سے سرگودھا پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الاسلام سرگودھا میں تشریف فرما ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث کے ساتھ راقم بھی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ حضرت شیخ الاسلام کمال شفقت سے ملے۔ تھوڑی دیر بعد آپ کے چچا خواجہ سعد اللہ صاحب تشریف لے آئے۔ حضرت شیخ الاسلام نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے راقم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "یہ ہمارے مولانا ہیں۔" میں اس فرحت و مسرت کو بیان نہیں کر سکتا جو مجھے حضرت کے اس فرمان سے حاصل ہوئی کہ یہ ہمارے ہیں۔ اب وہ شفقت و محبت اور اپنائیت کہاں ملے گی؟

غالباً ۱۹۷۴ء میں راقم نے ایک عریضہ ارسال کیا کہ آپ اپنی تصنیف لطیف مذہب شیعہ کی اشاعت کی مکتبہ قادریہ، لاہور کو اجازت عطا فرمائیں۔ چند ہی دنوں بعد آپ نے اجازت نامہ ارسال فرما دیا اور تحریر فرمایا: میں اس کا ضمیمہ بھی ارسال کر دوں گا، اسے بھی شامل کر دیا جائے۔

۱۹۶۵ء میں راقم جامعہ نعیمیہ، لاہور میں مدرس تھا۔ حضرت شیخ الاسلام، شیخ الحدیث مولانا محمد اشرف سیالوی مدظلہ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ راقم جب اُن کے کمرے میں حاضر ہوا تو دیکھا حضرت شیخ الاسلام ایک چارپائی پہ تشریف فرما ہیں اور علامہ دمیری کی تصنیف حیاۃ الحیوان کا مطالعہ فرما رہے ہیں اور مریدین آس پاس باادب بیٹھے ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس شوق مطالعہ پر بڑا تعجب ہوا۔ حالتِ سفر ہے۔ ایک مرید کے پاس بہر ملاقات تشریف فرما ہیں۔ نیاز مند شوقِ زیارت لئے حاضر ہیں اور آپ مطالعہ میں منہمک ہیں۔

ہاں ایک بات تو میں بھول ہی گیا۔ ۱۹۶۲ء میں جب راقم دار العلوم ضیاء شمس الاسلام، سیال شریف میں زیر تعلیم تھا، تو مجھے دیوان حافظ کی شرح لسان الغیب

کے مطالعہ کا اتفاق ہوا اور ساتھ ہی شعر و شاعری کا شوق سوار ہو گیا، فارسی میں کئی اشعار لکھے۔ استاذِ گرامی مولانا عطا محمد گولڑوی مدظلہ حج و زیارت سے واپس آئے تو فارسی میں ایک قصیدہ لکھ کر اُن کی خدمت میں پیش کیا۔ جونہی سیال شریف سے واپس آیا وہ دن اور آج کا دن۔ فارسی تو کیا اُردو میں بھی ایک شعر تک موزوں نہ ہو سکا اور نہ ہی سوز و گداز کی وہ کیفیت باقی رہی۔

حضرت شیخ الاسلام علمی لحاظ سے سلسلۂ خیر آبادیہ سے متعلق تھے، انہیں بطلِ حریت علامہ فضلِ حق خیر آبادی سے والہانہ عقیدت تھی۔ اکثر و بیشتر اُن کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کرتے۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ آپ نے عقائدِ اہلِ سُنّت کی مشہور کتاب المعتقد المنتقد کی اشاعت کا اہتمام فرمایا۔ یہ کتاب اگرچہ شاہ فضلِ رسُول بدایونی کی تصنیف تھی، لیکن اس پر علامہ خیر آبادی کی زوردار تقریظ بھی تھی۔ اس کے علاوہ آپ نے قاضی مبارک پر علامہ فضلِ حق خیر آبادی کا شہرہ آفاق حاشیہ بھی شائع کیا، جس پر عربی زبان میں مقدمہ لکھنے کا شرف راقم کو حاصل ہوا۔ حضرت نے یہ مقدمہ ملاحظہ فرمایا اور پسندیدگی اور دُعا سے نوازا۔

شیخ الحدیث مولانا محمد اشرف سیالوی مدظلہ راوی ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام نے ایک عجیب واقعہ بیان فرمایا، علامہ عبدالحق خیر آبادی قدس سرہ کے پاس ایک سکھ منطق کی منتہی کتاب شرحِ مطالع پڑھا کرتا تھا۔ علامہ فضلِ حق خیر آبادی نے دیکھا تو اپنے صاحبزادے کو ڈانٹ پلائی کہ اسے یہ کتابیں کیوں پڑھا رہے ہو؟ یہ پڑھ کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کام کرنے میں ان علوم سے فائدہ حاصل کرے گا۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ کسی طرح مجھے چھوڑتا ہی نہیں، فرمایا: اسے میرے پاس بھیج دینا۔ وہ حاضر ہوا تو اس سے پوچھا کونسا مقام پڑھا ہے؟ اُس نے بتایا تو علامہ نے اس پر ایک لاینحل اعتراض کر دیا۔ وہ سکھ مبہوت ہو کر رہ گیا۔ فرمایا:

جاؤ، اس کا جواب لے کر آنا، پھر آگے سبق ہوگا۔ وہ سکھ چلا گیا اور بہت کوشش کی، مگر اس کا جواب کہیں سے نہ مل سکا اور اسی کشمکش میں ذہنی توازن کھو بیٹھا۔

حضرت شیخ الاسلام پیکرِ محبت تھے، ان کے نزدیک دوستی اور دشمنی کا معیار ہی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس تھی، جو اُن کا ہے، وہ ہمارا ہے اور جو اُن کا نہیں، وہ ہمارا بھی نہیں ہے۔ ایک عالم نے بریلوی مسلک کے بارے میں آپ کی رائے دریافت کی، تو فرمایا:

"میں مولانا احمد رضا خاں کی خاکِ پا کے برابر بھی نہیں، کیونکہ فقیر کے عقیدے میں مذہب کی بنیاد عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہے اور عشق کی بنیاد ادب پر ہے۔ مولانا بریلوی کو ذاتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ عشق تھا۔ پھر آپ نے زبانِ مبارک سے یہ شعر پڑھا ؎

بہ مصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اُوست
اگر باُو نہ رسیدی تمام بولہبی است"[1]

حضرت شیخ الاسلام نے بے شمار مصروفیات کے باوجود متعدد تحقیقی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں، چند کے اسماء یہ ہیں: (۱) التحقیق فی التطلیق، بیک وقت تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہو جاتی ہیں (۲) تبلیغ القوم فی اتمام الصوم، (۳) الجہاد (۴) صلوٰۃ العصر (۵) مذہبِ شیعہ (۶) اِن الحکم اِلّا للّٰہ، (۷) تنویر الابصار بتقبیل المزار (۸) تحقیق الاجلہ فی ثبوت الاھلہ (۹) تقریر دلپذیر (۱۰) بلاغِ مبین۔

---

[1] غلام نظام الدین، پروفیسر: ماہنامہ ضیائے حرم (دسمبر ۱۹۸۱ء) ص ۱۳۹

عیسائی، مرزائی، شیعہ اور وہابی مناظرین سے متعدد مناظرے کیے اور انہیں لاجواب کیا۔ نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے منعقد کی جانے والی کل پاکستان سنی کانفرنس میں علالت کے باوجود شریک ہوئے۔ آخری سالوں میں اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر رہے اور حکومت سے آمدورفت کا کرایہ تک نہ لیا۔

۱۵ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء کو سحری کے بعد بذریعہ کار روانہ ہوئے۔ سرگودھا سے چند میل دور چک ۱۱۱ کے پل پر سامنے سے آتے ہوئے ایک بدمست ٹرک سے خوفناک تصادم ہوگیا۔ ڈرائیور اور ایک خادم اللہ بخش موقع پر ہی شہید ہوگئے۔ دو ساتھی بھی شدید زخمی ہوئے۔ حضرت شیخ الاسلام کو بھی سخت چوٹیں آئیں۔ دائیں پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ آس پاس کے لوگ موقع پر پہنچے، تو ایک شخص نے پانی پیش کیا، آپ نے یہ فرماتے ہوئے انکار کردیا کہ میرا روزہ ہے۔ پہلے آپ کو ڈسٹرکٹ ہسپتال سرگودھا لے جایا گیا پھر سی ایم ایچ لاہور، مگر ڈاکٹروں کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوسکی اور آپ ۱۷ رمضان المبارک، ۲۰ جولائی ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء کو دارِ فانی سے پردہ فرما گئے اور لاکھوں اہلِ محبت کو اشکبار چھوڑ گئے۔ آپ کے جانشین حضرت صاحبزادہ غلام حمید الدین سیالوی مدظلہ اپنے اسلاف کی ہمت و جرأت اور مسلکِ اہلِ سنت کی سربلندی کے لئے کوشش کے جذبے سے سرشار ہیں۔ مولا کریم ان کا سایہ سلامت رکھے۔

(Copy)

10 Aurangzeb Road
New Delhi.

My dear Pir Sahib,

I am in receipt of your kind letter dated [illegible] and I thank you for your good wishes. I have noted your suggestions stated in your letter and they will certainly have my careful consideration.

Thank you again.

Yours sincerely,
M. A. Jinnah.

قائد اعظم کا خط حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی کے نام
(بشکریہ پروفیسر محمد رفیق صاحب)

باسمہ سبحانہ عم احسانہ

۱۵ اپریل ۷۷ء

جناب مسٹر ذوالفقار علی خان وزیر اعظم پاکستان

تسلیمی جیسی تمام [illegible]

السلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔ متعدد بار اسلام کی

طرف توجہ دلائی گئی کہ آپ اس اسلامی ملک میں

شریعت اسلامیہ نافذ کریں آخر تمام ملک کے مسلمانوں نے

نظام مصطفیٰ نافذ کرنے پر بالاتفاق

شریعت اسلامیہ قانون کی رو سے اس

[illegible] آپ خداوندی اور [illegible] عہد کرنے سے

پاک وطن میں محروم [illegible] معاہدہ کرنے سے

وقد لذ نظام مصطفیٰ کی مخالفت سے [illegible] رہ سکتے کیونکہ

پاک وطن کے سربراہ نہیں ہو سکتے

لہٰذا آپ اس پاک وطن کے سربراہ ملک پاکستان مسلمانوں کا ہے

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ہم الکافرون

اور دشمن محکمہ [illegible] کا آپ پہلی فرصت

میں احکام شریعت اسلامیہ کے نفاذ کا حکم دیں

(بشکریہ: پروفیسر محمد رفیق صاحب)

از جلوال

۳۸۶/۹۲

برائے تحریر مبارک ۲۰ جنوری

محرم الحرام ۱۳۹۵ھ

حضرت والا تبار محترم المقام قبلہ وکعبہ خواجہ صاحب! دام ظلکم العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج اقدس؟

سَلَامُ اللّٰہِ سَلَامُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ

وَحَسْبِیْ هٰذَا قَلْبِیْ لَدَیْکُمْ

ازراہ کرم گذشتہ روشنی میں حسب ذیل استفتاء کا جواب اپنے دست مبارک سے تحریر فرماکر عنداللہ ماجور وعنداللہ ناس مشکور ہوں! تاکہ عوام کالانعام کو استفادے کیلئے اسے شائع کرایا جاسکے! وما توفیقی الا باللہ

یکے از جانثاران: حجرہ [illegible]

قاضی محمد امین [illegible]

امام مسجد [illegible]

ڈاکخانہ: [illegible]

حافظ

غلام حسن

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلے میں کہ "زید کا عقیدہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یہ کہ آپکی ذات گرامی کو علم غیب حاصل ہی نہیں اور آپ حاضر وناظر بھی نہیں۔

نیز نذر ونیاز وعرس بزرگانِ دین ومیلاد شریف اور نماز جنازہ کے بعد کی دعا وحیلہ اسقاط اور دیگر امور مستحبہ کو ناجائز سمجھتا ہے۔ نیز تحذیر الناس کی اس عبارت کو جسمیں "بالفرض آپکے زمانے میں یا آپکے بعد کوئی نبی آجائے تو حضور کی خاتمیت میں فرق نہیں آتا" صحیح سمجھتا ہے۔ اور عبارت "حفظ الایمان" کہ زید حضور علیہ السلام کو علم غیب کلی مانتا ہے۔ تو یہ نہیں اور اگر جزئی مانتا ہے تو ایسا علم زید عمر بکر مجنون وبہائم کو بھی حاصل ہے۔ جسمیں آپکے علم شریف کو تشبیہ مجنون وبہائم سے دی گئی۔ اس عبارت کو بھی صحیح سمجھتا ہے۔

کیا ایسے شخص مذکور کے پیچھے نماز جنازہ و دیگر نمازیں پڑھنا جائز ہیں یا نہیں؟

[illegible] الجواب [illegible]

[illegible] عقیدہ [illegible] ایسے عقیدہ رکھنے والے بے دین [illegible]

[illegible] نماز [illegible] جائز ہے واللہ ورسولہ اعلم

[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ وعلی آلہ واصحابہ وعلی من تبعہم باحسان الی یوم الدین - اما بعد! کچھ عرصہ ہوا فقیر کے پاس ایک استفتاء پہنچا کہ زید یہ کہتا ہے کہ خاتم النبیین کے معنی صرف آخری نبی اگر نہ بھی لیا جائے بلکہ یہ معنی بھی کر لیا جائے کہ تمام انبیاء کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار و فیوض سے مقتبس ہیں تو نہایت مناسب ہوگا کیا زید پر فتویٰ کفر لگایا جا سکتا ہے یا نہ؟ جواب میں لکھا کہ اس قول پر زید کو کافر نہ کہا جائے گا بعد میں سنا گیا کہ بعض علماء اہل سنت نے فقیر کے اس فتویٰ کو اسی وجہ سے نامسعود کہا ہے کہ مولوی قاسم نانوتوی کے رسالہ تحذیر الناس کی اس نوعیت کی عبارت پر علمائے اہل سنت نے کفر کا فتویٰ دیا ہے - چنانچہ رسالہ مذکور کا مطالعہ کیا تو تحذیر الناس کی عبارت اور اس استفتاء کی عبارت میں فرق بعید ثابت ہوا کہ رسالہ مذکور کی تکفیر مندرجہ ذیل تصریحات پر مبنی ہے -

(۱) خاتم النبیین کا معنی لا نبی بعدہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ لینے پر مُصر ہے - حالانکہ یہ معنی احادیث صحاح سے ثابت ہے - اس پر اجماع صحابہ ہے و من بعدہم الی یومنا ہذا متواتر متوارث یہی معنی کیا جا رہا ہے -

(۲) رسالہ مذکورہ میں واضح طور پر لکھا ہے کہ خاتم النبیین کا معنی آخر الانبیاء کرنے سے کلام ماقبل لکن و مابعد لکن یعنی مستدرک منہ و مستدرک میں کوئی تناسب نہیں رہتا -

(۳) رسالہ میں موجود ہے کہ یہ معنی کرنے سے کلام الٰہی میں حشو و زوائد کا قول کرنا پڑے گا یعنی لکن زائد حرف ماننا پڑے گا

(۴) کہتا ہے کہ یہ مقام مدح ہے اور آخر الانبیاء ہونے سے مدح ثابت نہیں ہوتی بلکہ عام انسانوں کے عام حالات ذکر کئے ہیں اور یہ معنی لینے میں کوئی فرق نہیں وغیرہ ذلک من التہافۃ الفتیلۃ الخزویۃ اس فقیر نے ضروری خیال کیا کہ اس صورت واقعیہ اور اس فرضی استفتاء میں فرق کی بنا پر رسالہ مذکورہ کی عبارت کے بارے میں اپنی ناقص رائے ظاہر کرے -

(۱) تحذیر الناس میں کہیں بھی خاتم النبیین کا معنی خاتم الانبیاء لا نبی بعدہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں لیا گیا تاکہ دو معانی مانعۃ الجمع کی تاویل کی جا سکے - بلکہ آخر الانبیاء کے معنی کو غیر صحیح ثابت کرنے کے الفاظ لائے گئے ہیں لہٰذا احادیث صحیحہ سے انکار اور اجماع صحابہ سے فرار اور باقی امت کے متفق علیہ عقیدہ و اجماع سے نصاً و قطعی طور پر ثابت ہے

(۲) دوسرے ... ما قبل الاستدراک لیکن یہاں ما سبق کی نفی معلوم ہوتی ہے اگر
ایسے کئے ہوئے معنی مراد لئے جائیں تو اس صورت میں کسی اس کو یہ نہیں نظر آتا۔ یعنی آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تمام
انبیاء کو ختم کرنے والے ہیں۔ اب بتائیے کہ اس مستدرک منہ اور مستدرک میں فرق
کیسے کیا گیا۔ اور کیا مناسبت اس استدراک کی وجہ سے پیدا ہوئی؟

(۳) اور معنی کے اعتبار سے کوئی حرف لکن زائد ثابت نہ ہو تو کیا ہوا۔ واو عاطفہ یہ کام
نہ کر سکتی تھی؟ استدراک کی ترکیب کیوں استعمال فرمائی گئی؟ اس کو ذکر نادان
کو سمجھ ہوتی تو معنی لا نبی بعدہ صلے اللہ علیہ وسلم کرنے سے مدح بالذات اس موصوف
بالذات کیلئے اظہر من الشمس اور ابین من الامس موجود ہے۔ احادیث صحیحہ کے انکار
کی صورت پیش نہ آتی۔ شذوذ عن الجماعۃ بھی نہ کرنا پڑتا۔ غور فرمائیے اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۝
یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن تم یہ مت
خیال کرو کہ آپ کی مہربانی شفقت و رأفت و رحمت سے تم محروم ہو کیونکہ وہ رحمۃ للعالمین
کافۃ الناس کیلئے قیامت تک آخری رسول ہیں جن کی شفقت و رحمت باپ سے
ہزاروں درجہ زیادہ ہے جو ہمیشہ کیلئے تمہیں نصیب رہے گی وہ تو عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ
حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ کا رتبہ رکھنے والے رسول ہیں۔ اب بتائیے
موصوف بالذات و مقام مدح والا اشکال حل ہوا یا نہ؟ اور مستدرک منہ اور
مستدرک کے مابین مناسبت سمجھ میں آئی یا نہ؟ اور مصنف کے دماغ سے حشو و
زوائد خارج ہوا یا نہ؟ مصنف تحذیر الناس ان چند علمی مصطلحات کا ذکر وہ
بھی بالکل بے محل اور بے ربط کرتے ہوئے اپنی عامیانہ نظر و فکر پر پردہ نہ ڈال سکا اور
انتہائی منکر احادیث صحیحہ و نصوص متواترہ قطعیہ ثابت ہونے کے علاوہ شاذ عن
الجماعۃ و خارق اجماع ثابت ہوا۔ لہذا فقیر کا فتویٰ عدم تکفیر اس فرضی زید کے متعلق
ہے نہ کہ مصنف تحذیر الناس کیلئے۔ والحق ما قد قیل فی حقہ من قبل العلماء والاعلام

فقیر محمد قمر الدین السیالوی سجادہ نشین آستانہ عالیہ سیال شریف

علامہ سید محمود احمد رضوی مدظلہ

اس حقیقت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ جس شخص کو دین کا فہم حاصل ہو جائے، رحمتِ الٰہیہ اس کے شاملِ حال ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّہْہُ فِی الدِّیْنِ۔ [1]

اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اسے دین کی بصیرت عطا فرما دیتا ہے۔

پھر اس کے ساتھ اگر تقویٰ و پرہیزگاری، حق گوئی اور بے باکی، رشد و ہدایت اور تبلیغِ اسلام، تدریس و تصنیف اور اعلاءِ کلمۂ حق ایسے اوصاف بھی جمع ہو جائیں، تو سونے پر سہاگہ۔

فضیلۃ الشیخ، جلالۃ العلم والمعرفۃ، محدثِ عصر حضرت علامہ مولانا سید دیدار علی شاہ الوری قدس سرہ العزیز ایسی ہی جامع صفات اور نادرِ روزگار شخصیت تھے۔ ان کی دینی اور ملی خدمات اس لائق ہیں کہ ان پر علمی اور تحقیقی مقالے لکھے اور شائع کئے جانے چاہئیں۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں دو قابلِ صد فخر فرزند عطا فرمائے:

۱- غازیٔ کشمیر علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری

۲- مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری

علامہ سید ابوالحسنات قادری نے میدانِ سیاست، خطابت، قومی خدمات

---

[1] محمد بن اسمٰعیل البخاری، امام: بخاری شریف (مجتبائی، دہلی) ج ۱، ص ۱۶

اور تصنیف میں وہ گراں قدر خدمات انجام دیں جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں ان کی عظمت و جلالت کا یہ عالم تھا کہ مخالف مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے نامور علماء ان کے قدموں میں بیٹھنے اور ان کے جوتے سیدھے کرنے کو سرمایہ فخر تصور کرتے تھے۔ علامہ سید ابوالبرکات قادری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے دور کے مفتی اعظم پاکستان، یکتائے زمانہ محدث اور بے مثال مناظر تھے۔ اپنے اور بیگانے سب ہی ان کی جلالتِ علمی اور ژرف نگاہی کے معترف تھے۔

ارباب حکومت بھی ان کے رعب، دبدبے اور ہمہ گیر اثرات سے متاثر تھے۔ جامعہ نعیمیہ، لاہور کے بانی اور مہتمم حضرت مولانا علامہ مفتی محمد حسین نعیمی مدظلہ نے ایک مجلس میں بیان کیا کہ ایوب خاں کے دور میں محکمہ اوقاف کے ایڈمنسٹریٹر مسعود کھدر پوش کے خلاف حزب الاحناف لاہور میں علماء اہل سنت کا ایک اہم اجلاس منعقد ہوا، جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ مسٹر مسعود کو اس عہدہ سے برطرف کیا جائے۔ باوجودیکہ اس اجلاس میں سینکڑوں علماء کا اجتماع تھا، حکومت نے اس مطالبہ کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ کچھ دنوں بعد اسی مطالبے کی حمایت میں ایک جلوس نکالا گیا، جس میں ڈیڑھ دو سو افراد شریک ہوتے ہوں گے۔ اس جلوس کی قیادت حضرت علامہ سید ابوالبرکات قادری فرما رہے تھے۔ پروگرام یہ تھا کہ گورنر ہاؤس جا کر اپنے مطالبات پیش کئے جائیں۔ ابھی یہ جلوس لکشمی چوک ہی پہنچا تھا کہ حکومت کے نمائندوں نے آکر سید صاحب کو اطلاع دی کہ جلوس منتشر کر دیا جائے۔ مسٹر مسعود کا تبادلہ کر دیا گیا ہے

۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کا آغاز ہوا، اسی دور میں پاکستان کی تاریخ کا سخت ترین مارشل لاء نافذ ہو چکا تھا، کسی کو لاؤڈ سپیکر استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اس کے باوجود حضرت سید صاحب ہر روز نماز فجر کے بعد قرآن پاک کا درس دیتے

فتنۂ قادیانیت کے موضوع پر تقریر کرتے، ختمِ نبوت کے بارے میں قادیانیوں کے شبہات کا جواب دیتے اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی پُرزور تائید فرماتے۔ اس اثنار میں کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ آپ کا لاؤڈ سپیکر بند کرا دے۔ [۱]

۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء میں جنگِ ستمبر کے بعد علمار اہل سنت کا ایک وفد جنرل محمد ایوب خان سے ملا، جس میں حضرت علامہ سید ابو البرکات قادری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی شامل تھے۔ ایوب خاں نے مزاج پُرسی کے بعد دُعا کے لئے کہا تو سید صاحب نے فرمایا:

دُعا کیا کروں؟ آپ نے عائلی آرڈی ننس نافذ کیا ہے جس کی بعض دفعات، صریح طور پر قرآن و سنّت کے خلاف ہیں۔ آپ نے شاستری کی ارتھی کو کندھا دیا، ایک مشرک کی ارتھی کو کندھا دینا کب جائز ہے؟

جنرل محمد ایوب خاں نے وعدہ کیا کہ عائلی آرڈی ننس میں شریعت کے مطابق ترمیم کر دی جائے گی اور شاستری کی ارتھی کو کندھا دینے کے متعلق کہا کہ یہ ایک رسمی چیز تھی اور مجھے مجبوراً ایسا کرنا پڑا۔ [۲]

ان واقعات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس خاندان نے اعلار کلمۃ الحق میں کبھی تساہل سے کام نہیں لیا۔ اسی عظیم خانوادے کے جلیل القدر فرزند، وسیع النظر محدّث، عظیم فقیہ اور محقق حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی مدظلہ العالی شارح بخاری ہیں جو خاندانی وجاہت کے علاوہ قابلِ قدر خصوصیات کے حامل ہیں۔ اکثر و بیشتر جب بھی اُن سے ملاقات ہوئی، انہیں کسی نہ کسی دینی مسئلہ میں غور و فکر کرتے ہوئے پایا، ان کی گفتگو عام انداز سے ہٹ کر مسائلِ دینیہ کے بارے میں ہی ہوتی ہے

[۱] محمود احمد رضوی، علامہ، سیدی ابو البرکات (حزب الاحناف، لاہور) ص ۴۸
[۲] ایضاً، ص ۴۹ - ۴۸

وہ جو کچھ بھی لکھتے ہیں، گہری سوچ بچار کے بعد لکھتے ہیں۔ ان کی تحریرات، مفید عام، موضوعات پر ہیں اور عوام و خواص میں مقبولیت حاصل کر چکی ہیں۔

حضرت علامہ رضوی مدظلہ کی ولادت باسعادت ۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۵ء میں ہوئی۔ علمی اور رُوحانی ماحول میں آنکھیں کھولیں اور اسی میں نشوونما پائی۔ درسِ نظامی کی ابتدائی کتابیں آمد نامہ وغیرہ اپنے جدِّ امجد، سید المحدثین مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری قدس سرہ سے پڑھیں۔ بقیہ کتب، جید اور متبحر اساتذہ سے پڑھیں۔ شرح تہذیب، قطبی اور مختصر المعانی وغیرہ کتب، منطقی بابا حضرت مولانا محمد دین بدھوی سے، ملا حسن، تفسیر بیضاوی وغیرہ کتب، ملک المدرسین اُستاذ الاساتذہ حضرت مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ العالی سے پڑھیں۔ [۱]

ان کے علاوہ دیگر اساتذہ سے بھی استفادہ کیا، جن میں حضرت مولانا مہر الدین جماعتی مدظلہ شارح مختصر المعانی کا اسم گرامی نمایاں ہے۔ [۲]

درسِ حدیث اپنے والدِ گرامی، مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری قدس سرہ سے لیا۔ ۱۹۴۷ء میں دارالعلوم حزب الاحناف، لاہور کے سالانہ جلسے میں آپ کی دستار بندی کرائی گئی۔ اس اجلاس میں پاک و ہند کے اکابر علماء مثلاً حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، مفتیٔ آگرہ

---

[۱] یہ تفصیلات حضرت علامہ رضوی مدظلہ نے ایک ملاقات میں بیان فرمائیں۔ انہوں نے بتایا کہ میرے پاسپورٹ پر تاریخ پیدائش ۱۹۲۵ء لکھی ہوئی ہے۔ حضرت مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ پڑھانے کے دوران ہی سبق ذہن نشین کرا دیتے تھے۔ ۱۲ قادری

[۲] محمد صدیق ہزاروی، مولانا: تعارف علمائے اہل سنّت (مکتبہ قادریہ، لاہور) ص ۲۴۲

مولانا مفتی عبدالحفیظ، محدثِ اعظم ہند علامہ سید محمد محدث کچھوچھوی مولانا محمد یار، گڑھی شریف، علامہ عبدالغفور ہزاروی، حضرت مولانا سید مختار اشرف کچھوچھوی وغیرہم قدست اسرارہم تشریف فرما تھے۔ حضرت صدر الافاضل نے اس موقع پر بطورِ تبرک اپنی ٹوپی بھی عنایت فرمائی۔ ؎

حضرت علامہ رضوی مدظلہ نے ۷؍جون ۱۹۴۷ء کو مؤقر جریدہ رضوان، جاری کیا، جو ابتداءً ہفت روزہ تھا، پھر پندرہ روزہ ہوا۔ بعدازاں ماہنامہ کی صورت میں شائع ہوا اور بحمدہٖ تعالیٰ آج تک شائع ہو رہا ہے۔ اس جریدے میں وقیع اور گراں قدر مقالات شائع ہوا کرتے تھے۔ اس جریدے نے دینِ متین کی حفاظت اور مسلکِ اہلِ سُنّت وجماعت کی تبلیغ واشاعت میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ اس رسالے کے کئی قیمتی نمبر، راقم کی نظر سے گزرے ہیں، مثلاً نماز نمبر، ختمِ نبوت نمبر، چکڑالویت نمبر اور معراج النبی نمبر وغیرہ، مشہور شیعہ مناظر مولوی اسمٰعیل گوجروی سے متعدد مسائل پر مباحثہ کا سلسلہ جاری رہا۔ ان مباحثوں میں علامہ رضوی مدظلہ کا قلم علمی اور تحقیقی جواہر بکھیرتا رہا۔ علامہ کا استدلال، عالمانہ گرفت، مخالفین کے اعتراضات کے ٹھوس جوابات، یہ سب چیزیں پڑھنے اور دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں۔ حضرت علامہ کی تصانیف، رضوی اور گوجروی مکالمہ، بیعتِ رضوان، باغِ فدک، حدیثِ قرطاس، اسرار مذہب شیعہ اور حضور کی نمازِ جنازہ اسی دور کی یادگار ہیں۔

علاوہ ازیں حضرت علامہ نے اس رسالہ میں بخاری شریف کی شرح فیوض الباری کے نام سے قسط وار شائع کرنا شروع کی جس کے آٹھ پارے اب تک چھپ کر مقبولیتِ عامہ کی سند حاصل کر چکے ہیں۔

؎ یہ تفصیل حضرت علامہ نے بیان فرمائی — ۱۲ قادری

ان کے علاوہ خصائصِ مصطفےٰ، جامع الصفات، روح الایمان، شانِ مصطفےٰ، معراج النبی، شانِ صحابہ، اسلامی تقریبات، دین مصطفےٰ، روشنی، مسائل نماز وغیرہ علامہ کے وہ بلند پایہ مقالات ہیں جو رضوان میں وقتاً فوقتاً چھپتے رہے ہیں۔ بعد میں انہیں نظر ثانی اور اضافوں کے ساتھ کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا۔ ان کی تمام تصانیف، علم و تحقیق کا منہ بولتا ثبوت اور عوام و خواص کے لئے مفید ہیں اور علمی حلقوں میں وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

حضرت علامہ نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد کچھ عرصہ درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ شرح تہذیب اور شرح وقایہ وغیرہ کتب پڑھاتے رہے۔ پھر اُن کی تمام تر توجہ تصنیف و تالیف اور دارالعلوم حزب الاحناف، لاہور کے انتظامات کے لئے وقف ہو کر رہ گئی۔

علامہ رضوی جہاں دقیق النظر محدث، نکتہ رس فقیہ اور صاحب طرز ادیب ہیں، وہاں وہ قادر الکلام خطیب بھی ہیں۔ اُن کی تقریر علم و فضل، سنجیدگی اور متانت کا بہترین مرقع ہوتی ہے۔ انداز بیاں مدلّل اور دل نشین ہوتا ہے۔

اس خاندان کا طُرّۂ امتیاز یہ رہا ہے کہ جب بھی کوئی ملّی اور ملکی مسئلہ پیش آیا، یہ حضرات راہنمائی میں پیش پیش رہے۔ تحریکِ پاکستان میں دارالعلوم حزب الاحناف لاہور کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں ـــــ جامع مسجد وزیر خاں لاہور، تحریکِ پاکستان کا اہم ترین سٹیج تھی، اس اسٹیج سے پاکستان کی حمایت میں اُٹھنے والی آواز اتنی زوردار تھی کہ اس کی گونج پورے پنجاب، بلکہ اس کے ارد گرد تک سُنی جاتی تھی۔

۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء کو بنارس کے باغ فاطماں میں منعقد ہونے والی آل انڈیا سُنّی کانفرنس، تحریکِ پاکستان کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس اجلاس میں اہل سنت وجماعت کے علماء و مشائخ نے اجتماعی طور پر مطالبہ پاکستان کی زبردست حمایت کی اور اس عزم کا اظہار کیا کہ جب تک پاکستان نہیں بن جاتا، ہم آرام سے نہیں بیٹھیں گے۔ اس اجلاس میں مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری، علماء پنجاب کے وفد کے ہمراہ شریک ہوئے۔ اس وفد میں علامہ سید محمود احمد رضوی بھی شامل تھے۔ [1]

۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت چلائی گئی، جس کا مقصد یہ تھا کہ قادیانیوں کو پاکستان کے کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے اور انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ اس تحریک کے صدر علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری تھے۔ علامہ سید محمود احمد رضوی نے بھی اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور حضرت علامہ مفتی محمد حسین نعیمی مدظلہ کے تعاون سے اپنی ذاتی مشین پر پمفلٹ چھاپ کر فوج اور پولیس کے نوجوانوں میں تقسیم کئے اور انہیں تحریک کے مقاصد سے آگاہ کیا۔ [2]

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں تمام مکاتب فکر کے اشتراک سے مجلس عمل تحفظ ختم نبوت معرض وجود میں آئی۔ علامہ رضوی مدظلہ اس کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ آپ نے ملک کے طول و عرض میں دورے کئے، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، بالآخر، ستمبر ۱۹۷۴ء کو اسلامیان پاکستان کے شدید دباؤ کی بناء پر پاکستان کی قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔ [3]

علامہ رضوی مدظلہ ایک عرصہ تک جمعیۃ العلماء پاکستان کے جنرل سیکرٹری رہے۔ ایک مرحلے پر جمعیۃ داخلی انتشار کا شکار ہو گئی۔ کوشش بسیار کے باوجود اتفاق و

---

[1] محمود احمد رضوی، سید علامہ: سیدی ابوالبرکات، ص ۴۲-۴۱

[2] محمد صدیق ہزاروی، مولانا: تعارف علمائے اہل سنت، ص ۳۴۳

[3] ایضاً، ص ۳۴۴

اتحاد کی کوئی صورت نہ نکل سکی۔ ۱۹۶۹ء میں حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری قدس سرہ نے حزب الاحناف، لاہور میں ملک بھر کے علماء کی ایک میٹنگ بلائی۔ حضرت سید صاحب کی دعاء و برکت سے تمام علماء اہل سنت شیر و شکر ہو گئے۔ علامہ رضوی پہلے سنی بورڈ، پھر مجلس عمل جمعیۃ العلماء پاکستان کے کنوینر مقرر ہوئے انہوں نے اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر جمعیۃ کو فعال بنانے کے لئے دن رات کام کیا اور گوناگوں مشکلات کے باوجود اپنی مہم میں کامیاب رہے۔

۲۲ر مارچ ۱۹۷۰ء کو ٹوبہ ٹیک سنگھ میں نام نہاد کسان کانفرنس منعقد ہوئی جس میں مولانا بھاشانی مہمان خصوصی تھے۔ اس کانفرنس کا نعرہ تھا،

"ماریں گے ــــ مر جائیں گے ــــ سوشلزم لائیں گے" ــــ اسی کانفرنس میں ٹوبہ ٹیک سنگھ کا نام لینن گراڈ تجویز کیا گیا۔ اہل سنت کے علماء و مشائخ نے اپنا فرض منصبی سمجھتے ہوئے سوشلزم کے پروپیگنڈے کا موثر جواب دینے اور کسان کانفرنس کے اثرات زائل کرنے کے لئے عین اسی جگہ ۱۳، ۱۴ر جون ۱۹۷۰ء کو عظیم الشان سنی کانفرنس منعقد کی، جس میں حضرت مولانا فضل الرحمن قادری مدنی مدظلہ مدینہ طیبہ سے تشریف لا کر بطور مہمان خصوصی شریک ہوئے اس کانفرنس کا منظر دیدنی تھا۔ تا حد نظر پھیلے ہوئے غلامان مصطفےٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے جم غفیر اور تین ہزار علماء و مشائخ کے مبارک اجتماع سے وہ سماں پیدا ہوا کہ باطل کی تمام تاریکیاں چھٹ گئیں۔ اس کانفرنس میں اسلامیان پاکستان کو مقام مصطفےٰ کے تحفظ اور نظام مصطفےٰ کے نفاذ کا نعرہ ملا اور اعلان کیا گیا کہ اسی منشور کی بنیاد پر دسمبر ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں حصہ لیا جائے گا۔ [1]

---

[1] محمد عبدالحکیم شرف قادری، سنی کانفرنس ملتان، پس منظر، ص ۲۲

اس کانفرنس کے کنوینر حضرت علامہ رضوی مدظلہ اور ان کے رفقاء تھے۔ انہوں نے ملک بھر کے دورے کر کے کانفرنس کے انعقاد کے لئے فضا ہموار کی۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ کے مولانا مختار الحق علیہ الرحمہ اور ان کے رفقاء نے بھی اس کانفرنس کے انعقاد کے لئے گراں قدر خدمات انجام دیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت وعقیدت اور تعظیم وتکریم اہل سنت وجماعت کا طرۂ امتیاز اور سرمایۂ ایمان ہے۔ بارگاہِ رسالت کی بے ادبی اور گستاخی دیکھ اور سن کر خاموشی سے برداشت کر جانا، ان کے نزدیک غیرتِ ایمانی کے منافی ہے۔ حضرت علامہ رضوی مدظلہ کو یہ عقیدہ تو ورثہ میں ملا ہے۔ ۱۹۷۱ء میں برطانیہ کے نام نہاد ڈاکٹر منہاس نے ایک دل آزار کتاب لکھی جس میں اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کی۔ اس کتاب کی اشاعت کے خلاف جمعیت علماء پاکستان نے لاہور سے جلوس نکالے اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ اس کتاب کو ضبط کیا جائے، لیکن حکومت نے مطالبہ تسلیم کرنے کی بجائے ۱۰ر جنوری ۱۹۷۱ء کو علامہ سید محمود احمد رضوی اور مولانا اکرام حسین مجددی کو گرفتار کر لیا، جبکہ مولانا فیض القادری اور پیر طریقت میاں جمیل احمد شرقپوری پہلے ہی گرفتار کئے جا چکے تھے۔

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی اور حضرت مولانا حامد علی خاں کی قیادت میں ایک وفد ۲۰ر جنوری ۱۹۷۱ء کو اس وقت کے گورنر پنجاب جنرل عتیق الرحمٰن سے ملا اور ان راہنماؤں کی رہائی کے بارے میں گفتگو کی۔ چنانچہ ۲۱ر جنوری کو تمام حضرات رہا کر دیئے گئے۔ [1]

---

[1] محمد صدیق ہزاروی، مولانا: تعارف علماء اہل سنت، ص ۳۴۴

یارسول اللہ کانفرنس

۲۳ مارچ ۱۹۸۴ء کو بادشاہی مسجد، لاہور میں محفلِ قرأت منعقد ہوئی، مصر کے معروف قاری عبدالباسط نے تلاوت کی۔ سامعین میں ہر مکتبِ فکر کے افراد موجود تھے۔ اسی اثنار میں کسی نے نعرۂ رسالت بلند کیا۔ اس کے جواب میں کسی بدبخت نے مُردہ باد کا نعرہ لگایا۔ نعرہ لگانے والے حافظ غلام مُعین الدین کو مارا گیا اور اسے مرزائی کہہ کر پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ [1]

یہ واقعہ جس مسلمان نے بھی سُنا، اُس کا خون کھول اٹھا، اس سے بڑھ کر محبوب ربّ العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گستاخی اور توہین کیا ہو سکتی ہے؟ کسی معمولی حیثیت رکھنے والی شخصیت کے بارے میں یہ نعرہ لگا کر دیکھئے، اس کے ماننے والے مرنے مارنے پر تُل جائیں گے۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ نبی عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھنے والے اس ناپاک جسارت کی خبر سُن کر برداشت کر جاتے۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص دیکھ سُن کر درگزر کر جانا از روئے ایمان ناقابلِ معافی جُرم ہے اور مفتیٔ عشق کے نزدیک ایسا کرنا دین و ایمان کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔ مشہور صحافی جناب انور قدوائی نے بالکل صحیح لکھا:

> علامہ محمود احمد رضوی نے جس بات پر عَلَمِ احتجاج بلند کیا تھا، وہ اہم ترین اور سنگین مسئلہ تھا، جس سے اختلاف بریلوی کیا؟ کوئی کوئی مسلمان بھی نہیں کر سکتا تھا۔ [2]

علامہ سید محمود احمد رضوی نے بروقت اس واقعہ کا نوٹس لیا اور یکم اپریل

---

[1] محمود احمد رضوی، علامہ سید: ماہنامہ رضوان، لاہور، شمارہ اپریل، مئی ۱۹۸۴ء ص ۳

[2] انور قدوائی: " " " (جون ۱۹۸۴ء) ص ۴ (بحوالہ نوائے وقت لاہور)

کو علماء اہل سُنّت کی ایک میٹنگ بُلاکر مجلس عمل علماء اہل سُنّت قائم کر دی، جس کے صدر علامہ موصوف، نائب صدر علامہ الٰہی بخش ضیائی اور سیکرٹری جنرل علامہ شمس الزماں قادری مقرر کیے گئے۔ اسی اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ ۱۲ر اپریل ۱۹۸۴ء کو حزب الاحناف، لاہور میں یارسول اللہ کانفرنس منعقد کی جائے۔ اس کانفرنس میں ملک بھر کے ہزاروں علماء و مشائخ اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ سامعین نے شرکت کی۔ [۱]

حضرت علامہ نے ایک پریس کانفرنس میں حکومت سے مطالبہ کیا:

۱۔ شاہی مسجد کے خطیب کو ہٹایا جائے

۲۔ گستاخِ رسول کو گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دی جائے

۳۔ سُنّی اوقاف علیحدہ قائم کیا جائے۔

انہوں نے حکومت سے کہا کہ ۲۰ر مئی تک ہمارے مطالبات تسلیم کرلیے جائیں۔ ورنہ وہ ۲۱ر مئی کو بادشاہی مسجد میں یارسول اللہ کانفرنس کریں گے۔ [۲]

اس کے مقابل دیوبندی علماء کی طرف سے اسی تاریخ کو شاہی مسجد میں محمد رسول اللہ کانفرنس کا اعلان کیا گیا۔ ان کی طرف سے کہا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کی توہین کرنے والا کافر ہے۔ اور یہ کہ شاہی مسجد میں ایسا مذموم نعرہ کسی نے نہیں لگایا۔

دراصل بریلوی اور دیوبندی علماء کے نزدیک بالاتفاق توہینِ رسالت کفر ہے، اختلاف اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے توہین کی ہے لہٰذا وہ کافر ہے۔ اس موقع پر علماء دیوبند کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ اوّل تو انکار کر دیتے

---

[۱] شبیر احمد ہاشمی، مولانا: ماہنامہ رضوان، لاہور (اپریل مئی ۸۴ء) ص ۱۶-۱۵

[۲] انور قادری: ماہنامہ رضوان، لاہور (جون ۱۹۸۴ء) ص ۵

تھے کہ پاکستان میں ایمان کی طاقت کمزور ہوگئی ہے اور یہ کہ روسی ٹینکوں پر بیٹھ کر پاکستان آئیں گے، ان کے خواب بکھر گئے ہیں، اور مسلمانوں نے ایسے سب افراد پر واضح کر دیا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے ماننے والوں کا ایمان ابھی تک قائم ہے اور اس ملک میں کسی کو اسلام کے خلاف بات کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی[1]

بعض لوگ خطرہ محسوس کر رہے تھے کہ ممکن ہے مخالفین رات کو پھر شرارت کرنا چاہیں، مگر بادشاہی مسجد میں موجود رسول اکرم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شیدائی ہر خطرے سے بے نیاز علماء کے خطابات سننے میں مصروف تھے۔ استاذ الاساتذہ حضرت علامہ عطا محمد بندیالوی مدظلہ امیر جماعت اہل سنت پاکستان، پیرانہ سالی کے باوجود آخر تک کرسیٔ صدارت پر رونق افروز رہے، اور آخر میں خطاب بھی کیا۔ مولانا مفتی محمد افضل گجراتی اور مولانا مظفر اقبال (لاہور) نے اس موقع پر بڑے جرأت مندانہ کردار کا مظاہرہ کیا۔ زندہ دلانِ لاہور نے نماز عشاء کے بعد اپنی روایتی آن بان کے ساتھ کانفرنس میں شرکت کی۔

اس تحریک کا اثر یہ ہوا کہ شاہی مسجد کے واقعہ پر پورے ملک میں شدید غم و غصے کا اظہار کیا گیا، لیکن حکومت کے ہاں کوئی شنوائی نہ ہوئی۔۔۔ البتہ ہائی کورٹ کے جج کی سربراہی میں اس واقعہ کی تحقیق کے لئے ایک ٹریبونل قائم کر دیا گیا، جس نے کئی ہفتے کارروائی جاری رکھی، دو سو سے زائد گواہوں نے اپنے بیانات قلمبند کرائے۔ گواہوں نے نہ صرف یہ بتایا کہ ایسا مذموم واقعہ رونما ہوا ہے، بلکہ اس شخص کی نشان دہی بھی کی۔ آخر میں فیصلہ محفوظ کر دیا گیا اور منظرِ عام پر لانے سے گریز کیا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ضیاء حکومت کا مقصد صرف

---

[1] انور قدوائی: ماہنامہ رضوان (جون ۱۹۸۴ء) ص ۵

عوام الناس کا جوش و خروش ٹھنڈا کرنا تھا۔

مجلسِ عمل علماء اہل سنت نے اعلان کیا کہ اپنے مطالبات کی حمایت میں ۲۲ نومبر ۱۹۸۵ء کو حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے عرس مبارک کے موقع پر دارالعلوم حزب الاحناف میں یارسول اللہ کانفرنس منعقد کی جائے گی اور حکومت کی بے حسی پر زبردست احتجاج کیا جائے گا۔ اس دن حضرت داتا صاحب کے عرس مقدس میں حاضری دینے والوں نے یہ واقعہ چشمِ حیرت سے دیکھا کہ پولیس نے حزب الاحناف کا زبردست محاصرہ کر رکھا ہے۔ مین روڈ پر بڑے بڑے ٹینکر کھڑے کر کے راستہ بند کیا ہوا تھا اور پولیس مین کندھے سے کندھا ملائے اس طرح کھڑے تھے، جیسے نمازی کھڑے ہو کر باجماعت نماز ادا کرتے ہیں۔ کسی کو حزب الاحناف کے اندر جانے کی اجازت نہ تھی، البتہ باہر جانے والوں کو روکا نہیں جاتا تھا۔ غالباً اوپر سے یہی حکم تھا۔

علمائے اہل سنت حزب الاحناف میں سر جوڑے بیٹھے تھے۔ انتظامیہ کسی صورت میں کانفرنس کی اجازت دینے کے لئے تیار نہیں تھی۔ آخر ایک عجیب و غریب فیصلہ کیا گیا۔ علماء اہل سنت ایک ایک کر کے باہر نکلے۔ اُستاذ العلماء حضرت مولانا علامہ عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ، صاحبزادہ حاجی فضل کریم مدظلہ اور دیگر علماء باہر نکلتے گئے، پولیس نے حسب معمول کوئی مزاحمت نہ کی۔ علامہ سید محمود احمد رضوی باہر نکلے تو انہوں نے سر پر رومال لپیٹا ہوا تھا۔ پولیس کا عملہ انہیں پہچان ہی نہ سکا۔ جونہی یہ حضرات پولیس کے گھیراؤ سے نکلے، مولوی محمد شفیع رضوی، عبدالستار غازی، میاں زبیر احمد قادری اور دوسرے سُنی جوشیلے جوانوں نے انہیں اپنے گھیرے میں لے لیا اور نعرۂ تکبیر و رسالت کی گونج میں حضرت داتا صاحب علیہ الرحمہ کے مزار کی طرف روانہ ہو گئے۔ اب

پولیس کے عملے کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، لیکن معاملہ اُن کے اختیار سے باہر ہو چکا تھا
یہ حضرات جب مزار شریف کے احاطے میں پہنچے، تو عُرس شریف کے اجلاس کی ایک
نشست جاری تھی۔ نوجوانوں نے آگے بڑھ کر سٹیج پر قبضہ کر لیا اور اس طرح حاطہ
مزار میں یا رسُول اللہ کانفرنس کا آغاز ہو گیا۔

کانفرنس کے منتظمین کو پتا چلا کہ مولانا مفتی محمد افضل گجراتی کو پولیس گرفتار
کر کے لے گئی ہے۔ اسٹیج سے اعلان کیا گیا کہ اگر ایک گھنٹے تک مفتی صاحب کو
رہا کر کے داتا صاحب کے مزار شریف پر نہیں پہنچایا گیا، تو نتائج کی ذمہ داری
حکومت پر ہو گی۔ ایک گھنٹے سے پہلے ہی مفتی صاحب سٹیج پر پہنچ چکے تھے۔
نمازِ عشاء سے پہلے مولانا احمد علی قصوری نے اعلان کیا کہ نماز کے بعد ہم
حزب الاحناف جا کر یا رسُول اللہ کانفرنس منعقد کریں گے۔ پولیس کے عملہ کو
چاہیئے کہ راستہ صاف کر دے، ورنہ ہرچہ بادا باد۔ ہم کسی بھی ناخوشگوار صورتحال
کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ نماز عشاء کے بعد جب داتا صاحب علیہ الرحمہ
کے مزارِ مبارک سے اہل سنّت کا سیلِ رواں، روانہ ہوا تو پولیس کا کہیں
نام و نشان تک نہ تھا۔

قابلِ توجہ نکتہ

اس تمام تفصیل کو سامنے رکھتے ہوئے کہئے دیجیے:

۱۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے نام پر حاصل
کیے گئے ملک میں توہینِ رسالت کے مجرم کو قرار واقعی سزا نہ دے کر ضیاء حکومت
نے اِسلامیانِ پاکستان سے انصاف نہیں کیا۔

۲۔ عوامِ اہل سُنّت نے ہر موقع پر غیرتِ ایمانی اور جذبۂ جاں نثاری کا ثبوت

دیا ہے ۔ تحریکِ پاکستان، تحریکِ ختمِ نبوت، تحریکِ نظامِ مصطفےٰ اور یارسول اللہ کانفرنس، جب بھی انہیں بلایا گیا، وہ کفن بردوش اور سربکف میدان میں نکل آئے ۔ سُنّی کانفرنس ملتان ہو یا سُنّی کانفرنس رائیونڈ، قائدین کی پکار پر دیوانہ وار لبیک کہتے ہوئے حاضر ہو گئے ۔ اب اگر قوم کے خون کو گرم نہیں رکھا گیا ۔ ان کے جذبۂ بے تاب کو رنگِ دوام نہیں دیا گیا تو اس میں عوام کا قطعاً کوئی قصور نہیں ہے ۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر محلے میں ہمارا تربیتی مرکز قائم ہو، جہاں عوام الناس، خصوصاً نوجوانوں کو اعتقادی، عملی، رُوحانی، اخلاقی اور سیاسی تربیت دی جائے ۔ جب تک یہ عمل تسلسل کے ساتھ جاری نہیں کیا جاتا، اس وقت نہ تو عوام کا شعور بیدار ہو سکتا ہے اور نہ ہی نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ کا خواب عملی جامہ پہن سکتا ہے ۔

حضرت علامہ رضوی مدظلہ ۱۹۸۱ء سے ۳۱ر اپریل ۱۹۸۴ء تک اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر رہ چکے ہیں ۔ کئی سال رویتِ ہلال کمیٹی کے چیئرمین بھی رہ چکے ہیں ۔

اولاد

حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی، اولاد کے سلسلے میں بھی خوش قسمت واقع ہوئے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں صاحبزادیاں اور صاحبزادے عطا فرمائے ہیں ۔ صاحبزادوں میں سے سید مصطفےٰ اشرف رضوی بڑے ہونہار اور باصلاحیت نوجوان ہیں، جن کے بارے میں توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے قابلِ صد فخر آباؤ اجداد کے مسند نشین ہوں گے ۔ اس لئے بہتر ہے کہ

انہیں موجودہ دور کے جلیل القدر اساتذہ، خصوصاً ملک المدرسین حضرت مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ العالی کی خدمت میں حاضر ہو کر خوشہ چینی کا موقع فراہم کیا جائے۔

فیوض الباری فی شرح صحیح البخاری

علامہ سید محمود احمد رضوی مدظلہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے، وہ قلم و قرطاس کی اہمیت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ تحقیق کا مادہ ان کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ ان کی تمام تصانیف علم و تحقیق کا بہترین شاہکار اور افادیتِ عامہ کی حامل ہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ ان کی جملہ تصانیف عوام و خواص میں مقبولیت کی سند حاصل کر چکی ہیں۔ ان کی تصانیف کے نام اس سے پہلے بیان کیے جا چکے ہیں۔ اس وقت ان کی اہم تصنیف لطیف فیوض الباری کا مختصر تعارف پیش کرنا مقصود ہے۔

فیوض الباری کا اندازِ بیان یہ ہے:

۱۔ ہر حدیث کا با محاورہ اور سلیس اُردو ترجمہ کیا گیا ہے۔

۲۔ الفاظ حدیث کی لغوی تحقیق پیش کی گئی ہے۔

۳۔ حدیث سے مستنبط ہونے والے احکام و مسائل کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

۴۔ ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فقہی اختلافات کی تفصیل، پھر روشن دلائل سے مذہب حنفی کی ترجیح اور تحقیق۔

۵۔ مسلکِ اہلِ سنّت کو مدلّل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ شیعہ، وہابیہ، دیوبندیہ اور منکرینِ حدیث کے اعتراضات اور شکوک و شبہات کے معقول اور مسکت جوابات دیئے ہیں۔

۶ — امام بخاری اکثر و بیشتر احادیث کی پوری سند بیان کرتے ہیں۔ فیوض الباری میں اختصار کے پیش نظر سندوں کا ذکر نہیں کیا گیا۔

۷ — امام بخاری ایک ہی حدیث کو مختلف ابواب میں بیان کر جاتے ہیں۔ فیوض الباری میں ابواب کے عنوانات تو باقی رکھے گئے ہیں، لیکن حدیث کو ایک ہی جگہ بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے اور اسی جگہ اس سے مستنبط ہونے والے احکام و مسائل بیان کر دیئے ہیں۔

۸ — حسبِ ضرورت راویوں کے مختصر احوال بیان کر دیئے ہیں۔

۹ — ابتدا میں مفصّل مقدّمہ ہے، جس میں حجیّتِ حدیث، مقامِ رسول، عہدِ نبوی، عہد تابعین میں حدیث کی حفاظت و کتابت وغیرہ امور پر پُرمغز علمی گفتگو کی گئی ہے نیز امام بخاری کا تذکرہ مختصر، مگر دلکش انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ علمِ حدیث کی چند ضروری اصطلاحات بھی بیان کی گئی ہیں۔

۱۰ — فیوض الباری، بخاری شریف کی جامع شرح ہے، جس میں شروح بخاری عُمدۃ القاری، فتح الباری، کرمانی اور ارشاد الساری کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں تفاسیر، کتبِ فقہ و عقائد سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ خصوصًا اعلیٰ حضرت، امام اہلِ سنّت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے فتاوٰی رضویہ سے بھرپور فیض حاصل کیا گیا ہے۔

فیوض الباری کو جلیل القدر محدثین نے دادِ تحسین سے نوازا ہے — قومی اخبارات نے شاندار تبصرے کئے ہیں۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں،

غزالیٔ زماں حضرت علامہ سیّد احمد سعید کاظمی قدس سرہ فرماتے ہیں،

بخاری شریف کی ایک بلند پایہ شرح جن خوبیوں کی حامل ہو سکتی ہے، وہ تمام خوبیاں ”فیوض الباری“ میں پائی جاتی ہیں . . .

اکثر و بیشتر اُردو تراجم میں جو کمزوریاں اور نقائص پائے جاتے ہیں۔ الحمدللہ! فیوض الباری کا دامن اُن سے پاک ہے۔ اس کا مطالعہ صرف عوام کے لئے نہیں، بلکہ خواص اہلِ علم، طلبا۔ اور مدرسین کے لئے بھی نہایت ہی مفید ہے۔

فاضل مؤلف نے یہ کتاب لکھ کر وقت کے اہم تقاضے کو پورا کیا ہے اور ان کی یہ گراں مایہ تالیف اہلِ سُنّت پر ایسا احسانِ عظیم ہے، جس کو ہماری نسلیں بھی فراموش نہیں کر سکتیں۔ حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی، مؤلف فیوض الباری، اپنی اس قابلِ قدر تالیف پر یقیناً شکریہ اور مبارکباد کے مستحق ہیں۔ ؎

حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری مدظلہ (کراچی) فرماتے ہیں:

اس کتاب نے از اوّل تا آخر دریائے علمِ حدیث کو کوزے میں بند کر دیا ہے اور حدیث پاک کی وہ خدمت کی ہے جس کے متعلق سرکارِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَاَدَّاهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرِ فَقِيْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ۔ (مشکوٰۃ، ص ۳۵) اللہ تعالیٰ اس بندے کو حُسن و رونق عطا فرمائے، جس نے میری حدیث سُنی اور اس کو یاد کیا اور اسے سمجھا اور ادا کیا، اس لئے کہ بہت سے علم اٹھانے والے عالم نہیں اور بہت سے علم کے حامل اسے سناتے ہیں، جو اس سے زیادہ فقیہ ہے۔

؎ احمد سعید کاظمی، علامہ سید: تقریظ فیوض الباری، ج ۴، ص ۱۶۸

الغرض علامہ سید محمود احمد رضوی زید مجدہٗ نے فہم و افہام و تفہیم و اتقان و تلقین کا حق ادا کر دیا ہے اور حقائق و معارفِ حدیث کے دریا بہا دیئے ہیں اور مشککین کے شکوک و شبہات کو دفع کر کے مذہب حنفیہ و عقائدِ اہل سنت و جماعت کی خوب اور بہت خوب خدمت کی ہے[1]

۲۷ جولائی ۱۹۵۹ء کو روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور کے تبصرہ نگار نے پہلی جلد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

آج کے دور میں اکثر تصانیف محض پرانے مصنفین کی محنتوں کو نئے قالب میں ڈھال کر پیش کی جاتی ہیں اور ایک روش یہ ہو گئی ہے کہ نئے مصنفین، اس محنت، کاوش، وسیع مطالعہ اور عمیق فکر سے کام نہیں لیتے جو کسی تصنیف کو مکمل بنانے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اس ماحول میں " فیوض الباری" ایک ایسی نئی تصنیف نظر آتی ہے، جس میں مصنف نے وسعتِ علم کے فن پر عبور کے علاوہ محنت کا ثبوت دیا ہے جس سے اس کی افادیت علماء اور عوام سب کے لئے یکساں ہو گئی ہے[2]

روزنامہ جنگ، شمارہ ۱۱ ستمبر ۱۹۶۱ء میں تبصرہ نگار تیسری جلد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ترجمہ و تشریح علمی لحاظ سے بہت بلند اور زبان کے لحاظ سے نہایت سلجھا ہوا ہے۔ حضرت مؤلف کا اندازِ تحریر مدرسانہ، فقیہانہ اور ناصحانہ ہے۔ ان کی تحریر میں تعصب، عناد اور کرختگی نہیں، بلکہ اکثر مقامات پر فروعی مسائل پر تشدد کرنے والوں کو خوفِ خدا یاد دلایا گیا ہے۔[3]

---

[1] عبد المصطفیٰ ازہری، علامہ: تقریظ فیوض الباری، ج ۵، ص ۲

[2] فیوض الباری: ج ۳، ص ۳

[3] ایضاً: ج ۶، ص ۲

اِن آرار اور تبصروں کے بعد راقم کی رائے کیا حیثیت رکھتی ہے — ؟ ہاں!
یہ دُعا ضرور ہے کہ مولا کریم حضرت علامہ کا سایہ تا دیر سلامت رکھے اور اس شرح کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے صاحبزادوں کو علم دین میں کمال حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ اپنے آبار کی مسند کو سنبھال سکیں۔

آخر میں یہ بیان کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ علامہ سید محمود احمد رضوی کا سلسلۂ حدیث ایک واسطہ سے اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ تک پہنچتا ہے، کیونکہ آپ کے والد ماجد قدس سرہ کو امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ سے اجازت وخلافت تھی —— اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ تک چار واسطے ہیں — علامہ ابو البرکات سید احمد قادری، امام المحدثین مولانا سید محمد دیدار علی شاہ، حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مُراد آبادی اور سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدست اسرارہم۔

۱۴ر ذوالحجہ ۱۴۰۷ھ
۱۰ر اگست ۱۹۸۷ء

محمد عبدالحکیم شرف قادری

حضرت شیخ الحدیث مولانا علامہ ولی النبی رحمہ اللہ تعالیٰ

جامع معقولات و منقولات، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا علامہ ولی النبی رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء میں بمقام بیکا شریف ضلع مردان میں پیدا ہوئے۔ چار سال کی عمر میں والد ماجد غلام حیدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا سایہ شفقت سر سے اٹھ گیا۔ چھ سال کی عمر میں اسلامیہ مڈل سکول نوشہرہ میں داخل کرا دیئے گئے۔ چونکہ آپ کے خاندان کے افراد انگریز کے سخت خلاف تھے، انہوں نے پسند نہ کیا کہ آپ انگریزی سکول میں تعلیم حاصل کریں، اس لئے سکول سے اٹھا لیے گئے اور گھر پر ہی فارسی کی ابتدائی کتب کی تعلیم شروع کی گئی۔ اسی دوران آپ کو سرہند شریف، امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مزار پر حاضری کی سعادت میسر ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد پیر طریقت حضرت سید محمد حسین رحمہ اللہ تعالیٰ سے مشورہ کیا گیا کہ آپ کو کس مدرسہ میں داخل کرایا جائے؟ انہوں نے فرمایا کہ دیوبند اور سہارنپور کے مدارس میں تو ہرگز داخل نہ کرایا جائے؟ البتہ دار الخیر اجمیر شریف کے مدرسہ معینیہ عثمانیہ میں داخلہ مناسب رہے گا۔

۱۹۲۶ء میں مدرسہ معینیہ عثمانیہ میں حضرت علامہ مولانا معین الدین اجمیری اور ان کے بعد صدر الشریعہ حضرت مولانا محمد امجد علی اعظمی قدس سرہٗ مصنف بہار شریعت کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور بیس سال کی عمر میں اس وقت کے مروج علوم عقلیہ و نقلیہ پڑھ کر سند فراغت حاصل کی، ان جلیل القدر اساتذہ کے علاوہ مولانا امتیاز احمد، مولانا عبد المجید، مولانا عبد الحی اور مولانا عبد اللہ قندھاری سے بھی علمی استفادہ کیا۔ اس دور میں حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی، حضرت پیر ہاشم جان مجددی سرہندی، حیدر آباد منتہی طلباء میں سے تھے، جبکہ مولانا منتخب الحق صدر کلیہ اسلامیہ کراچی یونیورسٹی، علامہ عبد المصطفیٰ ازہری اور عبد الشاہد خان شروانی، مولف باغی ہندوستان، آپ کے ہم سبق ساتھی تھے۔

مدرسہ معینیہ عثمانیہ میں دستور یہ تھا کہ طلبہ کا امتحان لینے کے لئے اکابر علماء تشریف لاتے۔ ایک دفعہ علی گڑھ کالج کے شعبۂ دینیات کے صدر اور امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے خلیفہ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری قدس سرہٗ مصنف المبین تشریف لائے۔ جب مولانا علامہ ولی النبی کی باری آئی، تو ممتحن صاحب نے بخاری شریف کا امتحان شروع کرتے ہوئے فرمایا: جہاں سے پسند کریں کتاب کھول لیں۔ علامہ ولی النبی نے عرض کیا، آپ جہاں سے چاہیں امتحان لے لیں، میرے لئے تمام کتاب ایک جیسی ہے، چنانچہ بخاری شریف کا مختلف مقامات سے امتحان لیا گیا۔ اُستاذِ محترم مولانا معین الدین اجمیری بھی پاس ہی بیٹھے ہوتے تھے۔ علامہ ولی النبی نے تمام سوالات کے تسلی بخش جوابات دیئے۔ اُستاذِ محترم مولانا معین الدین اجمیری نے خوش ہو کر فرمایا، مولوی ولی النبی نے آج میری لاج رکھ لی ہے۔ اگر ولی النبی نہ ہوتے، تو میں مدرسہ کو سال بھر کی تنخواہ واپس کر دیتا۔

حضرت علامہ ولی النبی سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں سورت کے پیرِ طریقت حضرت غلام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے مرید تھے اور آپ کو مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مصطفےٰ رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے سندِ حدیث اور سندِ خلافت حاصل تھی۔

حضرت مولانا ولی النبی نے تدریس کا آغاز پیر و مُرشد کے بچوں کو پڑھانے سے کیا۔ ایک دن مرشدِ گرامی نے بتایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ سرہند شریف میں منبر شریف پر بیٹھ کر حدیث شریف پڑھ رہے ہیں۔ مجلس میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اور دوسرے اولیاء کرام تشریف فرما ہیں اور حدیث شریف سُن رہے ہیں۔

"میں تمہیں خوشخبری سُناتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حدیث پڑھانے کی توفیق عطا فرمائے گا۔"

چنانچہ آپ نے تقریباً بائیس سال تک جامعہ قادریہ رضویہ، فیصل آباد میں

درسِ حدیث دیا۔ حضرت علامہ نے مدرسہ حنفیہ رضویہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ، انوار العلوم ملتان، جامعہ رضویہ، فیصل آباد، اور آخر میں جامعہ قادریہ رضویہ، فیصل آباد میں تمام مروجہ کتب اور حدیث شریف کا درس دیا۔

ایک دفعہ آپ کچھ عرصہ جامعہ قادریہ، فیصل آباد تشریف نہیں لائے تو جامعہ کے ناظمِ اعلیٰ مولانا معین الدین شافعی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے فرمایا:
معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی آپ کے جامعہ پر خاص نظرِ کرم ہے۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ بریلی شریف حاضر ہوں، اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ حدیث شریف پڑھا رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر فرمایا:
"ولی النبی! آپ جامعہ قادریہ میں دورۂ حدیث پڑھانے کے لئے ضرور جائیں"

حضرت علامہ کے فیض یافتہ علماء کی فہرست بہت طویل ہے۔ چند تلامذہ کے نام درج کئے جاتے ہیں:

(۱) مولانا عبد القادر شہید، بانی جامعہ قادریہ رضویہ، فیصل آباد (۲) عالمی مبلغِ اسلام مولانا محمد ابراہیم خوشتر (۳) مولانا مفتی محمد حسین، سکھر (۴) مولانا سید دلبر حسین شاہ، (۵) حضرت مولانا مفتی محمد امین، بانی جامعہ امینیہ رضویہ، فیصل آباد (۶) مولانا حافظ محمد احسان الحق رحمہ اللہ تعالیٰ، فیصل آباد (۷) حضرت مولانا محمد حیات، بجیرہ، آزاد کشمیر (۸) حضرت مولانا نور عالم مدرس جامعہ قادریہ رضویہ، فیصل آباد (۹) برادرِ محترم محمد عبد الغفار ظفر صابری، فیصل آباد (۱۰) مولانا ابو المحمود شاہ محمد نشتر، انگلینڈ، (۱۱) مولانا مفتی محمد حسین مہتمم جامعہ حنفیہ رضویہ عباس پور، آزاد کشمیر (۱۲) مولانا محمد افضل کوٹلوی، ناظم جامعہ قادریہ رضویہ، فیصل آباد (۱۳) مولانا احمد حسین قاسم الحیدری، آزاد کشمیر

حضرت علامہ اگرچہ ذکر و فکر میں مشغول رہنے والے پیرِ طریقت اور علومِ دینیہ کے مایہ ناز مدرس تھے اور عملاً سیاست سے الگ تھلگ رہے، لیکن تحریک پاکستان اور صوبہ سرحد

کے ریفرنڈم میں بھرپور حصہ لیا اور اپنے حلقہ ارادت کو پاکستان کی حمایت پر کمربستہ کیا۔
عام روش کے برعکس حضرت علامہ نے تاریخ عالم اور خاص طور پر اسلامی ممالک میں اُٹھنے والی تحریکوں اور تاریخ پاک و ہند کا گہری نظر سے وسیع مطالعہ کیا تھا۔ عربی اور فارسی اور اُردو ادب کا مطالعہ بھی بہت وسیع تھا۔ مختلف زبانوں کے سینکڑوں اشعار نوکِ زبان رہتے تھے۔ راقم کئی دفعہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی شیریں بیانی اور اخلاقِ کریمانہ سے مستفیض ہوا۔ مردان سے تعلق رکھنے کے باوجود سلیس اُردو میں گفتگو فرماتے تھے
زمانہ طالب علمی میں علامہ جمال الدین افغانی کی کتاب القضاء والقدر کا اُردو میں ترجمہ کیا تھا۔ زندگی کے آخری سالوں میں حضرت اخوند عبد الغفور صاحب سوات رحمہ اللہ تعالیٰ کے مُرشد حضرت شیخ محمد شعیب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف مرآۃ الاولیاء کا ترجمہ کیا۔ تا حال یہ تراجم طبع نہیں ہو سکے۔

۲۱ر شوال ۲۹ر جون ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء بروز اتوار اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ آپ کے بڑے بھائی مولانا علامہ محمد حبیب النبی رُوحانی اور جسمانی معالج ہیں۔
آپ کے تین صاحبزادے ہیں، (۱) محمد طارق (۲) محمد وقار النبی (۳) محمد اظہر۔
مولانا محمد افضل کوٹلوی اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تھے محدث، مفسر، مدرس، فقیہ — پیکرِ علم و حکمت، ولی النبی
بزمِ اہلِ تصوف کے رُوحِ رواں — شمعِ بزمِ طریقت، ولی النبی
غم نہ ہو کیوں زمانے کو افضل کہ تھے
نازشِ مُلک و ملت، ولی النبی[1] رحمہ اللہ تعالیٰ ورضی عنہ

[1] اس مقالہ میں جناب صاحبزادہ مسعود انور عرف وقار النبی اور مولانا ریاض احمد طاہر سعیدی کے مضامین سے استفادہ کیا گیا ہے روزنامہ سعادت، فیصل آباد، شمارہ ۸ اگست ۱۹۸۶ء

فدائے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

امام علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی قدس سرہٗ

دنیا دارِ فنا ہے، جو پیدا ہوا اُسے ایک نہ ایک دن یہاں سے رختِ سفر باندھنا ہے کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں، جو خود تو چلے جاتے ہیں، لیکن اپنی یاد ہمیشہ کے لئے چھوڑ جاتے ہیں۔ یہ دل آویزی اور یہ محبوبیت صرف ان بندگانِ خدا کے حصے میں آتی ہے جو اپنی زندگی اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیبِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری میں بسر کرتے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جمال و کردار کے تذکرے اور آپ کے دینِ متین کی حفاظت و تبلیغ میں صرف کر دیتے ہیں، علامہ نبہانی قدس سرہٗ اسی قدسی گروہ کے ایک فرد تھے۔

اُستاذ الاساتذہ مولانا علامہ الحاج عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ العالی نے ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی، امام احمد رضا بریلوی اور علامہ نبہانی رحمہم اللہ تعالیٰ کا وصف مشترک یہ تھا کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں بسر کی اور تا حیات عشق رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا درس دیتے رہے۔ دینِ اسلام کی خدمت ان کا سرمایۂ حیات تھا اور حدیث شریف کی تبلیغ و اشاعت ان کا وظیفۂ زندگی تھا۔

حضرت علامہ یوسف بن اسماعیل بن یوسف بن اسماعیل بن محمد ناصر الدین نبہانی رحمہم اللہ تعالیٰ فلسطین کی شمالی جانب واقع قصبہ اجزم میں جو کہ اس وقت حیفا کی حدود میں واقع ہے، تقریباً ۱۲۶۵ھ / ۹ - ۱۸۴۸ء میں پیدا ہوئے

اور عرب کے ایک بادیہ نشین قبیلہ بنو نبہان کی نسبت سے نبہانی کہلائے۔ قرآن پاک والدِ ماجد شیخ اسماعیل نبہانی سے پڑھا، وہ اسی سال کے پیٹے میں تھے، اس کے باوجود حواس بالکل صحیح سالم اور صحت بہت عمدہ تھی۔ اکثر اوقات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں صرف کرتے، پہلے وہ ہر روز تہائی قرآن پاک پڑھتے تھے۔ پھر ہر ہفتے میں تین قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے اور یہ اُن پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا کرم تھا۔

پھر علامہ نبہانی جامع ازہر مصر میں داخل ہوئے اور محرم الحرام ۱۲۸۳ھ سے ۱۲۸۹ھ تک تحصیل علم میں مصروف رہے۔ علامہ فرماتے ہیں: میں نے وہاں ایسے ایسے محقق اساتذہ سے استفادہ کیا کہ اگر ان میں سے ایک بھی کسی ولایت میں موجود ہو تو وہاں کے رہنے والوں کو جنت کی راہ پر چلانے کے لئے کافی ہو اور تمام علوم میں لوگوں کو ضروریات کو تنِ تنہا پورا کر دے۔ چند اساتذہ کرام کے نام یہ ہیں:

۱۔ علامہ سید محمد دمنہوری شافعی (م ۱۲۸۶ھ) (۲) علامہ شیخ ابراہیم متصل الزرو (م ۱۲۸۷ھ) (۳) علامہ شیخ احمد الاجہوری شافعی نابینا (م ۱۲۹۳ھ) (۴) علامہ شیخ حسن العدوی المالکی (م ۱۲۹۸ھ) (۵) علامہ شیخ سید عبدالہادی نجا الابیاری (م ۱۳۰۰ھ) (۶) علامہ شیخ شمس الدین محمد الانبابی الشافعی (اس وقت کے شیخ الازہر) (۷) علامہ شیخ عبدالرحمٰن الشربینی الشافعی (۸) علامہ شیخ عبدالقادر الرافعی الحنفی الطرابلسی (شامی پر التحریر کے نام سے ان کا حاشیہ ہے) (۹) علامہ شیخ یوسف برقاوی حنبلی (۱۰) شیخ المشائخ علامہ ابراہیم السقا الشافعی رحمہم اللہ تعالیٰ۔

علامہ نبہانی سب سے زیادہ اپنے استاذ علامہ ابراہیم السقا کے معترف اور مداح دکھائی دیتے ہیں۔ ان سے شیخ الاسلام زکریا انصاری کی شرح اور تحریر اور شرح منہج اور ان پر علامہ شرقاوی اور بجیرمی کے حواشی پڑھے اور تین سال

تک ان سے فیض یاب ہوتے۔ انہوں نے علامہ نبہانی کو سند دیتے ہوئے اِن القاب سے نوازا ہے:

الامام الفاضل والہمام الکامل والجہبذ الابر اللوذعی الاریب والالمعی الادیب ولدنا الشیخ یوسف بن الشیخ یوسف بن الشیخ اسمٰعیل النبہانی الشافعی ایدہ اللہ بالمعارف ونصرہ[1]

اس سے معلوم ہوا کہ اساتذہ کی نظر میں علامہ کی کتنی قدر ومنزلت تھی۔ دوسرا یہ بھی معلوم ہوا کہ علامہ مذہباً شافعی تھے۔

جب علامہ نبہانی قدس سرہٗ کے علم وفضل کا چرچا ہوا، تو بیروت میں محکمۃ الحقوق العلیا (وزیر انصاف) مقرر کر دیئے گئے۔ ایک عرصہ تک اس منصب پر فائز رہے۔ آخر عمر میں انہوں نے اپنے اوقات عبادت اور تصنیف وتالیف کے لئے وقف کر دیئے۔ ایک عرصہ مدینہ طیبہ میں قیام پذیر رہے۔

حضرت علامہ نبہانی قدس سرہٗ نے اپنی دیگر مصروفیات کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کی تمام تصانیف مفید ہیں اور مقبولیت عامہ کی سند حاصل کر چکی ہیں، اور ایسا کیوں نہ ہو، جبکہ ان کی تمام تصانیف حدیث شریف اور اس کے متعلقات سے وابستہ ہیں۔ حدیث شریف کے علاوہ انہوں نے اِن موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے:

سیرت مبارکہ، علم الاسانید، اکابر علماء ومشائخ کا تذکرہ، درود شریف اور بارگاہِ رسالت میں پیش کئے جانے والے قصائد، جو خود علامہ نے لکھے یا مذاہب اربعہ

---

[1] یہاں تک کے حالات علامہ نبہانی قدس سرہٗ کے خود نوشت ہیں جو الشرف المؤبد لآل محمدؐ عربی کے آخر اور شواہد الحق کی ابتداء میں ملحق ہیں۔

کے متقدمین اور متاخرین علماء نے لکھے، اُن کی تصانیف کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ تمام کتابیں چھپ چکی ہیں، بلکہ بعض کتابوں کے تو کئی کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔

حضرت علامہ نبہانی قدس سرہ نے سات سو پچاس اشعار پر مشتمل قصیدۃ الرائیۃ الکبریٰ لکھا، جس میں دینِ اسلام اور دیگر ادیان کا تقابل پیش کیا ہے۔ بالخصوص عیسائیت کا تفصیلی رد کیا ہے، کیونکہ آئے دن دینِ اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے رہتے تھے۔ دوسرا قصیدۃ الرائیۃ الصغریٰ پانچ سو پچاس اشعار پر مشتمل لکھا، جس میں سُنّتِ مبارکہ کی تعریف و توصیف اور بدعت کی مذمت کی اور ان اہلِ بدعت مُفسدین کا بھرپور رَدّ کیا جو اجتہاد کا دعویٰ کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی زمین پر فساد برپا کرتے ہیں۔

ان قصائد کو آڑ بنا کر بعض کفار اور منافقین نے سُلطان عبدالحمید سُلطانِ ترکی کے کان بھرے کہ علامہ نبہانی ان قصائد کے ذریعے تمہاری رعایا میں انتشار پھیلا رہے ہیں۔ چنانچہ ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں جب علامہ مدینہ طیبہ پہنچے، تو انہیں شاہی حکم کے تحت نظر بند کر دیا گیا۔ علامہ فرماتے ہیں:

حُبِسْتُ فِی الْمَدِیْنَۃِ مُدَّۃَ اُسْبُوْعٍ لٰکِنْ بِالْاِکْرَامِ وَالْاِحْتِرَامِ[1]

"مجھے مدینہ طیبہ میں ایک ہفتے کے لئے نظر بند کر دیا گیا، لیکن عزت و احترام کے ساتھ۔"

قطبِ وقت حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ خلیفہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے جو اس واقعہ کے شاہد ہیں۔ یہ واقعہ تفصیل سے بیان فرمایا اور مولانا الحاج محمد منشا تابش قصوری مدظلہ نے اسے قلمبند کیا۔ انہی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"ایک دفعہ سُلطان عبدالحمید نے مدینہ منورہ کے گورنر بصری (پاشا) کو

---

[1] یوسف بن اسماعیل نبہانی، علامہ: الدلالات الواضحات، ص ۱۳۹

علامہ یوسف نبہانی کی گرفتاری کا حکم دیا۔ گورنر بصری علامہ کا انتہائی معتقد تھا، آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلطان کا حکم نامہ پیش کیا علامہ یوسف نبہانی ملاحظہ فرماتے ہی گویا ہوتے:

سَمِعْتُ وَقَرَأْتُ وَاَطَعْتُ

"میں نے سُنا، پڑھا اور اطاعت کی۔"

گورنر بصری عرض کرنے لگا: حضرت! گرفتاری تو ایک بہانہ ہے، گورنر ہاؤس تشریف لائیے، آپ میرے ہاں بحیثیت مہمان ہی ہوں گے اس بہانے مجھے میزبانی کا شرف حاصل ہو جائے گا، جو علماء و فضلاء اور مشائخ آپ سے ملاقات کے لئے آئیں گے، وہ بھی میرے مہمان ہوں گے۔ آپ کے عقیدت مندوں پر گورنر ہاؤس کے دروازے ہر وقت کھلے رہیں گے۔ آپ کا گورنر ہاؤس میں قیام قید نہیں، محض سلطان کے حکم کی تعمیل کے لئے ایک حیلہ ہے۔

حضرت علامہ یوسف نبہانی (قدس سرہ) عالمِ اسلام کی ممتاز شخصیت تھے۔ ہم عصر علماء و مشائخ کے اُن کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔ اُن کی گرفتاری کی خبر جنگل کی آگ کی طرح بڑی تیزی سے عالمِ اسلام میں پھیل گئی، خاص و عام سراپا احتجاج بن گئے، مگر علامہ یوسف نبہانی بالکل مطمئن، گھبراہٹ اور پریشانی کا نام تک نہیں تھا، پھر بھی علماء و زعمائے ملت نے ملاقات کے دوران علامہ سے کہا کہ اگر اجازت ہو تو ہم آپ کی رہائی کے لئے سلطان سے اپیل کرتے ہیں۔ علامہ نے فرمایا: اگر آپ کو اپیل کرنا منظور ہے، تو سلطان وقت کی بجائے سلطانِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں صلوٰۃ و سلام کے ساتھ یوں

استغاثہ عرض کریں:

صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَلَّتْ حِیْلَتِیْ اَنْتَ وَسِیْلَتِیْ اَدْرِکْنِیْ یَا سَیِّدِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔

حضرت قطب وقت (مولانا ضیاء الدین مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا:

چنانچہ ہم نے ابھی تین دن ہی اس درود شریف کے ساتھ استغاثہ پیش کیا تھا کہ سلطان عبدالحمید کے گورنر بصری کو پیغام ملا، حضرت الشیخ یوسف النبہانی کو باعزت بری کر دیا جائے۔ [1]

علامہ نبہانی فرماتے ہیں:

"جب حکومت پر واضح ہو گیا کہ میں پورے خلوص کے ساتھ دین اسلام کی خدمت کر رہا ہوں اور دین متین اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے دفاع کر رہا ہوں، تو میری رہائی کا حکم صادر کیا گیا اور حکومت کے ذمہ دار افراد نے گرفتاری پر معذرت کا اظہار کیا" [2]

ان کی تصانیف عالیہ کی فہرست حسب ذیل ہے:

۱۔ الفتح الکبیر فی ضم الزیادات الی الجامع الصغیر، جامع صغیر اور اس کے حاشیہ زیادۃ الجامع الصغیر پر مشتمل ہے۔ یہ دونوں کتابیں چودہ ہزار چار سو پچاس حدیثوں پر مشتمل تھیں۔ علامہ نبہانی قدس سرہ نے انہیں حروف معجم کے مطابق مرتب کیا۔ ہر حدیث کے بارے میں بتایا کہ یہ کس نے روایت کی ہے اور

---

[1] محمد منشا تابش قصوری، مولانا: اغثنی یا رسول اللہ (مکتبہ قادریہ، لاہور) ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء، ص ۱۵

[2] یوسف بن اسماعیل نبہانی، علامہ: الدلالات الواضحات، ص ۱۳۹

ان کا اعراب بھی بیان کیا۔ یہ کتاب مطبع البابی الحلبی واولادہ مصر کی طرف سے تین جلدوں میں علامہ کے وصال کے بعد چھپی۔

۲- منتخب الصحیحین: تین ہزار دس حدیثوں پر مشتمل ہے اور اعراب و حرکات مکمل طور پر لگائے گئے ہیں۔

۳- قرۃ العینین علی منتخب الصحیحین: منتخب الصحیحین پر حاشیہ

۴- وسائل الوصول الی شمائل الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۵- افضل الصلوات علی سید السادات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۶- الاحادیث الاربعین فی وجوب طاعۃ امیر المؤمنین

۷- النظم البدیع فی مولد الشفیع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

۸- الہمزیۃ الالفیہ طیبۃ الغراء فی مدح سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۹- الاحادیث الاربعین فی فضائل سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۱۰- الاحادیث الاربعین فی امثال افصح العالمین

۱۱- قصیدہ سعادۃ المعاد فی موازنۃ بانت سعاد

۱۲- مثال نعلہ الشریف صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۱۳- حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۱۴- سعادۃ الدارین فی الصلوٰۃ علی سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۱۵- السابقات الجیاد فی مدح سید العباد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۱۶- خلاصۃ الکلام فی ترجیح دین الاسلام

۱۷- ہادی المرید الی طرق الاسانید ثبتہ الجامع النافع

۱۸- الفضائل المحمدیہ ترجمہا لبعض السادات العلویۃ باللغۃ الجاویہ

۱۹- الورد الشافی یشتمل علی الادعیۃ والاذکار النبویۃ

۲۰- المزدوجة الغرا فی الاستغاثہ باسماء الحسنیٰ

۲۱- المجموعة النبهانية فی المدائح واسماء رجالها (چار جلدوں میں)

۲۲- نجوم المجتهدين فی معجزاتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والرد علی اعدائہ اخوان الشیاطین

۲۳- ارشاد الحیاری فی تحذیر المسلمین من مدارس النصاری التی اہلکت دین المسلمین

۲۴- جامع الثناء علی اللہ وہو یشتمل علی جملة من احزاب اکابر الاولیاء

۲۵- مفرج الکروب، ویلیہ حزب الاستغاثات، ویلیہ احسن الوسائل فی نظم اسماء النبی الکامل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۲۶- کتاب الاسماء فیما لسیدنا محمد من الاسماء (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

۲۷- البرہان المسدد فی اثبات نبوة سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ودلیل التجار الی اخلاق الاخیار

۲۸- والرحمة المهداة فی فضل الصلاة، وحسن الشرعة فی مشروعیة صلاة الظهر بعد الجمعہ، ورسالہ شہ

۲۹- التحذیر من اتخاذ الصور والتصویر، وتنبیہ الافکار لحکمة اقبال الدنیا علی الکفار

۳۰- سبیل النجاة فی الحب فی اللہ والبغض فی اللہ

۳۱- القصیدة الرائیة الکبریٰ فی مجموعة منہا سعادة الانام فی اتباع دین الاسلام

۳۲- ومختصر ارشاد الحیاری

۳۳- الرائیة الصغریٰ فی ذم البدعة ومدح السنة الغراء

۳۴- جواہر البحار فی فضائل النبی المختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (چار جلدوں میں)

۳۵- تہذیب النفوس فی ترتیب الدروس مختصر ریاض الصالحین للنووی

۳۶- اتحاف المسلم جعلتہ خاصا بما ذکرہ صاحب الترغیب والترہیب من احادیث البخاری ومسلم۔

۳۷- جامع کرامات الاولیاء ومعہ رسالۃ لہٗ فی اسباب التالیف (دو جلدوں میں)

۳۸- دیوان المدائح المسمّی بالعقود اللؤلؤیۃ فی المدائح النبویۃ

۳۹- الاربعین، اربعین من احادیث سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، وہو کتاب نفیس جامع

۴۰- الدلالات الواضحات شرح دلائل الخیرات، ویلیہا المبشرات المنامیۃ

۴۱- صلوات الثناء علی سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۴۲- القول الحق فی مدح سید الخلق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۴۳- الصلوٰت الالفیۃ فی الکمالات المحمدیۃ

۴۴- ریاض الجنۃ فی اذکار الکتاب والسنۃ

۴۵- الاستغاثۃ الکبرٰی باسماء اللہ الحسنٰی

۴۶- جامع الصلوات علی سید السادات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۴۷- الشرف المؤبد لآل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۴۸- الانوار المحمدیۃ مختصر المواہب اللدنیہ

۴۹- صلوات الاخیار علی النبی المختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۵۰- تفسیر قرۃ العین من البیضاوی والجلالین

۵۱- البشائر الایمانیۃ فی المبشرات المنامیۃ

۵۲- الاسالیب البدیعۃ فی فضل الصحابۃ واقناع الشیعۃ۔

علامہ نبہانی قدس سرہٗ اسلام کا درد رکھنے والے اور راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ انہوں نے اپنے زمانے میں دیکھا کہ مسلمان اپنے بچوں کو عیسائی مشنری سکولوں میں داخل کرواتے ہیں، جہاں انہیں انگریزی زبان اور کچھ دنیاوی علوم سکھائے جاتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ بچے، عیسائیوں کی عبادت میں شریک ہوتے ہیں

اس کیفیت نے انہیں شدید اضطراب میں مبتلا کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے ایک رسالہ ارشاد الحیارٰی فی تحذیر المسلمین من مدارس النصارٰی لکھا اور بڑے زوردار انداز میں مسلمانوں کو اس قبیح طریقے سے منع کیا۔ یہ رسالہ ایک مقدمہ، چالیس فصول اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

اس رسالہ میں انہوں نے اپنا ایک نوٹ بھی نقل کیا ہے جو کئی سال پہلے انہوں نے اپنی تصنیف افضل الصلوات علٰی سید السادات (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کے آخر میں لکھا تھا، اس کا عنوان تھا:

"عظیم مصیبت جس کا نوٹس لیا جانا ضروری ہے"۔

فرماتے ہیں:

"فرنگی جو سکول اسلامی ممالک میں کھولتے ہیں، ان میں طالب علم کے داخلے کے لئے اہم ترین شرط یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر دن عیسائی لڑکوں کے ساتھ گرجا جائے گا اور ان جیسے دینی افعال سرانجام دے گا، اگرچہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو اور جسے یہ شرط منظور نہ ہو، اسے وہ داخلہ نہیں دیتے بیروت میں بھی ایسے سکول موجود ہیں اور ان میں مسلمانوں کے کچھ بچے بھی تعلیم حاصل کرتے ہیں، مثلاً مدرسہ یسوعیہ اور مدرسہ المطران المارونیہ ہم اس بنا پر عیسائیوں کو ہدفِ ملامت نہیں بنا سکتے، کیونکہ وہ اپنے مقاصد کے تحت کام کر رہے ہیں، اپنی شرائط صاف صاف بیان کر دیتے ہیں اور کسی کو داخلے پر مجبور نہیں کرتے، البتہ وہ مسلمان ضرور عظیم ملامت کے مستحق ہیں، جو راضی خوشی اپنے بچوں کو ان سکولوں میں داخل کراتے ہیں، بچہ وہیں رہتا اور سوتا ہے اور شرط کے مطابق گرجے میں بھی جاتا ہے میں کہتا ہوں کہ سچا مسلمان اپنی اولاد کو اس خطرے میں صرف اسی صورت

میں داخل کر سکتا ہے کہ یا تو اسے ان شرائط و قواعد کا علم نہیں یا پھر اس بارے میں اسے شرعی حکم معلوم نہیں۔ جہاں تک ان کی شرط کا تعلق ہے، وہ میں نے بیان کر دی ہے تاکہ ہر شخص کو معلوم ہو جائے۔ رہا حکم شرعی تو وہ شریعتِ مبارکہ کی کتابوں میں مذکور ہے اور کسی عالم پر مخفی نہیں ہے۔

میں اس جگہ شفاء شریف سے امام قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں تاکہ ہر کسی کو یہ حکم معلوم ہو جائے اور کسی پر مخفی نہ رہے۔ انہوں نے اپنی کتاب کے آخر میں متعدد امورِ کفریہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

"اسی طرح ہم اُس شخص کو کافر قرار دیں گے، جس سے ایسا فعل سرزد ہو، جس کے بارے میں مسلمانوں کا اجماع ہو کہ وہ کافر ہی سے صادر ہو سکتا ہے، اگرچہ وہ اس فعل کے باوجود، مسلمان ہونے کی تصریح کرتا ہو، مثلاً بُت، سورج، چاند، صلیب اور آگ کو سجدہ کرنا، یہود و نصاریٰ کے ہمراہ ان کی عبادت گاہوں (گرجوں وغیرہ) میں جانا، ان کا لباس پہننا مثلاً زنار (جینو) باندھنا اور سر کا درمیانی حصہ منڈوانا، مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ یہ افعال کافر ہی سے صادر ہو سکتے ہیں اور یہ افعال کفر کی علامت ہیں، اگرچہ ان کا مرتکب مسلمان ہونے کی تصریح کرتا ہو۔"

اس امام کی عبارت کے ظاہر ہونے، دینِ اسلام کے حکم شرعی کے پہچاننے اور ان سکولوں میں داخلے کی شرائط واضح ہو جانے کے بعد کسی مسلمان کے لئے بے خبری کا عذر باقی نہیں رہتا، اس کے بعد بھی جو شخص اپنے بچوں کو ان جیسے سکولوں میں رکھے گا، وہ یقین سے محروم اور دین کے معاملہ میں بے پرواہ واقع ہوا ہے

ہم اللہ تعالیٰ کے غضب سے اس کی پناہ مانگتے ہیں۔ [1]

ایک جگہ عیسائیت کی تبلیغ کے لئے عیسائیوں کے اہتمام، بے پناہ دولت صرف کرنے اور سکولوں کے قیام کے علاوہ دُور دراز دیہات میں جا کر بچوں اور جہلاء کو جمع کر کے پادریوں کا عیسائیت کی تبلیغ کرنے کا ذکر کر کے مسلمانوں کی حالتِ زار پر افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

"ایک طرف عیسائیوں کی یہ حالت ہے، دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر و بیشتر مسلمان اپنے دینِ اسلام کی اشاعت کی پروا نہیں کرتے۔ ان لوگوں کی طرح مال و دولت خرچ نہیں کرتے، اپنے شہروں اور اولاد پر وارد ہونے والے شرک اور شکوک و اوہام کو دُور کرنے کی طرف توجہ نہیں دیتے، کیا یہ قبیح ترین رُسوائی، شدید ترین خسارہ اور خوفناک محرومیت نہیں ہے؟ خصوصاً اس زمانے میں جبکہ کفر، ایمان پر حملہ آور ہے، گمراہی بڑھ چکی ہے اور سرکشی پھیلتی جا رہی ہے۔" [2]

اللہ تعالیٰ نے علامہ نبہانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو نظم و نثر میں حیرت انگیز قدرت عطا فرمائی تھی۔ ان کے بعض قصائد تو کئی کئی سو اشعار پر مشتمل ہیں۔ ایک قصیدہ النظم البدیع فی مولد الشفیع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرض کرتے ہیں:

يَا رَبَّنَا بِجَاهِهِ لَدَيْكَا   إِنَّا تَوَسَّلْنَا بِهِ إِلَيْكَا

مُعْتَمِدِيْنَ رَبَّنَا عَلَيْكَا   وَطَالِبِيْنَ الْخَيْرَ مِنْ يَدَيْكَا

فَاهْدِ الْكُلَّ سَبِيْلَ الرُّشْدِ

"اے اللہ! حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جو عزت و منزلت تیری بارگاہ میں ہے، ہم تیرے دربار میں اس کا وسیلہ پیش کرتے ہیں۔ تجھ پر بھروسہ کرتے ہوئے اور تجھ سے خیر کی دُعا کرتے ہوئے (عرض کرتے ہیں کہ) تو سب کو راہِ ہدایت عطا فرما۔"

---

[1] یوسف بن اسمٰعیل نبہانی، علامہ: ارشاد الحیارٰی (مطبع حمیدیہ، مصر) ص ۶

[2] ایضاً: ص ۵۱

يَارَبِّ وَارْحَمْ أُمَّةَ الْمُخْتَارِ فِي كُلِّ عَصْرٍ وَّ بِكُلِّ دَارٍ
وَاحْرُسْهُمْ مِنْ سَلْطَةِ الْاَغْيَارِ فِي سَائِرِ الْبِلَادِ وَالْاَقْطَارِ
فِي كُلِّ غَوْرٍ وَّ بِكُلِّ نَجْدٍ

"اے اللہ! نبی مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت پر ہر جگہ اور ہر زمانے میں رحم فرما اور اُنہیں تمام شہروں اور اطراف میں ہر بلند اور پست جگہ غیروں کے تسلط سے محفوظ فرما۔

علامہ نبہانی قدس سرہٗ راسخ العقیدہ سُنّی مسلمان اور سچے عاشق رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے، کسی شخص یا گروہ کو بارگاہِ رسالت میں گستاخ اور بے ادب پاتے، تو بے دھڑک اس کی تردید کرتے اور کسی طرح کی رُو رعایت رَوا نہ رکھتے۔ ابن تیمیہ کے علم وفضل اور خدمات کے قائل ہونے کے باوجود اس پر سخت رد کیا۔ فرماتے ہیں:

"مجھ ایسے چھوٹے سے طالب علم کا ابن تیمیہ اور اُس کے دو شاگردوں ابنِ قیم اور ابن عبدالہادی ایسے ائمۂ کبار پر جرأت کرنا ایسا امر ہے کہ اگر اس کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نہ ہوتا تو میں کہتا کہ یہ امر قابلِ ملامت ہے، اسی لئے میں ایک عرصہ تردد اور پس وپیش میں مبتلا رہا، یہاں تک کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا۔ جب میں نے دیکھا کہ ان کی کتابیں پھیل رہی ہیں، تو مجھے یہی مناسب معلوم ہوا کہ ان کے خلاف قدم اٹھایا جائے۔

اگر میں نے ان کے خلاف جرأت کی ہے تو انہوں نے حضور سید الانبیاء اور دیگر انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم اور اولیائے کرام کے حقوق پر جرأت کی ہے اور ان کی زیارت کرنے والے اور ان سے استعانت کرنے والے

ایمان داروں پر جرأت کی ہے اور اُنھیں اس بنا پر گروہِ مشرکین میں سے شمار کیا ہے، ان کی جرأت، دیدہ دلیری، میری جرأت سے کہیں بڑی ہے، ان میں کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔" ؎

ایک جگہ خود یہ سوال اٹھایا ہے کہ ابن تیمیہ وغیرہ کی علمیت ان کے مخالفین کے نزدیک انبیاء و اولیاء کے مزارات کی زیارت کے لیے جمہور مسلمانوں کے سفر اور ان سے استعانت کا بطلان ثابت نہ ہوتا، تو وہ اُنھیں مشرک قرار دینے کی جرأت نہ کرتے اور اس کا جواب یہ دیا:

"ائمۂ بدعت اور اصحابِ بدعت وہوا بھی بڑے بڑے امام اور علماء ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہی میں رہنے دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانتے تھے کہ آپ کی اُمت میں دین کے معاملے میں اختلاف ہوگا، اس لئے ہمیں حکم دیا کہ ہم سوادِ اعظم کا ساتھ دیں۔ سوادِ اعظم جمہور مسلمان ہیں، یعنی مذاہبِ اربعہ (مذہبِ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی) کے متبعین اور ہمارے مشائخ صوفیہ اور اکابر محدثین اُمتِ محمدیہ یہی ہیں اور یہ سب ابنِ تیمیہ کی بدعات کے مخالف ہیں اور ان میں ایسے ایسے حضرات ہیں، جن کا علم اس سے زیادہ، سمجھ زیادہ دقیق، ذوق زیادہ سلیم اور معرفت بہت ہی وسیع ہے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارکہ سے اس وقت تک لاکھوں ایسے حضرات ہوئے ہیں، جو علم و عمل میں من کل الوجوہ اس سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں، کیا وہ تمام بزرگ اور ساری امتِ مسلمہ سفرِ زیارت اور استعانت کے سبب

؎ یوسف بن محمد اسماعیل نبہانی، علامہ، شواہد الحق، مطبوعہ مصطفٰی البابی حلبی، مصر، (۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء)

گمراہ ہوگی؟ ابن تیمیہ اور گروہ وہابیہ حق و ہدایت پر ہوگا؟ یہ ایسی بات ہے جسے کوئی نرا جاہل، بے عقل اور ذوق سلیم سے عاری ہی قبول کرے گا' خصوصاً بدعات میں اس کی شدید اور فاش غلطی ظاہر ہے اور از قبیل خیالات و اوہام ہے، ائمۂ اسلام کی آراء میں سے نہیں ہے"۔ [1]

محمد بن عبدالوہاب نجدی کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وہ ابن تیمیہ کے پانچ سو سال بعد آیا اور اس کی بدعت کو زندہ کر کے ایسے فتنے اٹھائے کہ ان کے سبب شر اور بلا عام ہوگئی، خون کے سمندر بہا دیئے گئے اور اتنے مسلمانوں کی جانیں تلف کی گئیں کہ ان کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔" [2]

علامہ نبہانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"میں نے ۲ ربیع الاول ۱۳۲۰ھ پیر کی شب خواب میں دیکھا کہ میں قرآن پاک کی آیاتِ مبارکہ بکثرت تلاوت کر رہا ہوں۔ گویا کوئی لکھوانے والا مجھے لکھوا رہا ہے۔ مجھے اس وقت وہ آیات خصوصیت کے ساتھ یاد نہیں ہیں، البتہ اتنا یاد ہے کہ ان میں بعض انبیائے کرام کے اوصاف، دشمنوں کے خلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی امداد اور انہیں صبر کا حکم تھا' خصوصاً سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا ذکر تھا، بہت دیر تک میں ان آیات کو پڑھتا رہا اور اسی حالت میں بیدار ہو گیا۔ میں نے اس خواب کی تعبیر یہ نکالی کہ یہ ان مبتدعین محمد عبدہ مصری کی جماعت کی طرف اشارہ ہے۔ میں نے پانچ سو پچاس اشعار پر مشتمل

---

[1] یوسف بن اسمٰعیل نبہانی، علامہ: شواہد الحق ص ۶۵

[2] یوسف بن اسمٰعیل نبہانی، علامہ: شواہد الحق ص ۵۶

قصیدۃ الرائیۃ الصغرٰی میں ان کی اور اُن کے شیخ مذکور (محمد عبدہٗ) اس کے شیخ جمال الدین افغانی اور محمد عبدہ کے شاگرد، جریدہ "المنار" کے ایڈیٹر اور ان سب سے زیادہ شریر رشید رضا کی مذمت کی ہے۔

میں نے اس قصیدہ کو صغرٰی (چھوٹا) اس لئے کہا ہے کہ میں نے اس سے ایک بڑا قصیدہ لکھا ہے، جو سات سو پچاس اشعار پر مشتمل ہے، اس میں ملّتِ اسلامیہ کے اچھے اوصاف اور دوسری (موجودہ) ملتوں کے قبیح اوصاف بیان کئے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں فریق میری عداوت اور اذیت میں متفق ہو گئے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے شر سے محفوظ رکھا۔

میں نے اس خواب کا اشارہ ان اشرار کی طرف اس لئے سمجھا کہ اس خواب سے تین دن پہلے ان میں سے ایک شخص میرے گھر آیا، اور ازراہِ ہمدردی مجھے کہنے لگا کہ میں محمد عبدہ اور جمال الدین افغانی سے تعرض نہ کروں، کیونکہ اُن کی جماعت میرے قصیدہ کے سبب ناراض ہے اور مجھے اذیت دینا چاہتی ہے۔" [1]

اِن اقتباسات کے نقل کرنے سے مقصد یہ دکھانا ہے کہ علامہ نبہانی قدس سرہٗ کس قدر راسخ العقیدہ اور حق کی حمایت کرنے میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

حضرت علامہ نبہانی رحمہ اللہ تعالیٰ، اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے ہمعصر تھے، نہ معلوم آپس میں ملاقات ہوئی یا نہیں، البتہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی نادرِ روزگار تصنیف الدّولۃ المکّیہ پر علامہ نبہانی قدس سرہٗ کی زوردار تقریظ موجود ہے، فرماتے ہیں،

---

[1] یوسف بن اسمٰعیل نبہانی، علامہ: ضمیمہ الدلالات الواضحات شرح دلائل الخیرات، مطبوعہ مطبع مصطفےٰ البابی، مصر ۱۹۵۵ء، ص ۱۲۹

"سیّد عبدالباری سلّمہ اللہ تعالیٰ (ابن سیّد امین رضوان مدنی) نے یہ کتاب الدولۃ المکیہ میرے پاس بھیجی۔ میں نے اوّل سے آخر تک اس کا مطالعہ کیا اور اسے تمام دینی کتابوں میں بہت ہی نفع بخش اور مفید پایا۔ اس کے دلائل بہت قوی ہیں، جو بڑے امام اور علامہ اجل ہی سے ظاہر ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی رہے اور اپنی نوازشات سے اُنہیں راضی رکھے اور اُن کی پاکیزہ اُمیدوں کو برلائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توسّل سے بارگاہِ الٰہی میں دُعا ہے کہ وہ اس کتاب کے مصنف ایسے زیادہ سے زیادہ پیدا فرمائے، جو ائمۂ اعلام ہوں، اسلام کے حامی ہوں، کفّار اور اہلِ بدعت کے رد میں مشغول رہیں، ایسے علماءِ عظیم مجاہد اور دین کی حدود کے محافظ ہیں۔" [1]

حضرت علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی قدس سرہ کا وصال بیروت میں ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۲ء ماہِ رمضان المبارک کی ابتداء میں ہوا۔ آپ کا آخر عمر تک یہ معمول رہا کہ باقاعدگی سے فرض ادا کرنے کے علاوہ کثرت سے نوافل ادا کرتے، اور بارگاہِ رسالت میں ہدیۂ درود و سلام پیش کرتے۔ عبادت اور اتباعِ سُنّت کا نور آپ کے چہرۂ مبارکہ پر چمکتا رہتا تھا۔ [2]

---

[1] الدولۃ المکیہ، مطبوعہ کراچی، ص ۷۷، ۷۸

[2] محمد حبیب اللہ بن مایابی الجکنی: مقدمہ شواہد الحق ص ۱۰

شواہد الحق فی الاستغاثہ بسید الخلق

ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ خالق ومالک، نافع وضار، ملجأ ومأوٰی اور مقصود ومطلوبِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ذات وصفات اور افعال میں وہی مستقل ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں ہے، سب اُسی کے محتاج ہیں، وہی مؤثر حقیقی ہے۔ استقلال اور تاثیرِ حقیقی یہ وہ اوصاف ہیں، جن پر مدارِ توحید ہے۔ مخلوقات میں سے کسی بھی شخصیت کو مستقل غیر محتاج یا مؤثر حقیقی ماننا شرک ہے۔

مخلوقات میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور محبوب اعمال اور ہستیوں کو بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ بنانا نہ صرف جائز ہے، بلکہ مستحسن ہے، دعاؤں کے مقبول ہونے اور حاجتوں کے بر آنے کا ذریعہ ہے، اسے ناجائز اور حرام قرار دینا عقلاً اور نقلاً باطل اور شرک قرار دینا قطعاً غلط ہے۔ خیال فرمائیے! کیا اللہ تعالیٰ کو وسیلہ بنایا جاسکتا ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں! تو اللہ تعالیٰ کے کسی مقبول بندے کو اگرچہ وصال کے بعد ہی ہو، وسیلہ بنانا کیسے شرک ہو سکتا ہے؟

اس میں شک نہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مخلوقات میں سب سے زیادہ محبوب اور مکرم ہیں، اس لئے آپ کی ذاتِ اقدس اہم ترین اور مقبول ترین وسیلہ ہے۔ آپ سے توسل کے کئی طریقے ہیں۔

۱۔ آپ کی تعلیمات پر عمل کیا جائے، آپ کے بیان کردہ فرائض و واجبات ادا کئے جائیں، آپ کی سنتوں کو اپنایا جائے۔ آپ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے،

ان سے بچا جائے۔

۲۔ آپ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعائیں کی جائیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے، تو حج و عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ مدینہ طیبہ میں حاضر ہو کر سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضری دی جائے، یہ بھی توسل کا ایک طریقہ ہے۔

علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"جس طرح روضۂ اقدس کی زیارت اور اس کے لیے سفر کرنے پر علماء کا اجماع ہے۔ اسی طرح علماءِ اسلام اور عامۃ المسلمین اس پر عمل پیرا ہونے میں متفق ہیں، کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے سے آج تک لوگ حج سے پہلے اور اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا قصد کرتے رہے ہیں اور اطرافِ عالم سے طویل اور پر مشقت سفر کر کے آپ کی بارگاہِ ناز میں حاضری دیتے رہے ہیں، اموالِ کثیرہ خرچ کرتے رہے ہیں، اپنی جانوں کو خطرات میں ڈالتے رہے ہیں اور ان کا عقیدہ یہ رہا ہے کہ یہ عمل، عظیم ترین عبادات میں سے ہے۔ جس کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر زمانے میں سفر کرنے والے کثیر التعداد لوگ خطا پر تھے، وہ خود خطا کار اور محروم ہے۔" [1]

اس مسئلے میں مخالفت کرنے والے علامہ ابن تیمیہ، ان کے شاگرد علامہ ابن القیم اور ابن عبد الہادی ہیں — ان کے بعد وہابی اور نجدی علماء ہیں جو نہ صرف ان کے نقشِ قدم پر چلے، بلکہ تشدد میں ان سے بھی آگے بڑھ گئے۔

---

[1] یوسف بن اسمٰعیل نبہانی، علامہ: شواہد الحق (عربی) طبع مصر، ص ۸۲

علامہ نبہانی قدس سرہٗ نے مسئلہ توسّل اور زیارت میں ان ہی لوگوں کا رد کیا ہے، اُن کے اُٹھائے ہوئے شبہات کا ازالہ کیا ہے اور انتہائی تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ مذاہب اربعہ سے تعلق رکھنے والے جمہور علماء کا مذہب کیا ہے؟ اور حق یہ ہے کہ ان مسائل کی تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ علامہ نبہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جابجا تصریح کی ہے کہ میں علامہ ابن تیمیہ اور اُن کے شاگردوں کے علم و فضل کا نہ صرف قائل ہوں، بلکہ مدّاح ہوں، لیکن جن مسائل میں ان حضرات نے جمہور علماء اسلام کی مخالفت کی ہے، اُن میں اِن کی تائید نہیں کرتا، اگر ان مسائل کا تعلق حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے نہ ہوتا، تو شاید میں ان کے خلاف قلم نہ اُٹھاتا۔

عالمِ اسلام کے جلیل القدر علماء نے کس قدر اِس کتاب کی تائید و تحسین فرمائی ہے اِس کا کسی قدر اندازہ اس کتاب پر لکھی جانے والی تقریظات سے ہوتا ہے۔

جامع ازہر، مصر کے سابق شیخ علی محمد ببلاوی مالکی فرماتے ہیں:

"اُس ذات نے جس کے قبضۂ قدرت میں خیر اور ہدایت ہے، مجھے اس کتاب سے آگاہ احسان فرمایا۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ کتاب اپنے مؤلف فاضل علامہ یوسف آفندی نبہانی کے لئے اس دن جب کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ سیاہ، بلند و بالا درجات تک پہنچنے ذریعہ ہوگی، کیونکہ میرے خیال میں اس موضوع پر، جس میں ان دنوں بہت اختلاف ہے، یہ بہترین تالیف ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مؤلف کو بہترین جزا عطا فرمائے اور ان جیسے لوگ کثرت سے پیدا فرمائے۔ بیشک وہ دُعا کو سُننے والا ہے۔" [1]

---

[1] یوسف بن اسمٰعیل نبہانی، علامہ: شواہد الحق، عربی، تقاریظ الکتاب، ص ۱۱

مفتی دیارِ مصریہ، ردّ المحتار للعلامۃ الشامی کے محشی علامہ عبدالقادر رافعی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"یہ کتاب عین حق وصواب اور کتاب وسنّت کی تائید لئے ہوتے ہے، اس کے دلائل محکم اور براہین مضبوط ہیں۔ لہٰذا اس کے گھنے سائے کے نیچے پناہ لینی چاہیے اور اس پر بجا طور پر اعتماد کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ وہ حق ہے، جس کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔" [1]

اُس وقت کے شیخ الازہر علامہ عبدالرحمٰن شربینی فرماتے ہیں:

"یہ کتاب شاہدِ عادل ہے، اس کا قول برحق اور کلام فیصلہ کن ہے۔ یہ صحیح معنوں میں شواہد الحق ہے، گمراہ اور گمراہ گر فرقے پر حجت اور اربابِ بدعت ملحدین کی گردن پر تلوار ہے، اس کے ذریعے سنّت زندہ ہوگی اور بدعت موت کے گھاٹ اُتر جائے گی۔" [2]

حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے سے اہلِ سُنّت وجماعت کو ذخیرۂ دلائل میسر آئے گا اور اہلِ بدعت انصاف سے پڑھیں گے، تو انہیں راہِ حق بے غبار نظر آجائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

محمد عبدالحکیم شرف قادری

---

[1] یوسف بن اسمٰعیل نبہانی، علامہ: شواہد الحق، عربی، تقاریظ الکتاب، ص ۱۲

[2] ایضاً: ص ۱۲ - ۱۳

مقدمہ شواہد الحق، مطبوعہ، فرید بک سٹال، لاہور،

۴۰۰ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ کی مطبوعات ۱۹۹۷ء

کتاب	قیمت
آداب شب عروسی	-/۹
اسلامی عقائد	-/۶۰
اسلامی نظام جامع عبادت و سیاست	-/۱۵
امام احمد رضا اپنوں اور غیروں کی نظر میں	۷/۵۰
امتیاز حق	-/۳۹
ایذان الاجر	-/۹
ایصال ثواب (المجد الفائحہ)	-/۹
تاریخ تناولیاں	-/۱۸
تذکرہ اکابر اہلسنت	
خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس	
خطبات رضویہ	-/۹
دعا بعد از نماز جنازہ	-/۹
دو اہم فتوے	-/۱۸
الدولتہ المکیہ (انگلش)	-/۳۶
زندۂ جاوید خوشبوئیں	
شفاعت مصطفیٰ (تحقیق الفتویٰ)	-/۱۲۰
لیمینیشن	-/۱۰۰
عظمت مصطفیٰ	
العلامہ فضل حق الخیر آبادی (عربی)	-/۱۵۰
گستاخ رسول کی شرعی حیثیت	-/۷۵
المعجزہ و کرامات الاولیاء (عربی)	-/۱۵
معمولات اہل سنت	-/۲۰۰
مقالات سیرت طیبہ	-/۹۰
مدینہ العلم (عربی)	-/۱۸
مزارات اولیاء	-/۱۵
من عقائد اھل السنہ (عربی)	-/۲۰۰
نغمہ توحید	-/۱۱
یاد اعلیٰ حضرت	-/۱۸

درسی کتب

کتاب	قیمت
انتخاب	-/۳۲
اہمیت علم تجوید	۷/۵۰
بدائع منظوم	-/۱۵
تحفہ نصائح	-/۲۷
پندنامہ	-/۱۵
صرف عتزال	-/۲۷
علم التجوید	-/۱۵
العقد النامی	-/۱۳۰
قاری قاعدہ	-/۹
قانونچہ کھیوالی	-/۲۱
کریما سعدے	۵/۲۵
المقدمہ الجزریہ	
توضیح قاری غلام رسول	-/۱۲
المقدمہ الجزریہ (مترجم) مع تحفۃ الاطفال	-/۹
المرقاۃ (عربی حاشیہ)	-/۳۰
میزان الصرف مع منشعب	-/۱۵
نام حق	-/۹
نحو میر	-/۳۰
نور الایضاح (مجلد)	-/۳۵
(غیر مجلد)	-/۱۰۰

ہمارے پاس اسلامی لٹریچر' تنظیم المدارس کے مطابق طلباء اور طالبات کا نصاب' بریلی شریف کی پانچ اور چوبیس نقوش والی انگوٹھیاں' تعویذات' نعتوں اور علماء اہل سنت کی باغ و بہار تقریروں کی کیسٹیں دستیاب ہیں۔ خود تشریف لائیں یا بذریعہ ڈاک طلب کریں۔

مکتبہ قادریہ' دربار مارکیٹ لاہور

0201

Kuwait Petroleum (Nederland) B.V. heeft haar zetel te Rotterdam en is ingeschreven in het handelsregister te Rotterdam onder nr. 25263

Kuwait Petroleum (Nederland) B.V.

Q8

Prinsenlaan 633, 3067 TZ Rotterdam